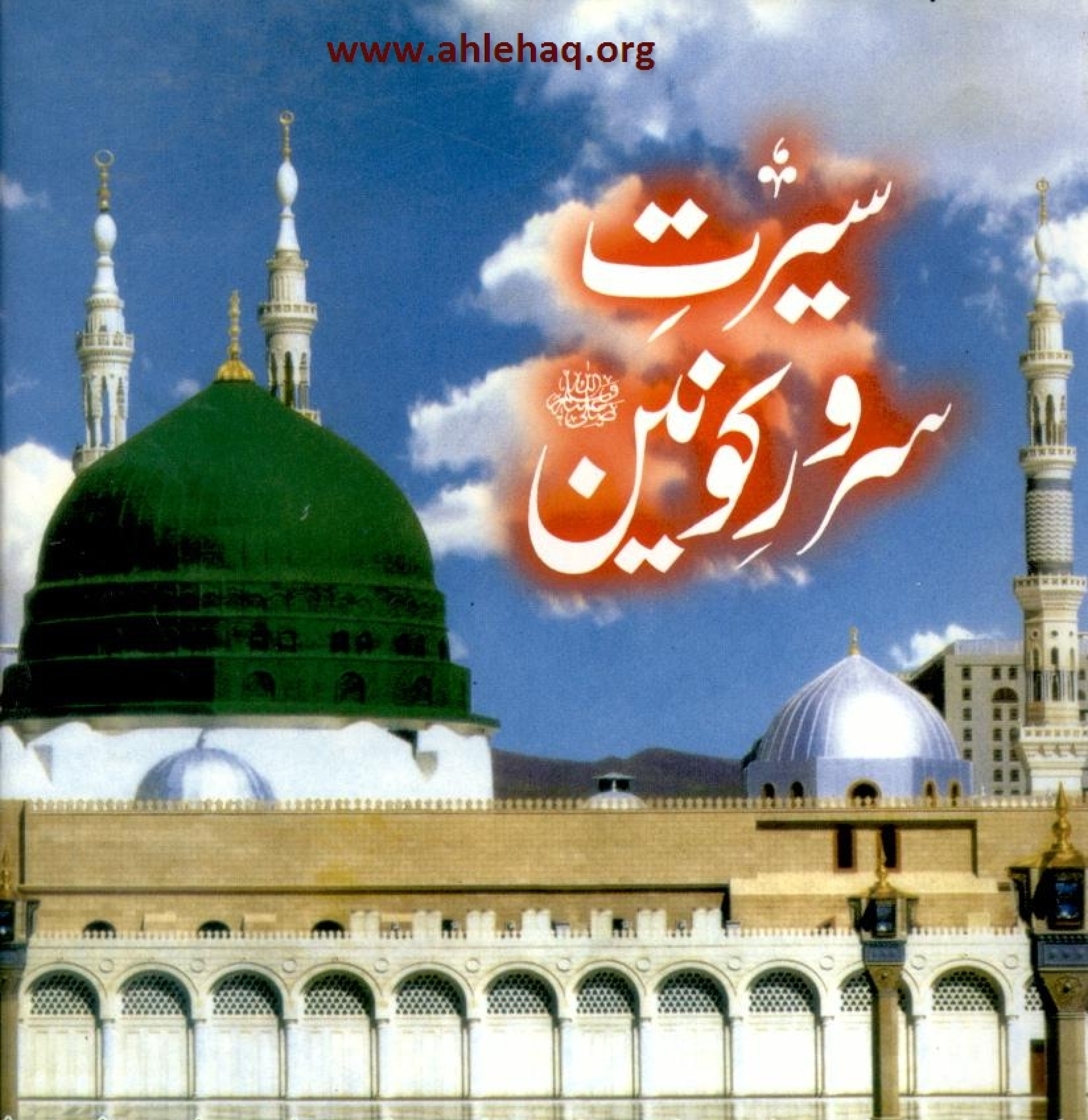


سیرتِ سرورِ کونین ﷺ

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

اِدارۃُ المعارف کراچی ۱۴

سیرتِ

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا
آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں
القرآن ۷: ۱۵۸

سیرتِ سرورِ کونین ﷺ

سیرتِ طیبہ پر اردو زبان میں عام فہم اور مفصل کتاب جس کا ہر جزء
مستند سیرت کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ کتبِ تفسیر و حدیث اور
سیرت کے مکمل حوالوں کے ساتھ ہر مسلم گھرانے کی ضرورت۔

جلد اوّل

تصنیفِ لطیف

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

اِدَارَۃُ الْمَعَارِف کراچی ۱۴

باہتمام : محمد مشتاق سنی

طبع جدید : محرم الحرام ۱۴۲۴ھ مارچ ۲۰۰۳ء

مطبع : احمد پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی

ناشر : ادارۃ المعارف کراچی احاطہ دارالعلوم کراچی ۱۴

فون : 5049733 - 5032020

ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

❖ ادارۃ المعارف کراچی احاطہ دارالعلوم کراچی ۱۴
فون : 5049733 - 5032020

❖ مکتبہ معارف القرآن کراچی احاطہ دارالعلوم کراچی ۱۴
فون : 5031565 - 5031566

عرضِ مرتّب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الّذی بعث نبیّہ المصطفٰی محمّدً الّذی أُخرج بہ النّاس من ظلمات الکفر و الشرک الی النور و الھُدٰی من اطاعہ و اتبعہ اھتدٰی و من عصاہ فقد ضلّ و غوٰی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ مصابیح الدّجیٰ و بارک و سلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا ہ

امّا بعد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیّبہ وہ اہم اور سدا بہار موضوع ہے جس پر ہر دور کے اہلِ علم و فضل نے قلم اٹھایا ہے اور ہر ایک نے والہانہ انداز میں سیرت طیّبہ کے مضامین اور واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے تمام واقعات کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہایت امانت داری، جانثاری اور پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ایسا قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے کہ پڑھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بچشمِ خود ان واقعات کو رونما ہوتا دیکھ رہا ہے۔

رسولِ برحق، محبوبِ خدا، احمد مجتبیٰ، محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال و افعال کو وہ اہمیّت اور عظمت حاصل ہے جو انسانی تاریخ میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ جانثاروںؓ نے آپؐ کی کنگھی، سُرمہ دانی، تکیہ اور بستر تک کے بارے میں مکمل معلومات کو محفوظ کرکے بیان کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مُبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ شریعت اور دین ہے اور آپؐ کا ہر عمل قابلِ تقلید ہے سوائے ان اعمال کے جن کے بارے

میں آپؐ نے خود بتا دیا کہ یہ میری خصوصیت ہے ۔

سیرت طیّبہ سے پوری شریعت واضح ہو جاتی ہے اور مکمل ضابطہ حیات سامنے آجاتا ہے۔ صبر و شکر، عبادت و ریاضت، قناعت و زہد، استغناء عن الخلق، اللہ کے دشمنوں سے جہاد، صلح و جنگ کے اصول، تربیتِ اولاد، ازدواجی زندگی غرضیکہ ہر معاملے میں مکمل راہنمائی ملتی ہے ۔

حضرت والد ماجد مفتی محمّد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب تفسیر انوار البیان لکھ کر فارغ ہوئے تو "سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" لکھنا شروع کر دی اور مختلف موضوعات اور واقعات لکھ کر "ادارۃ المعارف کراچی" کے ناظم جناب محمّد مشتاق سُنّی صاحب حفظ اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجتے رہے۔ حضرت والد صاحبؒ کا خیال تھا کہ جب کتابت مکمّل ہو جائے گی تو سلسلہ وار مضامین مرتب کر دیئے جائیں گے۔ ابھی تصنیفی کام جاری ہی تھا کہ حق تعالیٰ کی جانب سے بُلاوا آگیا اور ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ ہجری کو روزہ کی حالت میں تلاوتِ قرآن کے بعد انہوں نے داعی اجل کو لبّیک کہا۔ رفع اللہ درجاتہ۔ میری سعادت ہے کہ سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جلد اوّل مرتب کر کے طباعت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ اس کے تمام مضامین حضرت والد صاحبؒ کے لکھے ہوئے ہیں بندہ نے صرف ترتیب دی ہے۔ انشاء اللہ باقی حصّہ بھی جلد مکمل کر کے ارسال کر دوں گا۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے اور مقبولیّت عطا فرمائے۔ حضرت والد صاحب نوّر اللہ مرقدہ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور مجھے بھی ان کے اخلاص و تقویٰ کا کچھ حصّہ عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ سیّد خلقہ سیّدنا محمّد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

عبداللہ المدنی

۵ رشوال ۱۴۲۳ھ ہجری

بمقام مسجد نبوی شریف، جوار الروضۃ الشریفہ

فہرست مضامین

سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتابت : محمد اشرف طور

مُقدّمہ

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمین الذی بعث فی الامیین رسولا منھم بالحق المتین، وانزل علیہ القرآن المبین وجعلہ خاتم الانبیاء والمرسلین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الخلائق اجمعین محمد الذی ارسل رحمۃ للعالمین وبعث الی کافۃ الإنس والجن بالبلاغ المبین، وعلیٰ اٰلہ واصحابہ ومن اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین، الذین حفظوا القرآن والسنن ونشروھا فی کافۃ الناس اجمعین وأشاعوا أوصاف نبیھم المرضیۃ واخلاقہ الکریمۃ الیٰ اقصی الارضین، عاملھم اللہ تعالیٰ باللطف الخفی والفضل المبین۔

امابعد! اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے، ساری مخلوقات پر لازم ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے شکر گذار بھی ہوں اور اس کے حکموں پر بھی چلیں، آسمان اور زمین اور چاند سورج، ستارے اور جبال و بحار سب اس کے حکم کے تابع ہیں، اسکی مخلوق میں انسان بھی ہیں اور جنات بھی، ان دونوں جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے اور عمل کرنے کا اختیار دیا ہے اور یہ ان کا امتحان ہے، دونوں قوموں میں فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی، فرمانبرداری کا مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے والے نے جو حکم دئے ہیں ان کے مطابق چلیں اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ بندوں تک اس کے احکام پہنچیں اور بندے ان پر عمل کریں، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی تھے جب اللہ تعالےٰ نے ان کو اور انکی بیوی حضرت حوا کو زمین پر بھیجا تو اسی وقت فرمادیا:۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرہ:۳۸،۳۹)

سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے سو جو شخص میری ھدایت کا اتباع کرے گا تو ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

معلوم ہوا کہ بندے زندگی گذارنے میں آزاد نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلیں، ان حکموں کو خود تجویز نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ جو احکام بھیجے ہیں انہی پر ہر مرد و عورت کو چلنا لازم ہے اگر بندوں پر رکھ دیا جاتا کہ تم اپنی سمجھ سے عبادت کرو تو ہر ایک اپنے اپنے طریقہ پر عبادت کا طریقہ نکال لیتا اور بہت بڑا اختلاف ہوتا اور اپنے خالق اور مالک کے بارے میں اپنی طرف سے غلط عقیدے بنا لیتے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کی پرستش اور پوجا کرنے لگتے، دیکھو اسی دنیا میں نظروں کے سامنے اسلام کے نہ ماننے والوں کے کتنے فرقے ہیں اور کافروں کی کتنی جماعتیں ہیں، آگ کے پوجنے والے بھی ہیں، بنی آدم سورج کو بھی پوجتے ہیں گنگا جمنا کے بھی پجاری ہیں انہوں نے گائے کو بھی معبود بنا رکھا ہے، بتوں کے سامنے بھی ماتھا ٹیکتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں جو اپنے تراشے ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہیں، بتوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ان پر جو چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے اگر مکھی اسے کھانے لگے یا ان سے چھین کر اڑ جائے تو چھڑا نہیں سکتے۔

جو لوگ اللہ تعالٰے کے رسولوں اور نبیوں سے ہٹے انکی حماقتوں کا یہی حال ہے، ان لوگوں میں حلال و حرام کی بھی کوئی تمیز نہیں، شراب پیتے ہیں سود بھی لیتے ہیں اور بہت سے بُرے بُرے کام کرتے ہیں، فحاشی میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالٰے شانہ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا نبی اور رسول بھیجے انہوں نے انسانوں کو اور جنات کو اچھی باتوں اور اعمالِ صالحہ کی تعلیم دی، اور برائیوں اور بدکرداریوں سے منع فرمایا، ان کو خالق اور مالک کی عبادت کے طریقے بتائے، اچھے

اخلاق بھی سمجھائے، رہن سہن کے اچھے طریقے سکھائے اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں جو عمل کرو گے آخرت میں اس کا بدلہ ملے گا دنیا ایک دن ختم ہوگی قیامت قائم ہوگی نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانے والے جنّت میں اور ان کے منکر دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے اور حضرت سیدنا محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء ہیں آپ سب سے آخری نبی ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت اور رسالت ختم فرمادی آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا جو شخص آپ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور جو شخص اس کو سچّا جانے دونوں کافر ہونگے اور قیامت کے دن دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انکی نسل دنیا میں پھیلتی رہی، انہی میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام بھی آتے رہے توحید کی دعوت دیتے رہے اور احکامِ الٰہیہ سکھاتے رہے، شیطان بھی اپنی کوشش کرتا رہا اور اس نے بہت بنی آدم پر قابو پالیا۔ بڑی تعداد میں انسانوں کو کفر اور شرک پر لگادیا، بہت سے انسان غیر اللہ کی پرستش کرنے لگے اور نسل در نسل انسانوں میں کفر و شرک پھیلتا چلا گیا، جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لائے تھے ان میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بھی تھے، ان کے بعد دین سماوی کے ماننے کا دعویٰ کرنے والے تھے، لیکن ان کا دعویٰ جھوٹا تھا اپنے عقائد بدل چکے تھے توریت شریف اور انجیل شریف کو گم کرچکے تھے، یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ السلام کو اللہ کا بیٹا بنادیا بلکہ نصاریٰ تو اور آگے بڑھ گئے انہوں نے کہہ دیا کہ کئی معبود ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو بھی معبود بنالیا۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ	بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا
اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ	کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے
الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوْا	فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ	کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے
اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ	بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے
فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ	تو اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اس پر
الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ	جنّت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ
وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ	ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔
اَنْصَارٍ ۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ	بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے
قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ	کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک
ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ	معبود ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ
اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ	کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے
لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ	باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور
لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان لوگوں کو جو اُن میں کفر ہی پر جمے
مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۷۲،۷۳)	رہیں درد ناک عذاب ہے۔

دونوں فریق (یہود و نصاریٰ) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام کی شریعت کو بدل چکے تھے، اللہ کی کتاب میں تحریف بھی کی اور اس کی حفاظت علم بھی نہ کر سکے۔ اپنی گمراہی کے باوجود دوسروں سے یوں کہتے تھے کہ ہمارے دین پر آجاؤ ہدایت مل جائے گی (وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا) (البقرة: ۱۳۵) اور یوں بھی کہتے تھے کہ جنّت میں صرف ہم ہی داخل ہوں گے (وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرة: ۱۱۱) اس کے باوجود یہود کو دوزخ میں جلنے کا بھی یقین تھا۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (۸۰) (اور انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی مگر چند دن) ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۸۰) آپ فرما دیجئے کیا تم نے

اللہ کے پاس سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی وہ خلاف ورزی نہ کرے گا یا اللہ کے ذمّہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے) یعنی یہ بات تم نے اپنے پاس سے خود بنائی ہے اور اللہ تعالیٰ پر تہمت رکھی ہے کہ وہ تمہیں تمہارے کفر و شرک کے باوجود دوزخ سے نکال لے گا۔ یہودیوں کو علم کا دعویٰ بھی تھا اپنے عوام کو ان کے مطلب کے مسائل بتاتے تھے اور ان پر پیسے بھی لیتے تھے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ
يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى
وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ
يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۗ
اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ
مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا
يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ
وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ وَالدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۶۹)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جو کتاب
کے وارث بنے جو اس گھٹیا چیز کے سامان
کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری
مغفرت کر دی جائے گی اور اگر ان کے
پاس اسی جیسا اور سامان آ جائے تو اسے
لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کا یہ عہد
نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کسی
بات کی نسبت نہ کرو، اور انہوں نے اس
کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے اور آخرت
کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ڈرتے
ہیں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟

اور سورۃ المائدہ میں یہودیوں کی حرام خوری کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ
وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ

اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں
گے جو گناہ میں اور ظلم میں اور حرام کھانے
میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں، یہ واقعی
بات ہے کہ وہ اعمال برے ہیں جو یہ لوگ
کرتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کو
درویش اور اہلِ علم گناہ کی باتیں کرنے سے

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۶۲، ۶۳) اور حرام کھانے سے، واقعی وہ کرتوت بُرے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

یہ ان لوگوں کا حال تھا جو اپنے پاس دین سماوی ہونے کے دعویدار تھے ان کے علاوہ دنیا میں بسنے والی دیگر اقوام بھی کفر اور شرک کو اپنائے ہوئے تھیں، حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام جو داعی توحید تھے جنہوں نے کعبہ شریف بنایا تھا اور اللہ جل شانہ سے دُعا کی تھی وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم: ۳۵) (اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بُتوں سے محفوظ فرما) ان کی نسل مکہ معظمہ میں آباد تھی اور اہلِ عرب دوسرے شہروں میں بھی رہتے تھے لیکن صدیوں سے بُت پرستی کو اپنا چکے تھے اس سے تو حد ہو گئی کہ خاص کعبہ شریف میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بُت رکھ دئے تھے اور سرزمین عرب میں بڑے بڑے بُت تھے جن کے نعرے لگاتے تھے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان کی زیارت وعبادت کے لئے دُور دُور سے آتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کے مشہور تین بُتوں یعنی لات عُزّٰی اور منات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

زمانۂ جاہلیّت میں اہلِ عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور اس بات سے شرماتے تھے کہ ہمارا کوئی داماد بنے گا جب گھر میں کوئی لڑکی پیدا ہوتی تھی تو چھپے چھپے پھرتے تھے، لوگوں کے سامنے اپنی خفّت اور بے آبروئی محسوس کرتے تھے (يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (النحل ۵۹)) بلکہ اس خیال سے کہ کہاں سے کھلائیں گے لڑکوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔ سورۃ الأنعام میں فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (۱۵۱) اہلِ عرب حج بھی کرتے تھے ایک تو مرد وعورت سب مل کر ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ شیطان نے انہیں پٹی پڑھائی تھی کہ بھلا جن کپڑوں میں گناہ کرتے ہو انہی میں طواف کروگے، ان لوگوں نے ایک بُت مروہ پر رکھ دیا تھا اور ایک صفا پر، اور تین سو ساٹھ بُت کعبہ شریف میں رکھ رکھے تھے، زناکاری بھی عام تھی،

فاحشہ عورتوں نے جھنڈے لگا رکھے تھے،[1] متوفی کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے۔ سُود کا لین دین بھی عام تھا ایک ایک آدمی دس دس عورتیں رکھتا تھا جن لوگوں کی باندیاں ہوتی تھیں ان سے کہتے تھے کہ زنا کر کے پیسے کما کر لا، حرام حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، مُردہ جانور بھی کھا جاتے تھے اور بعض جانوروں کو اپنے اوپر خود ہی حرام کر رکھا تھا، قبائل کی آپس میں جنگ رہتی تھی، ایک دوسرے کو کھائے جاتے تھے۔

انسانوں کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالےٰ نے جنّات کو پیدا فرمایا تھا، ان میں بعض ایسی صفات ہیں جو بنی آدم میں نہیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نظروں سے غائب رہ سکتے ہیں، دوسرے یہ ہے کہ بنی آدم کا ہم شکل بن کر سامنے آسکتے ہیں، شرارت کا مادہ ان میں زیادہ ہے جب بنی آدم دنیا میں آئے اور ان میں کافر اور نافرمان ہوئے تو ان پر کافر اور نافرمان جنّات نے قبضہ کر لیا، انسانوں کو ستانا، صورتیں بدل کر آنا، خوابوں میں آنا اور ڈرانا شروع کر دیا جو بنی آدم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اتباع اور اطاعت سے الگ ہوئے بآسانی شیاطین نے ان پر تسلط کر لیا، لوگ ان سے ڈرنے بھی لگے اور ان کی عبادت بھی کرنے لگے، شیاطین ان کے سامنے صورتیں بدل بدل کر آئے۔ پھر ان صورتوں کی طرح بنائے ہوئے بُتوں کی عبادت پر ڈال دیا، انسانوں کے خوف اور ڈر کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی سفر میں رات کو کہیں خوف زدہ جگہ میں ٹھہرنا ہوتا تو ان میں سے بعض لوگ یوں پکارتے تھے یا عزیز ھٰذا الوادی اعوذ بک من السفھاء الذین فی طاعتک (اے اس وادی کے سردار میں ان بے وقوفوں سے تیری پناہ لیتا ہوں جو تیری فرمانبرداری میں ہیں) اس بات نے جنّات کو اور اوپر چڑھا دیا اور بد دماغ بنا دیا وہ سمجھنے لگے کہ دیکھو ہم اتنے بڑے ہیں کہ جنّات اور انسان ہم سے ہماری پناہ لیتے ہیں، جیسا کہ مصیبت کے وقت

---

[1] ذکرہ ابو داؤد فی سننہ (راجع انکحۃ الجاھلیۃ)

اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جاتی ہے اسی طرح ہماری پناہ لی جاتی ہے ۔

حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا۔ انسانوں میں کچھ لوگ کاہن بنے ہوتے تھے یہ لوگ آنے والے واقعات کی خبریں بتایا کرتے تھے اور یہ خبریں شیاطین ان کے پاس لاتے تھے، شیاطین کا یہ طریقہ تھا کہ آسمان کے قریب تک جاتے تھے اور وہاں جو زمین میں پیش آنے والے حوادث کا فرشتوں میں ذکر ہوتا تھا اُسے سن لیتے تھے پھر کاہنوں کے کان میں آکر کہہ دیتے تھے۔ کاہن اس بات کو لوگوں میں پھیلا دیتے تھے یہ بات چونکہ اُوپر سے سُنی ہوئی ہوتی تھی اس لئے صحیح نکل جاتی تھی۔ سُننے والے ان کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو اس کو آنے والے واقعات کا علم نہ ہوتا تو پہلے کیسے بتا دیتا؟ اس طرح سے شیاطین اور کاہنوں نے مل کر انسانوں کو بہکانے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو شیاطین کو اوپر پہنچنے سے روک دیا گیا اس کے بعد سے ان میں سے کوئی فرد خبریں سننے کے لئے اوپر پہنچا تو اس پر انگارے پھینکے جانے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ صورت حال پیش آئی تو شیاطین آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان آڑ لگا دی گئی ہے اور ہم پر انگارے پھینکے جانے لگے ہیں لہٰذا زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے ۔

چنانچہ انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور اصل صورتحال کا سراغ لگاتے ہوئے گھومتے پھرے۔ ان میں کی ایک جماعت تہامہ کی طرف آئی (یہ عرب کا وہ علاقہ ہے جس میں حجاز واقع ہے) اس جماعت نے دیکھا کہ مقامِ نخلہ میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو نمازِ فجر پڑھا رہے ہیں جب ان کے کانوں میں قرآن کی آواز پہنچی تو خوب دھیان کے ساتھ سننے لگے

اور آپس میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہی چیز ہے جو تمہارے خبریں سننے کے درمیان حائل ہوگئی ہے اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوگئے اور ان سے کہا: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (الجن:۱)۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ نازل فرمائی ۔[1]

شیاطین جس آزادی سے آسمان تک جاتے تھے اور وہاں فرشتوں کا جو مذاکرہ دنیاوی امور سے متعلق ہوتا تھا اسے سُن کر نیچے آجاتے اور کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے تھے۔ یہ سلسلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ختم ہوگیا لیکن شیاطین نے ایک اور دھندہ نکالا اور وہ یہ کہ نیچے سے لے کر بادلوں تک پرا لگا لیتے ہیں اور وہاں فرشتوں کی باتیں سُننے کے لئے کان لگا کر بیٹھتے ہیں اُن پر انگارہ پھینک دیا جاتا ہے اس انگارہ کے لگنے سے پہلے کوئی بات سُن کر اوپر والے نے اپنے نیچے والے کے کان میں ڈال دی اور ہوتے ہوتے وہ بات کاہن تک پہنچ گئی تو وہ اپنے پاس سے اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں خبریں پھیلا دیتا ہے۔ ان خبروں میں کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو وہ وہی ہوتی ہے جو اُوپر سے سُنی ہوئی ہوتی ہے۔ احادیث شریفہ میں یہ تفصیل وارد ہوئی ہے اور سورہ صافات کی آیت اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۱۰) میں اسی کو بیان فرمایا ہے کہ شیاطین اُوپر سے بات اُچکنے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب یعنی روشن انگارے سے مارے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشنگوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں، عرض کیا یا رسول اللہؐ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا

---

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۲

وہ ایک صحیح بات وہ ہوتی ہے جسے جنّ اُچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مُرغی کُرکُر کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۲، از بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سُنا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں وہ آپس میں ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عالم بالا میں ہو چکے ہوتے ہیں شیاطین کان لگا کر چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو بات سنتے ہیں ——— اسے کاہنوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور کاہن اس میں اپنے پاس سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں ان حالات میں اللہ جل شانہٗ نے خاتم النّبیّین سیّدنا محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَاۤ اِنَّ رَبِّیۡ اَمَرَنِیۡ اَنْ اُعَلِّمَکُمْ مَا جَھِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِیۡ یَوْمِیۡ ھٰذَا کُلُّ مَالٍ نَحَلْتُہٗ عَبْدًا حَلَالٌ وَ اِنِّیۡ خَلَقْتُ عِبَادِیۡ حُنَفَاءَ کُلَّھُمْ وَ اِنَّھُمْ اَتَتْھُمُ الشَّیَاطِیْنُ فَاجْتَالَتْھُمْ عَنْ دِیْنِھِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَیْھِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَھُمْ وَ اَمَرَتْھُمْ اَنْ یُشْرِکُوْا بِیۡ مَا لَمْ اُنْزِلْ بِہٖ سُلْطَانًا وَ اَنَّ اللّٰہَ نَظَرَ اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَھُمْ عَرَبَھُمْ وَعَجَمَھُمْ اِلَّا بَقَایَا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَقَالَ اَنَّمَا بَعَثْتُکَ لِاَبْتَلِیَکَ وَ اَبْتَلِیَ بِکَ وَ اَنْزَلْتُ عَلَیْکَ کِتَابًا لَا یَغْسِلُہُ الْمَاءُ تَقْرَأُہٗ نَائِمًا وَ یَقْظَانَ وَ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیۡ اَنْ اُحَرِّقَ قُرَیْشًا فَقُلْتُ رَبِّ اِذًا یَثْلَغُوْا (الحدیث)

ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں بتا دوں جو تم نہیں جانتے جن کی مجھے آج تعلیم دی ہے (اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا) کہ ہر مال جو میں نے کسی بندہ کو دیا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے (یعنی لوگوں نے اپنے پاس سے جو اللہ کے دیئے ہوئے اموال میں تحریم کر لی ہے

جیسے مشرکین بعض اموال کو بتوں کے لئے خاص کر دیتے تھے اور حلال و حرام کی تفصیلات لوگوں نے اپنے طور پر تجویز کر رکھی تھیں اللہ تعالیٰ نے جو مال عطا فرمایا اس میں اسے حلال طریقہ پر استعمال کر سکتے ہیں لیکن حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کا کسی مخلوق کو اختیار نہیں ہے۔ نیز ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے بندوں کو پیدا کیا وہ سب حنیف تھے یعنی توحید کے ماننے والے اور جاننے والے تھے ان کے پاس شیاطین آ گئے جنہوں نے ان کو ان کے دین سے دور کر دیا اور بندوں کے لئے وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے حلال کی تھیں اور شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ میرے لئے شریک تجویز کریں جس کے لئے میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

مزید فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے اہلِ زمین کی طرف دیکھا سو ان میں عرب و غیر عرب کو مبغوض قرار دیا سوائے ان اہلِ کتاب کے جو بقایا تھے (یعنی ان میں سے جو لوگ حق پر قائم تھے) اور اللہ تعالےٰ نے مزید فرمایا کہ میں نے تجھے مبعوث کیا تاکہ تیری آزمائش کروں اور تیرے ذریعہ دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کر دی جسے پانی نہیں دھو سکتا (یعنی سینے میں محفوظ رہتی ہے) اس کتاب کو آپ سوتے ہوئے بھی پڑھیں گے اور جاگتے ہوئے بھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۰)

اس حدیث میں یہ بتایا کہ ______ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کے سبھی لوگ گمراہ تھے شرک میں مبتلا تھے اور تقریباً سب ہی انسان حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے دین کو چھوڑ چکے تھے توحید سے دور ہو چکے تھے اور شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو خوشخبری دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آئیں گے جن کا نام احمد ہو گا۔ سورۃ الصف میں ارشاد ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ‏ اور جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا کہ اے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (۶)

بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توراۃ ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت دینے والا ہوں پھر جب ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔

آپؐ کی بعثت اس بشارت کے لگ بھگ چھ سو سال بعد ہوئی جسے قرآن کریم نے زمانہ فترت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؕ (۱۹)

آپ فرمادیجئے کہ اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے سامنے (حقائق کو) بیان کرتا ہے اس کی بعثت زمانہ فترت میں ہوئی ہے جو رسولوں کی آمد کے منقطع ہونے کا زمانہ ہے ہم نے یہ رسول بھیج دیا تاکہ تم قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر و نذیر آچکا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے آپؐ کے اخلاقِ عالیہ، امانت اور دیانت سے سب ہی متاثر تھے اور آپؐ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے لیکن جب آپؐ نبوّت سے سرفراز ہوئے اور لوگوں کو توحید کی

دعوت دی اور شرک کی مذمّت کی تو خود اہلِ مکّہ بھڑک اٹھے حتیٰ کہ آپؐ کے خاندان والے بھی دشمنی پر اُتر آئے۔ سورۂ ص میں ہے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۔ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۔ (۵،۴)

اور ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی لوگوں میں سے ایک ڈرانے والا آگیا اور کافروں نے کہا یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا، کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا بلاشبہ یہ بڑے تعجب والی چیز ہے۔

ان لوگوں کے دلوں میں شرک ایسا رچ بچ گیا تھا کہ توحید کی بات سُن کر انہیں بڑا تعجب ہوا، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوتِ توحید کی وجہ سے بہت ستاتے تھے، ایذائیں دیتے تھے، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیئے جاتے تھے، جو شخص مسلمان ہوجاتا تھا اسے بے تحاشا تکلیفیں پہنچاتے تھے اور باہر سے آنے والوں کو تلقین کرتے تھے کہ اس شخص سے ملاقات نہ کرنا۔

آپؐ کی محنت و دعوت جاری رہی، اہلِ مکّہ میں سے چند ہی افراد نے اسلام قبول کیا اور کچھ لوگ باہر سے آئے اور آپؐ کی دعوت سن کر مسلمان ہوئے، اسی طرح بارہ سال گذر گئے، مصیبتوں کا سامنا رہا، مکّہ والے تکالیف پہنچاتے رہے حتیٰ کہ حج کے موقعہ پر منیٰ میں اہلِ مدینہ سے آپؐ کی ملاقات ہوگئی، آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے اسلام تو قبول کر لیا جب ان سے فرمایا کہ مجھے ساتھ مدینہ لے چلو (جس کا نام یثرب تھا) تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کو آئندہ سال پر رکھیں، آئندہ سال مدینہ منورہ سے آنے والے افراد سے حج کے موقعہ پر پھر ملاقات ہوئی تو آپؐ کو مدینہ منورہ تشریف لانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا، نبوت کے تیرھویں سال آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ میں قیام فرمالیا۔ آپؐ کے تشریف لے جانے سے پہلے

مدینہ منورہ میں بڑی حد تک اسلام پھیل چکا تھا اور تعلیماتِ اسلام کا چرچا ہو چکا تھا۔ اہلِ مدینہ میں اوس اور خزرج دو قبیلے آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے، یہ قبیلے یمن سے آکر آباد ہوئے تھے۔

مدینہ منورہ میں یہود بھی آباد تھے وہ بھی مدینہ منورہ میں زمانہ قدیم سے آباد تھے، کہتے تھے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس بستی میں تشریف لاکر مقیم ہوں گے اور ہم ایمان لائیں گے، یمن سے آکر آباد ہونے والے دونوں قبیلوں میں ان بن ہو جاتی تھی تو ان سے یہودی کہتے تھے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ مل کر تمہارا ناس کھو دیں گے لیکن آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے تو یہود ہی آپؐ کے سب سے بڑے دشمن بن گئے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ○ (۸۹)

پس جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔

بجز چند افراد کے یہودیوں نے اسلام قبول نہ کیا، اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پکے دشمن بن گئے لیکن اسلام آگے بڑھتا رہا، عرب کے مختلف علاقوں کے لوگ فرداً فرداً حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے رہے لیکن قبائل عرب میں عام طور پر یہ تاثر تھا کہ ابھی انتظار کرو اور دیکھو کہ خود ان کی قوم قریشِ مکہ کا کیا معاملہ ہوتا ہے اگر آپؐ ان پر غالب آگئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ہم بھی اسلام قبول کر لیں گے، بالآخر ۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور آپؐ کی قوم نے عام طور پر اسلام قبول کر لیا تو دیگر قبائل عرب بھی اسلام میں داخل ہو گئے یہ لوگ وفود بنا کر آتے تھے اور خدمت عالی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کے بعد تھوڑا بہت قیام کر کے اپنے اپنے علاقوں میں چلے جاتے تھے، الحمدللہ عرب میں اسلام پھیل گیا اور دعوتِ اسلام کا خوب

چرچا ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادیاں بھی کیں آپؐ کے اولاد بھی ہوئی آپؐ نے عبادات بھی سکھائیں، آداب اور اخلاق کی بھی تعلیم دی، غزوات بھی کئے، مصالحت بھی، زندگی بھر کے احکام اور مسائل تفصیل سے بتائے۔ آپؐ نے زبانی بھی تعلیم دی، عمل کرکے بھی دکھایا، آپؐ کا ہر عمل اور ہر قول امت مسلمہ کے لئے ہدایت موعظت اور نصیحت ہے قرآنِ مجید میں آپؐ کی اطاعت کا جگہ جگہ حکم فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸) جس نے رسولؐ کی اطاعت کی سو اس نے اللہ کی اطاعت کی) اور آپؐ کے اتباع کو اللہ جل شانہٗ کی محبت کا ذریعہ بتایا ہے۔ سورہٗ آلِ عمران میں ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ	آپ فرمادیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے
اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ	ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے
اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ	گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (۳۱)	اور وہ غفور رحیم ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے آپؐ کی اطاعت اور محبت کا حکم دیا اور آپؐ کی ذات گرامی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا اور آپؐ کو دین کامل عطا فرمایا۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ	اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۳)	لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔

آپؐ کی شریعت جامع ہے اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے احکام ہیں، عقائد، عبادات، معیشت، معاشرت، حکومت، تجارت، زراعت، صنعت اور حرفت اقامت، مسافرت، ازدواجی زندگی، تربیت اولاد، دوستی اور دشمنی کے احکام، غرض کہ سب کچھ دین اسلام میں موجود ہے۔ قرآنِ کریم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال زندگی کے ہر شعبہ میں امتِ مسلمہ کے لئے حجت ہیں،

ساری زندگی انہی کے مطابق گذاری جائے اور آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اختیار کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے عالم منور ہو گیا، یہود اور نصاریٰ کا دین دب گیا، کفر اور شرک کے سرغنوں نے اسلام قبول کیا، قوموں کی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں، دشمنوں نے رکاوٹیں کھڑی کیں لیکن اسلام بڑھتا چڑھتا رہا۔ آج پورے عالم میں کروڑوں افراد ہیں جن کا دین اسلام ہے اور برابر اسلام پھیل رہا ہے اور کافر و مشرک اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں فرمایا:

هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (٩)

اللہ تعالیٰ کی وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب فرمائے، اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔

اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم اور اللہ تعالیٰ کی تیسیر اور توفیق سے احقر نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جب تفسیر انوار البیان لکھ کر فارغ ہوا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے القا فرمایا کہ سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیہ پر ایک مفصّل کتاب ہونی چاہئے۔ سیرت پر کتابیں بہت سی لکھی گئیں جو مختصر بھی ہیں اور مطول بھی، پھر نئی کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا جواب دینے کے لئے صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور آخرت کا اجرِ عظیم حاصل کرنے کے لئے کتاب لکھی ہے اس میں کچھ بھی انوکھا پن نہ ہو تب بھی رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بار بار تذکرہ کرنے اور بار بار درود بھیجنے کا ثواب تو بہرحال ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

احقر نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث شریفہ کے حوالوں کا خاص اہتمام کیا ہے تقبل اللہ منی ھذا العمل الجلیل۔

ناظرین سے دُعا ہے کہ صاحب سیرت سرورِ کونین تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجیں اور جب کتاب پڑھنے بیٹھیں اور دل خوش ہو تو احقر کو اور احقر کے والدین اور مشائخ اور اساتذہ کو اور ان تلامذہ کو جنہوں نے اس تالیف میں میری مدد کی دعاؤں میں یاد کر لیا کریں۔

واللہ المستعان، علیہ توکلت وإلیہ أنیب

وعلیہ فلیتوکل المتوکلون

العبد الفقیر

محمّد عاشق الٰہی بلندشہری

عفا اللہ وعافاہ

وجعل آخرتہ خیرمن اولاہ

المدینۃ المنورہ

شوال ۱۴۲۱ھ

مکّہ معظّمہ کی آبادی

اور

کعبہ شریف کی تعمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکّہ معظمہ عرب کا مشہور شہر ہے، اس کا دوسرا نام بکہ "با" کے ساتھ بھی ہے اور تیسرا نام اُمّ القریٰ ہے یہ تینوں نام قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو بابل (عراق) کے قریب کسی جگہ کے رہنے والے تھے انہوں نے اپنے علاقہ کے بت پرستوں کو توحید کی دعوت دی، شرک کی قباحت وشناعت بیان فرمائی اپنے باپ کو بھی توحید کی تلقین فرمائی لیکن قوم نے اور ان کے والد نے یہ دعوت قبول نہ کی، جب دیکھا کہ لوگ بت پرستی چھوڑنے والے نہیں ہیں تو وہاں سے ہجرت فرماکر فلسطین کے علاقہ میں آگئے، ان کی ایک بیوی سارہ (جو ان کے چچا کی بیٹی تھی) اس کو ساتھ لے کر چلے تو راستہ میں ایک ظالم بادشاہ نے ان کو پکڑوا کر اپنے پاس بلوالیا، جب بدنیتی سے ان پر ہاتھ ڈالا تو اسے دورہ پڑ گیا اور پاؤں مارنے لگا۔ کہنے لگا کہ میرے لئے دعا کرو کہ میں ٹھیک ہو جاؤں میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ انہوں نے دُعا کر دی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھیک ہو گئے جب واپس جانے لگیں تو ان کے ساتھ ایک باندی کر دی اس کا نام ہاجرہ تھا[۱]، حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس سے بھی نکاح کر لیا، دونوں بیویوں کو لے کر فلسطین پہنچے، حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے جن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلامؑ ان ہی کا لقب اسرائیل تھا اور بنی اسرائیل سب ان کی اولاد ہیں۔ حضرت ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، رب العالمین جل مجدہ کا حکم ہوا کہ اسماعیل اور ان کی والدہ کو عرب میں چھوڑ آؤ،

---

۱ صحیح بخاری ص ۲۹۵ و ص ۴۷۴

وہ دونوں کو اپنے ہمراہ لائے اور مکہ معظمہ کی سرزمین میں کعبہ مشرفہ کے قریب چھوڑ کر چلے گئے۔ شہر مکہ اس وقت سنسان میدان تھا پہاڑوں کے درمیان خالی جگہ پڑی تھی، کعبہ شریف جو ان سے پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا اس کی عمارت بھی موجود نہ تھی۔ کعبہ شریف کی بنیادیں طوفان نوح کے موقعہ پر مٹی میں چھپ گئی تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنی بیوی اور اپنے لڑکے کے پاس کچھ دن رہے اس کے بعد کچھ کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ بیوی نے پوچھا ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ کچھ جواب نہیں دیا بالآخر بیوی نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ (ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں) اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے یہ سن کر کہنے لگیں إذاً لا یضیعنا (جب اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے تو ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا) دونوں ماں بیٹے بغیر کسی محافظ کے سنسان میدان میں رہتے رہے حتیٰ کہ مشکیزہ کا پانی ختم ہونے لگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام چھوڑ کر گئے تھے۔ حضرت ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں صفا پر گئیں پھر مروہ پر گئیں پھر مروہ سے صفا پر آئیں، اسی طرح سات چکر لگائے، بچّہ کو چونکہ اسی جگہ چھوڑ دیا تھا جہاں اس وقت بئرِ زمزم ہے اور صفا و مروہ کے درمیان میں نشیب تھا اس لئے اس نشیب سے دوڑ کر گزر جاتی تھیں تاکہ بچّہ دیر تک نظروں سے اوجھل نہ رہے۔ ابھی یہ پانی کی تلاش میں بچّے سے دور ہی تھیں کہ جس جگہ بچّہ کو بٹھا رکھا تھا وہیں پر اللہ تعالےٰ نے چشمہ جاری فرما دیا یہ وہی چشمہ ہے جسے زمزم کہا جاتا ہے بعد میں اسے کنواں بنا دیا گیا۔ اس چشمہ کا پانی، پانی کا کام بھی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں غذائیت بھی رکھی ہے۔

حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ اسی چٹیل میدان میں رہتے تھے جب پانی کا چشمہ جاری ہو گیا تو اوپر پرندے اڑنے لگے قبیلہ بنی جرہم وہاں سے گزر رہا تھا۔

ل صحیح بخاری ص ۴۷۴، ۴۷۵ و ۴۷۶

ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہاں تو کبھی پانی نہیں تھا پرندے کیسے نظر آرہے ہیں قریب آئے تو دیکھا کہ ایک خاتون اپنے بچّے کو لئے بیٹھی ہے اور قریب ہی چشمہ ہے کہنے لگے کہ ہم بھی یہاں رہنے لگیں، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ نے فرمایا کہ رہنے کی تو اجازت ہے لیکن پانی میں تمہارا (مالکانہ) حصّہ نہیں ہوگا۔ قبیلہ مذکورہ بھی ساتھ رہنے لگا اس طرح سے مکہ معظمہ کی آبادی بڑھنی شروع ہوگئی [1]

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ اور اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ لے گئے۔ راستہ میں تین جگہ شیطان نے ورغلایا تو اسے تین مقامات پر سات سات کنکریاں ماریں جن کی یادگار اب تک باقی ہے اور حج میں کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو ذبح نہ کر سکے، چھری نے کام نہ کیا۔ سورہ صٰفّٰت میں فرمایا:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)	[2] سو جب دونوں نے حکم مان لیا اور ابراہیم نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام تشریف لائے تو کعبہ شریف بنانے کا حکم ہوا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام اس وقت تعمیری کام میں مدد کرنے کے لائق ہوگئے تھے۔ دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا۔ کعبہ شریف کی پرانی بنیادوں کا علم نہ تھا اللہ تعالےٰ نے خوب زوردار ہوا بھیج دی جس نے کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کر دیں۔

سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۷۵ ۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۴

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ (۲۶)

اور جب ہم نے ابراہیمؑ کو کعبہ شریف کی جگہ بتادی اور (حکم دیا) کہ تم میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور پاک کرو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور (نمازوں میں) قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع کرنے والوں کے لئے اور سجدہ کرنیوالوں کے لئے

دونوں حضرات کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور قبولیت کی دُعا کرتے جا رہے تھے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۲/۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اور اسماعیل بھی، اے ہمارے رب قبول فرمالے ہم سے بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے، اے ہمارے رب اور بنادے ہم کو تو اپنا فرمانبردار، اور بنادے ہماری اولاد میں سے ایک امت جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں بتادے حج کے احکام، اور ہماری توبہ قبول فرمائیے بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے، اے ہمارے رب اور بھیج دے ایک رسول ان میں سے جو تلاوت کرے ان پر تیری آیات اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی عزیز ہے حکیم ہے۔

قبیلہ بنی جُرہم میں حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی شادی ہوگئی تھی نسل بڑھتی رہی اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے قُصَیّ بن کلاب اور فہر بن مالک تھے جن کا لقب

قریش تھا اوران ہی میں سے ہاشم بھی تھے جن کے پڑپوتے سیدالاوّلین والآخرین حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں۔ مذکورہ بالاسطور سے مکہ معظمہ کی آبادی اور بنائے کعبہ کا علم ہوا۔

مفسر ابن کثیر نے مسند امام احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ آپ کا ابتدائی تذکرہ اوّلاً کیسے شروع ہوا؟ آپؐ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے جو خواب دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کردیا میں اس خواب کا مظہر ہوں[1]۔ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" جو دعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام نے کی تھی اس کے بارے میں فرمایا کہ اپنے والد ابراہیم کی دعا کا مظہر ہوں

نسب مطہر

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، پھر ۵۳ سال کی عمر میں عرب کے دوسرے شہر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی اسی لئے آپؐ کو عربی اور مکی اور مدنی کہا جاتا ہے آپؐ نسب کے اعتبار سے بھی عربی تھے، عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ۲۹ ویں پشت میں جاکر حضرت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما الصلاۃ والسلام سے مل جاتا ہے اور حضرت اسماعیل کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ۲۰ واسطوں سے مل جاتا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک لکھا ہے۔ ہم نسب نامہ نقل کرتے ہیں:

"محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔"

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۴ ج ۱، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے، راوی حضرت عرباض بن ساریہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشہور اسم گرامی محمدؐ اور دوسرا نام احمد ہے۔
قرآن مجید میں یہ دونوں نام مذکور ہیں۔ آپؐ کے والد کا نام عبداللہ تھا اور دادا عبدالمطلب کے نام سے مشہور تھے یہ اُن کا نام نہیں ہے ایک خاص واقعہ کی وجہ سے آپ کا نام عبدالمطلب مشہور ہوگیا تھا۔ اصل نام عامر یا شیبہ تھا عبدالمطلب کے والد ہاشم کے نام سے مشہور تھے، ہاشم کا ایک نام عمرو بھی بتایا جاتا ہے۔ ان کے والد کا نام عبدمناف مشہور ہے ان کا اصل نام المغیرۃ تھا۔ ان کے والد قصیؒ اور ان کے والد کلاب اور ان کے والد مُرّہ اور ان کے والد کعب تھے ان کے والد لُوئی اور ان کے والد غالب اور ان کے والد فہر تھے۔ فہر کے والد کا نام مالک اور ان کے والد کا نام نضر اور ان کے والد کا نام کنانہ اور ان کے والد کا نام خزیمۃ اور ان کے والد کا نام مدرکہ تھا۔ ان کے والد کا نام الیاس تھا اور ان کے والد مضر ابن نزار تھے، نزار کے والد معدّ بن عدنان تھے۔ عدنان تک جو نسب کی تفصیل ہے یہ متفق علیہ ہے۔ اسے علماء تاریخ سب تسلیم کرتے ہیں اس کے اوپر جو حضرت آدم علیہ السلام تک نسب مذکور ہے اس کی صحت میں اختلاف ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا کا نام عامر یا شیبہ تھا۔ ایک واقعہ کی وجہ سے عبدالمطلب نام مشہور ہوگیا تھا، سیرت حلبیہ میں ہے کہ ان کو عبدالمطلب اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کے چچا مطلب جب ان کو ان کے بچپن میں مدینے سے مکّہ لے کر آئے تو ان کو انہوں نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہ اس وقت بہت خراب حال میں تھے یعنی پھٹے پرانے کپڑوں میں تھے جب بھی مطلب سے کوئی ان کے متعلق پوچھتا کہ یہ کون ہے تو وہ کہہ دیتے کہ یہ میرا غلام ہے وہ عبدالمطلب کے متعلق (ان کے خراب خستہ حال کی وجہ سے) یہ کہتے ہوئے شرماتے تھے کہ یہ میرا بھتیجا ہے مکّہ پہنچ کر انہوں نے ان کی حالت سنواری اور تب یہ بتلایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے (لیکن عرف عام میں پھر بھی ان کا نام عبدالمطلب ہی رہا)۔

قریش کس کا لقب ہے؟ سیرت نگاروں کا ایک قول یہ ہے کہ یہ نضر بن کنانہ کا لقب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فہر بن مالک کا لقب قریش تھا یا قریش نام اور فہر لقب تھا۔ قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نضر بن کنانہ کی اولاد کو قریش سے اس لئے ملقب کیا گیا کہ یہ سب لوگ مجتمع تھے اور تقرش تجمع کو کہا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ تاجر تھے اور تجار کو قریشی کہا جاتا ہے والتجار یتقارشون ای یتجرون اس قول کو بعض اہل سیر نے تسلیم نہیں کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ لفظ قریش القرش کی تصغیر ہے یہ سمندر کی ایک بڑی مچھلی کا نام ہے جو سمندر کی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے چونکہ قریش بڑا قبیلہ تھا اس کے مقابلہ میں دوسرے قبیلے چھوٹے تھے اس لئے یہ لوگ قریش کے لقب سے مشہور تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ عرب میں جو قریش کے لئے لفظ قریش بولا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے آباء و اجداد میں نضر بن کنانہ یا فہر بن مالک کو ملقب کیا گیا تھا یا دوسرے قبیلوں کے مقابلہ میں بڑا قبیلہ ہونے کی وجہ سے اس لقب سے مشہور ہوئے۔ آپؐ کی والدہ کا نسب اس طرح سے ہے:

"آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا نسب اوپر جا کر مل جاتا ہے دونوں قریشی تھے۔ آپؐ کے والد عبد اللہؓ آمنہ بنت وہب کو مدینہ منورہ سے بیاہ کر لائے تھے ان کی پیدائش وہیں کی تھی جو قبیلہ بنی نجار میں سے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے اخوال یعنی ماموں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے منتخب فرمایا، پھر قریش کو بنی کنانہ سے اور قریش سے ہاشم کو پھر بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔[1]

---

[1] رواہ مسلم ص ۲۴۵ ج ۲

چونکہ سرزمین مکّہ میں بنی جرہم ہی آباد تھے اس لئے کعبہ شریف کی دیکھ بھال بھی انہی کے ذمّہ تھی یہی لوگ کعبہ شریف کے متولی تھے اور شہر مکّہ کی سرداری بھی انہی کو ملی ہوئی تھی لیکن جب بنی جرہم نے سرکشی اختیار کرلی تو بنی خزاعہ نے فیصلہ کیا کہ بنی جرہم سے جنگ کی جائے اور انہیں مکہ سے نکال دیا جائے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے پہلے بنی جرہم کی اس سرکشی کی سزا میں اس قوم پر ایک ایسا کیڑا مسلط کر دیا گیا جو اس کیڑے کے مشابہ تھا جو اونٹوں اور بکریوں کی ناک میں ہو جاتا ہے۔ اس بیماری کے نیتجے میں اتنی بربادی ہوئی کہ ایک ہی رات میں بنی جرہم کے (۸۰) اسّی آدمی ہلاک ہو گئے جو سب کے سب پختہ کار و تجربہ کار تھے، اس تباہی اور مکّہ کی سرداری چھن جانے کے بعد جو لوگ باقی بچے وہ سب عمرو ابن حرث جرہمی کے ساتھ یمن کی طرف چلے گئے عمرو بن حرث بنی جرہم میں وہ آخری آدمی ہے جو مکّہ کا سردار ہوا مکّہ کی سرداری چھن جانے کا بنی جرہم کو زبردست غم تھا اور وہ اس پر سخت ملول اور رنجیدہ تھے۔

جب بنی جرہم کا اقتدار ختم ہوا تو بنی خزاعہ نے اقتدار سنبھال لیا تو خانہ کعبہ کی تولیت اور دوسرے عہدے انہی لوگوں کو مل گئے۔ ان عہدوں کے یہ نام ہیں:

سقایہ، رفادہ، حجابہ، دارالندوہ، لواء (یعنی جھنڈا اٹھانا) قیادت۔

منصب سقایہ سے مراد حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا ہے اور منصب رفادہ حج کے زمانہ میں لوگوں کو واپسی تک ان کے لئے کھانے کے انتظام کو کہا جاتا تھا اور حجابہ سے مراد کعبہ شریف کو کھولنے اور بند کرنے کا منصب ہے اور دارالندوہ سے وہ عمارت مراد ہے جہاں قریش کے لوگ اپنے معاملات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ منصب سقایہ، منصب رفادہ اور منصب قیادہ بنی عبد مناف کو حاصل تھے اور منصب حجابہ اور منصب لواء بنی عبدالدار کے پاس رہے۔

بئر زمزم کی کھدائی

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ پانی ختم ہونے کی وجہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کعبہ شریف کے قریب جس جگہ اپنے بچّہ اسماعیل کو چھوڑ کر پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پر آنا جانا

کر رہی تھیں اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قریب ہی زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا تھا بعد میں یہ چشمہ کنواں بنا دیا گیا۔ مختلف حالات گزرتے رہے یہاں تک کہ یہ کنواں مٹی سے بھر گیا نہ صرف مٹی سے بھر گیا بلکہ اس کی جگہ بھی نامعروف ہو گئی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم نے خواب میں دیکھا کہ بئرِ زمزم کے کھودنے کا حکم ہو رہا ہے جب تین رات یہی خواب دیکھا تو جگہ معلوم کرنے کی فکر ہوئی جگہ بھی انہیں خواب ہی میں بتا دی گئی۔ انہوں نے اپنے بیٹے حارث بن عبدالمطلب کو لے کر کنواں کھودنا شروع کیا یہاں تک کہ پورا کنواں کھود دیا جب پانی نظر آ گیا تو نیچے سے وہیں اندر اندر چشمہ پھوٹ پڑا۔ عبدالمطلب نے اللہ اکبر کہا کیونکہ عبدالمطلب کے ہاتھوں سے یہ کام انجام پایا تھا اس لئے انہیں کی نسل میں زمزم کی دیکھ بھال اور نگہداشت باقی رہی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف کرنے کے بعد زمزم کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب لاؤ پانی دو ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر تم پر غالب نہ ہو جاتے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول سے پانی کھینچنے میں شریک ہو جاتا اس موقعہ پر زمزم کا پانی آپؐ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا تھا حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے فرمایا کہ غسل کرنے والے کو میں اجازت نہیں دیتا کہ زمزم کا پانی استعمال کرے یہ وضو کرنے والے کے لئے اور پینے والے کے لئے ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب چونکہ زمزم کا پانی پلانے کے ذمہ دار تھے اس لئے انہوں نے حج کے موقع پر آپؐ سے اجازت لے لی تھی کہ منیٰ کے ایّام میں رات کو مکہ معظمہ میں رہ کر حجاج کو پانی پلانے کی خدمت انجام دیں[1] (اور رمی دن کو کسی وقت کر لیا کریں)۔

ولادت باسعادت

ابھی آپؐ اپنی والدہ کے بطن مبارک ہی میں تھے کہ آپؐ کے والد کی وفات

---

[1] ملتقط من اخبار مکہ للازرقی

ہو گئی جو کہ تجارت کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے وہاں سے واپس ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں قبیلہ بنی نجار میں قیام پذیر تھے یہیں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔

آپؐ کی ولادت مکہ معظمہ میں یوم الاثنین یعنی پیر کے دن ہوئی جس کی تصریح خود حدیث مرفوع میں وارد ہوئی۔ آپ نے فرمایا ولدت یوم الاثنین وفیہ انزل علیّ[۱] (میں پیر کے دن پیدا ہوا ہوں اور اس دن مجھ پر (پہلی) وحی نازل کی گئی) یہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ مشہور یہ ہے کہ بارھویں تاریخ کو آپؐ کی ولادت ہوئی۔ ایک قول ۸ ربیع الاوّل کا اور ایک ۹ ربیع الاول کا بھی ہے۔ سنِ عیسوی کے حساب سے جو تاریخ آپؐ کے وجود سے سرفراز ہوئی وہ بیسویں تاریخ ماہ اپریل ۵۷۱ء بتائی جاتی ہے، اسی سال ہاتھی والوں نے کعبہ شریف پر حملہ کیا تھا اس لئے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ عام الفیل میں آپکی ولادت ہوئی[۲]

---

[۱] رواہ مسلم۔ [۲] ابرہہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس نے یمن میں ایک کنیسہ بنایا تھا یہ چاہتا تھا کہ عرب کے لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اس کو چھوڑ دیں اور اس کے بنائے ہوئے کنیسہ کی طرف رجوع کریں، یمن میں اگرچہ بت پرستی غالب تھی مگر کعبہ کی قدر و عظمت ان کے دلوں میں جمی ہوئی تھی، اہل عرب میں سے ایک شخص نے ابرہہ والے کنیسہ میں داخل ہو کر گندگی سے آلودہ کر دیا جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ کسی قریشی نے ایسا کام کیا ہے تو اس نے اپنے بادشاہ سے اجازت لے کر کعبہ شریف کو گرانے کا ارادہ کیا اور اپنی فوج لے کر آیا جن میں ہاتھی بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب کو اس کی اطلاع ہوئی تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے ساتھ قریش کی بڑی جماعت بھی تھی سب نے بہت دعائیں کیں کہ اے اللہ آپ اپنے گھر کی حفاظت فرمائیں، دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر مختلف پہاڑوں پر چلے گئے، ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی، اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیج دیئے، ہر ایک کے پنجوں میں اور چونچ میں کنکریاں تھیں ان پرندوں نے وہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر گرا دیں جس سے ابرہہ کا لشکر تباہ ہو گیا، پھر ابرہہ بھی یمن پہنچ کر بدترین مرض کا شکار ہو کر مر گیا۔ چونکہ یہ عجیب واقعہ تھا اس لئے اہل عرب جب تاریخی واقعات بیان کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ یہ عام الفیل کا واقعہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی سال ہے اس واقعہ کے پچاس دن بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی کسریٰ (شاہ فارس) کے محلات کی بنیادیں ہل گئیں اور ان میں شگاف پڑ گئے اور اس کے کچھ جھروکے ٹوٹ گئے۔ حالانکہ یہ محل بڑا مضبوط بنایا گیا تھا۔

ادھر کسریٰ نے اپنے محل کو لرزتے اور اس کے جھروکوں کو گرتے دیکھا جس سے وہ سخت گھبرایا ہوا اور خوفزدہ تھا مگر اس خیال سے کہ اپنی کمزوری ظاہر نہ ہو اس نے صبر سے کام لیا اور صبح کو اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا مگر پھر اسے محسوس ہوا کہ اس کی گھبراہٹ اور پریشانی اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنے فوجی افسروں اور بہادر سرداروں سے چھپا نہیں سکتا چنانچہ اس نے ان سب سرداروں کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے کہلا دیا۔ اس کے بعد کسریٰ نوشیرواں نے اپنا تاج سر پر پہنا اور شاہی تخت پر جا کر بیٹھ گیا اور سرداروں کو اطلاع کرا دی۔ جب سب جمع ہو گئے تو اس نے ان سے کہا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم لوگوں کو کیوں بلایا ہے"؟

درباریوں نے کہا کہ نہیں ہمیں معلوم نہیں ہے جناب ہی ہمیں بتلائیں گے۔

ابھی وہ لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بادشاہ کے پاس (کسی دوسرے علاقے سے) ایک خط آیا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ رات کو ہمارے آتش کدوں (یعنی عبادت گاہوں) کی آگ بجھ گئی، کسریٰ کے پاس ایک خط ایلیا کے گورنر کا بھی آیا کہ رات دریائے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا۔ ایک خط شام کے گورنر کے پاس سے آیا کہ رات وادی سماوہ کا راستہ (زلزلہ کی وجہ سے) پھٹ کر ختم ہو گیا۔ نیز ایک خط طبریہ کے گورنر کے پاس سے آیا کہ دریائے طبریہ میں اچانک پانی کا بہاؤ بند ہو گیا (ان میں سے ہر حادثہ اسی رات میں پیش آیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور یہ ساری علامتیں آپ کی پیدائش کی وجہ سے ہی ظاہر ہوئیں) چنانچہ کسریٰ کو اب تک اپنے ہی واقعے کا رنج وغم کم نہیں ہوا تھا کہ اچانک یہ سب اندوہناک خبریں ملیں جس سے اس کے غم اور گھبراہٹ میں اور اضافہ ہو گیا۔ آخر کسریٰ نے (یہ سب خبریں ملنے کے بعد) حاضرین کو وہ واقعہ

سنایا جو خود اس کو پیش آیا تھا اور جس سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور گھبرایا ہوا تھا، محل کا لرزنا، اس میں شگاف پڑجانا اور چودہ کھڑکیوں کا بغیر کسی کمزوری کے گر پڑنا۔

یہ ساری باتیں سن کر موبذان یعنی بڑے راہب نے کہا:

"خدا بادشاہ کو سلامت رکھے میں نے بھی اس رات کو ایک خواب دیکھا تھا"

اس وقت تو ایران کے شاہی محل کے جھروکے ہی گرے تھے اور دراڑیں ہی پڑی تھیں۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو خطوط لکھے تو اس زمانہ کا جو کسریٰ یعنی ایران کا بادشاہ تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ پھاڑ دیا۔ آپؐ نے اس کے لئے بددعا کر دی جس کی وجہ سے اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ کسریٰ کے محل میں دراڑیں پڑ گئی تھیں اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ رات کو فارس کے تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی یہ لوگ آگ کے پجاری تھے، یہ آگ آتشکدوں میں ایک ہزار سال سے جل رہی تھی، نیز اس موقعہ پر دریائے ساوہ کا پانی سوکھ گیا گویا کہ اس میں کبھی پانی تھا ہی نہیں حالانکہ یہ دریا بہت زیادہ لمبا چوڑا تھا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر ضرور ہلاک ہوگا اس کے بعد قیصر نہ ہوگا، اور ضرور ضرور تم ان کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ کرو گے۔[2]

دادا جان کا خوشی سے سرشار ہونا اور محمدؐ نام تجویز کرنا

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کی وفات تو پہلے ہی ہو چکی تھی جب آپؐ کی ولادت ہوئی تو آپؐ کی والدہ نے آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو بشارت دی کہ آپ کے بیٹے کا صاحب زادہ پیدا ہوا ہے۔ خبر سن کر عبدالمطلب بہت زیادہ خوش ہوئے اور انہوں نے آپ کا نام محمدؐ تجویز کیا۔ ام ایمن جن کا نام برکتہ تھا حبشہ کی رہنے والی تھیں اور آپ کے والد جناب عبداللہ کی باندی تھیں انہوں نے آپ کی خدمت شروع کر دی جس کی نومولود بچہ کو ضرورت ہوتی ہے (ام ایمنؓ نے آپؐ کا زمانہ نبوت پایا اور اسلام قبول کیا)۔

[1] من السیرۃ الحلبیۃ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص۴۶۶ عن الشیخین۔

رضاعت اوّل تو آپؐ نے اپنی والدہ آمنہ بنت وہب کا دودھ پیا پھر کچھ دن ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا جو آپ کے چچا ابولہب کی باندی تھی۔ آپ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب نے بھی ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ ایک مرتبہ جب حضرت حمزہؓ کی لڑکی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو میرے دودھ شریک بھائی ہیں ان کی لڑکی سے میرا نکاح نہیں ہوسکتا[۱]

حلیمہ سعدیہ نے بھی آپؐ کو دودھ پلایا، اپنے گاؤں میں ساتھ لے جاکر رکھا دودھ بھی پلایا اور پرورش بھی کی۔ اس زمانے میں شہر کے لوگ اپنے بچوں کو پرورش کے لئے دیہات کی خواتین کو دے دیا کرتے تھے وہ دودھ بھی پلاتی تھیں اور پرورش بھی کرتی تھیں، اس طرح بچے دیہات کی آب و ہوا میں پرورش پاکر تندرست بھی رہتے تھے، اور خالص فصیح عربی بھی سیکھ لیتے تھے۔ حلیمہ سعدیہ کے پاس آپؐ نے پانچ سال کی عمر تک پرورش پائی۔ حلیمہ سعدیہ غریب گھرانے کی عورت تھیں جب آپؐ کو دودھ پلانے کے لئے لے گئیں تو آپؐ کی برکت سے مالا مال ہوگئیں[۲]

شق صدر کا واقعہ حلیمہ کے پاس آپؐ تشریف رکھتے تھے کہ اس عرصہ میں شق الصدر کا یعنی سینہ مبارک چاک کرنے کا واقعہ پیش آیا آپؐ اپنے دودھ شریک بھائیوں کے ساتھ بستی سے باہر بھی چلے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپؐ بستی کے قریب آبادی کے پیچھے بھائیوں کے ساتھ باہر نکلے ہوئے تھے کہ سفید کپڑے والے دو آدمی آئے (یہ دونوں فرشتے تھے) انہوں نے آپؐ کو لٹایا اور آپؐ کا سینہ مبارک چاک کر دیا اس میں سے کوئی چیز نکالی اور کہا کہ یہ شیطان کا حصّہ ہے آپؐ کے دودھ شریک بھائی نے اپنی والدہ کو آکر بتایا وہ اپنے شوہر کے ساتھ دوڑی ہوئی آئیں دونوں میاں بیوی آپؐ سے لپٹ گئے دیکھا کہ آپؐ کا رنگ بدلا ہوا ہے پوچھا کہ بیٹا کیا ہوا آپؐ نے پوری کیفیت بتائی[۳]

---

[۱] رواہ مسلم۔ [۲] صفۃ الصفوہ ص۱۶ ج۱۔

[۳] رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص۵۱۱ وسیرت ابن ھشام۔

یہ شق صدر پہلی بار ہوا، اس کے بعد معراج کی رات میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔
(کما یاتی فی ذکر المعراج)

والدہ کی وفات اور دادا اور چچا کی سرپرستی

ابھی آپ کی عمر شریف پانچ سال تھی آپ کی والدہ آپ کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں وہاں آپ کے والد عبداللہ کے ننھیال کی جانب سے رشتہ دار تھے وہاں قیام کرنے کے بعد جب واپس ہوئی اور مقام ابواء میں پہنچیں (جو اس وقت مکہ معظمہ کے راستے میں پڑتا تھا) وہاں ان کی وفات ہوگئی ام ایمن بھی ساتھ تھیں وہ آپ کو اٹھا کر لے گئیں مکہ معظمہ پہنچا کر برابر آپ کی خدمت کرتی رہیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ آپ کی تربیت اور دیکھ بھال اور لطف و مہربانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال ہوگئی تو عبدالمطلب کی بھی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد آپ کو آپ کے چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا انہوں نے بھی بڑی شفقت کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔

شام کا پہلا سفر اور ایک نصرانی راہب کی خیرخواہی

جب آپ کی عمر شریف ۱۲ سال دو ماہ کو پہنچی تو آپ کے چچا ابوطالب اپنے ساتھ شام کے سفر میں لے گئے (شام عرب کا ایک حصہ ہے جہاں بیت المقدس ہے عرب کے لوگ ہر سال تجارت کے لئے اس ملک میں آیا جایا کرتے تھے) سفر میں ایک جگہ آئی جسے مقام بصریٰ کہا جاتا تھا وہاں بحیرا نامی ایک شخص اپنے گرجا میں رہتا تھا اور عیسائیوں کا بڑا عالم مانا جاتا تھا اپنی جگہ سے کہیں نہیں آتا جاتا تھا مکہ والوں کا تجارتی قافلہ جب یہاں پہنچا اور ایک درخت کے سایہ میں ٹھہر گیا تو بحیرا نے دیکھا کہ ایک بچہ پر بادل سایہ کر رہا ہے اور درخت کی ٹہنیاں بھی اس پر جھکی ہوئی ہیں۔ بحیرا نے جب یہ دیکھا تو اس نے پورے قافلہ کی دعوت کر دی، جب قافلہ والے دعوت

میں حاضر ہوئے تو ٹکٹکی باندھتے ہوئے برابر آپ کو دیکھتا رہا اور آپ کے حالات دریافت کئے سونے جاگنے تک کے حالات پوچھے جب حالات معلوم ہو گئے تو اس نے آپ کی کمر شریف کو دیکھا اور دونوں مونڈھوں کے درمیان خاتم النبوۃ (نبوّت پہچاننے کی مہر) کو دیکھا اور اس نے واقعی طور پر پہچان لیا کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی خبر گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے اور جن کی آمد کا ذکر اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں چلا آرہا ہے۔

قافلہ والے دعوت سے فارغ ہو گئے تو بحیرا نے پوچھا کہ یہ کس کا بچہ ہے ابو طالب نے کہا میرا بیٹا ہے بحیرا نے کہا یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا، ابو طالب نے کہا ہاں یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، پوچھا اس کا باپ کہاں ہے؟ ابو طالب نے کہا اس کے والد کی وفات اس کی پیدائش سے پہلے ہو گئی تھی۔ بحیرا نے کہا ہاں تم نے اب سچ بتایا۔ دیکھو اس کی حفاظت احتیاط سے کرو کیونکہ یہودیوں کی دشمنی کا ڈر ہے ان کو جلد اپنے وطن لے جاؤ، چنانچہ ابو طالب تجارت سے جلد فارغ ہو کر آپ کو مکہ مکرمہ واپس لے آئے [1]

شام کا دوسرا سفر اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بیوہ خاتون تھیں قریش میں بڑی عزت دار تھیں اور مالدار بھی، ان کے والد کا نام خویلد تھا۔ یہ مکہ والوں کو تجارت کے لئے مال دے کر بھیجا کرتی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ میرا مال لے جاؤ جو نفع ہو گا اس میں سے اتنا تم لینا اتنا مجھے دینا، تجارت کی اس قسم کو مضاربت کہا جاتا ہے، خدیجہؓ نے آپؐ کی سچائی اور امانت داری اور بلند اخلاق کے احوال سنے تو آپؐ کے پاس خبر بھیجی کہ آپ بطور مضاربت میرا مال ملک شام لے جائیں، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آپ کو

---

[1] صفۃ الصفوہ ص ۲۱ ج ۱

دوسرے تاجروں کے مقابلہ میں دوگنا نفع دوں گی، آپؐ نے منظور فرمالیا اور خدیجہؓ کا مال لے کر ملک شام کے لئے روانہ ہوگئے۔ خدیجہؓ نے آپ کے ساتھ اپنا ایک غلام بھی بھیج دیا جسے میسرہ کہا جاتا تھا، شام جاتے ہوئے راستہ میں بُصریٰ ایک جگہ آئی وہاں ایک درخت کے سایہ میں آپ نے قیام فرمایا۔ اس جگہ ایک نصرانی راہب "نسطورا" نامی کا صومعہ یعنی گرجا تھا۔ اس نے میسرہ سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جس نے درخت کے نیچے قیام کیا؟ میسرہ نے کہا کہ یہ اہلِ حرم میں سے ایک شخص ہے جو قریشی خاندان میں سے ہے کہنے لگا کہ یہ شخص نبوت سے سرفراز کیا جانے والا معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میسرہ کے ساتھ ملک شام پہنچ گئے۔ وہاں خدیجہؓ بی بی کا مال فروخت کیا اور تجارتی ضرورت سے متعلق جو مناسب جانا وہ وہاں سے مال خرید اجب شام سے واپس ہو رہے تھے تو میسرہ نے عجیب منظر دیکھا اور وہ یہ کہ آپؐ اپنے اونٹ پر سوار ہیں اور جب دوپہر میں سخت گرمی ہوتی ہے تو دو فرشتے آپؐ پر سایہ کرتے ہیں، جب مکہ معظمہ پہنچے اور بی بی خدیجہؓ کو معلوم ہوا کہ جو مال لے گئے تھے وہ بھی خوب زیادہ نفع سے فروخت ہوا ہے اور جو مال وہاں سے خرید کر لائے وہ بھی دوگنا نفع پر فروخت ہو گیا اور میسرہ نے خدیجہؓ کو وہ باتیں بتائیں جو نسطورا راہب نے بتائی تھیں اور فرشتوں کا سایہ کرنا بیان کیا اور خدیجہؓ نے خود بھی یہ منظر دیکھا کہ جب آپؐ دوپہر کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو دو فرشتے آپؐ پر سایہ کئے ہوئے ہیں تو بی بی خدیجہؓ نے آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ آپؐ نے بی بی خدیجہ کے پیغام کا اپنے چچاؤں سے ذکر کیا۔ آپؐ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور دوسرے چچا ابوطالب آپؐ کو ساتھ لے کر بی بی خدیجہ کے گھر تشریف لے گئے اور بی بی خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسعد نے یا ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے آپ سے حضرت خدیجہؓ کا نکاح کر دیا۔ ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال تھی اور بی بی خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی، جناب ابوطالب نے اس وقت جو خطبہ پڑھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم وزرع اسمٰعیل وضئضئ معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة بیته وسواس حرمه وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحکام علی الناس ثم ان ابن أخی هذا محمد بن عبد اللہ لا یوزن به رجل الا رجع به فان کان فی المال قل فان المال ظل زائل وأمر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابته وقد خطب خدیجة بنت خویلد وبذل لها من الصداق ما آجله و عاجله من مالی وهو بعد هذا واللہ له نبا عظیم وخطر جلیل۔

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لئے جس نے ہمیں ابراہیم کی ذریت سے اور اسماعیل کے تخم سے اور معد کی اصل سے اور مضر کی نسل سے پیدا فرمایا اور ہمیں اپنے گھر کا خدمت گذار اور اپنے حرم کا نگہبان بنایا اور ہمارے لئے وہ گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور حرم کو امن کی جگہ بنایا اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا، اس کے بعد یہ بات کہنا ہے کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا محمد بن عبد اللہ ہے کوئی بھی شخص اس کے ہم پلہ نہیں، اگر مالی اعتبار سے کمی ہے تو یہ کوئی قابل فکر بات نہیں۔ کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے، تم لوگوں کو معلوم ہے کہ محمدؐ کی (ہم سے) کیا قرابت ہے محمدؐ نے خدیجہؓ بنت خویلد کو نکاح کا پیغام دیا ہے اس کے لئے مہر ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے مہر کی یہ مالیت دیر میں ادا کرنا ہو یا فی الحال یہ سب میرے مال سے ادا کر دی جائے گی۔ اس کے بعد یہ عرض کرنا ہے کہ اللہ کی قسم اس شخص کے لئے آئندہ بڑی خبریں ہوں گی اور بڑی شان ہو گی لے

لے سیرة ابن هشام، الروض الانف، وصفوة الصفوة سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں بیس اونٹ مقرر فرمائے اور بعض روایات میں چار سو دینار مہر کا تذکرہ آیا ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مفصل تذکرہ ازواج مطہرات کے تفصیلی بیان میں مطالعہ فرمائیں۔

آپؐ سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے دو شوہر گذر چکے تھے ان دونوں کی اولاد تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے بھی اولاد ہوئی بلکہ آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے علاوہ آپ کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تھی۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔

آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کوئی نکاح نہیں کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد مکہ معظمہ میں ہی (ہجرت سے پہلے) حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح ہوا۔

بناءُ الکعبہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ بنی جرہم اس وقت مکہ معظمہ میں آکر آباد ہوئے تھے، جب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سنسان چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف بنایا اللہ تعالےٰ نے ہوا بھیج دی جس نے کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کردیں جو طوفانِ نوح میں دب گئی تھیں اور وہاں ایک ٹیلہ بن گیا تھا۔

پھر قریشِ مکہ کے دور میں کعبہ شریف کی دیواریں منہدم ہوگئیں تو قریشِ مکہ نے پھر سے بنانے کا ارادہ کیا۔ آپس میں کہنے لگے کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس میں صرف حلال مال لگایا جائے کوئی پیسہ سود کا یا گناہ سے حاصل کیا ہوا یا ظلماً کسی سے لیا ہوا مال اس کی تعمیر میں نہ لگایا جائے۔ جب مال جمع کیا تو حلال مال اتنا جمع نہ کر سکے جس سے پورا کعبہ شریف بنا لیتے لہٰذا انہوں نے کعبہ شریف کا ایک حصّہ چھوڑ دیا یعنی عمارت میں نہ لیا جسے حطیم کہا جاتا ہے۔ تعمیر کعبہ کے لئے جب پتھر اٹھا اٹھا کر لائے جا رہے تھے تو اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بھی اپنے

چچا عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ شریک تھے اس وقت آپ کے کاندھے پر کوئی کپڑا نہیں تھا کھال چھلنے کا اندیشہ تھا حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ جو تمہارا تہمند ہے اسے کاندھے پر رکھ لو تاکہ پتھروں کے منتقل کرنے میں آسانی ہو آپؐ نے اپنا تہمند کاندھے پر رکھ لیا تو شرم کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ گئیں۔ آپؐ نے چچا سے کہا کہ لاؤ میرا تہمند کہاں ہے چنانچہ آپؐ نے تہمند باندھ لیا اس کے بعد کبھی بھی بغیر تہمند نہیں دیکھا گیا[1]

ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک حکمت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے حاضرین کو آپؐ کا پورا جسم دکھا دیا تاکہ (نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد) اعتراض کرنے والے دشمن یوں نہ کہیں کہ جسمانی طور پر آپ کے اندر کوئی عیب ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں کہا تھا کہ یہ ننگے ہو کر سب کے سامنے غسل اس لئے نہیں کرتے کہ ان کے جسم میں عیب کی چیز ہے اللہ تعالےٰ نے پتھر کو حکم دیا تو وہ ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا وہ اس کے پیچھے دوڑے تو سب نے دیکھ لیا کہ جسمانی طور پر بھی ان کے اندر کوئی عیب نہیں ہے اس کو سورۃ الاحزاب کی آیت ۶۹ فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا میں بیان فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرض جسمانی سے مبرا ہونا بنی اسرائیل کے اعتراض کے بعد ظاہر کیا گیا اور حضرت خاتم المرسلین اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی برارت عن العیب فی الجسم نبوت کے سرفراز ہونے سے پہلے ہی ناظرین کو معلوم ہو گئی۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

مال جمع کرنے کے بعد قریش نے کعبہ شریف کی تعمیر شروع کر دی اور جب عمارت اتنی اونچی ہو گئی کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھا جا سکے تو آپس میں اس بات پر جھگڑنے لگے کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر کون رکھے۔ ہر قبیلہ خواہش مند تھا کہ ہمارا آدمی اس خدمت کو انجام دے جب جدال اور خصام نے طول پکڑ لیا

---

[1] صحیح البخاری صـ۲۱۵ و صـ۵۴۰

تو مسجد میں جمع ہوئے اور باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو وہ جو فیصلہ کرے اس کو تسلیم کر لیا جائے۔ جب کل کا دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے جب آپؐ کو دیکھا تو کہنے لگے ھذا الأمین رضیناہ (یہ شخص امین ہے ہم اس کے فیصلہ پر راضی ہیں) جب آپؐ مسجد میں اندر تشریف لائے تو آپؐ کو بتایا کہ ہمارا یہ جھگڑا ہے اور ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک کپڑا لاؤ آپؐ نے کپڑا بچھا کر حجرِ اسود کو اس کے بیچ میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کے افراد اس کے ایک ایک گوشہ کو پکڑ لیں اور سب اس کو اٹھا کر حجرِ اسود کی جگہ پر لے جائیں۔ چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا جب وہاں پہنچ گئے تو آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ دیوار میں رکھ دیا اس کے بعد کعبہ شریف کی مزید تعمیر شروع کر دی۔ اس وقت آپؐ کی عمر ۳۵ سال تھی۔[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خطاب ہو کر فرمایا کہ تیری قوم نے جب کعبہ کو بنایا تو ابراہیم علیہ السلام کی پوری بنیاد پر بنانے سے قاصر رہ گئے (اور حطیم کو کعبہ شریف کی عمارت میں شامل نہیں کیا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کو پوری بنیادوں پر دوبارہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ آپؐ نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم (قریش) کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں پھر سے تعمیر کر دیتا اور ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر پورا کر دیتا (چونکہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے اندیشہ ہے کہ کعبہ شریف کو اگر منہدم کر کے دوبارہ پھر سے بنایا جائے اور حطیم کو داخل کر دیا جائے تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ اس نبیؐ نے کعبہ کو گرا دیا اور اس کو بدل دیا۔ اس لئے میں ایسا نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ مستنبط کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ چونکہ کعبہ شریف کے اندر کے دونوں گوشے

[۱] سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ص ۱۲۷ تا ص ۱۳۲ ملتقطا و ملخصا

(جو حطیم میں ہیں) حقیقی گوشے نہیں ہیں اصلی عمارت کے درمیان ہیں (پوری عمارت میں حطیم شامل کر لینا تھا) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں گوشوں کا استلام نہیں کیا[1]

حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے زمانہ خلافت میں کعبہ شریف کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنادیا، پھر جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کروا دیا تو کعبہ شریف کو گرا کر پھر سے اسی طریقے پر بنادیا جیسے قریش نے بنایا تھا یعنی حطیم کو عمارت کعبہ سے باہر نکال دیا چنانچہ آج تک کعبہ شریف اسی طرح بنا ہوا ہے، (حطیم تعمیر کعبہ سے خارج ہے) لیکن کعبہ شریف کا جز و ہے چھت ہونے نہ ہونے کا فرق ہے اس میں مسلمانوں کے لئے یہ آسانی ہوگئی کہ کعبہ شریف کے چھت والے حصے میں داخل ہونے کا موقعہ نہ ملے تو حطیم میں داخل ہو جائے کیونکہ وہ بھی کعبہ شریف کا حصہ ہے البتہ نماز پڑھتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ عمارت والے حصہ کی طرف رُخ رکھا جائے۔

لانہ أمر بالتوجہ الیہا فی نص القران المتواتر وخبر سیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا خبر الواحد فیحتاط فی التوجہ القبلۃ ولا یقتصر علی التوجہ الی الحطیم فقط

---

[1] از صحیح بخاری ص۲۱۵ و ص۴۷۷۔

ظہورِ نبوّت اور فرشتے کی آمد

ظہورِ نبوّت اور فرشتے کی آمد

ظہورِ نبوّت سے پہلے بعض ایسے امور ظاہر ہوتے تھے جو عادت عامہ کے خلاف تھے انہیں حضرات علمار کرام "ارہاصات" سے تعبیر کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ظہور نبوّت سے پہلے) مکّہ مکرمہ کی گھاٹیوں اور وادیوں سے گذرتے تھے تو جو بھی پتھّر یا درخت سامنے آتا تھا وہ السّلام علیک یا رسول اللہ کہتا تھا [1]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوّت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا [2]

آپ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ کا نور دیکھنا جس سے شام کے محل نظر آگئے، کسریٰ کے محل کے کنگورے گر پڑنا بحرِ ساوہ کا خشک ہوجانا اور بحیرا کا گواہی دینا اور سفر میں بادلوں کا سایہ کرنا اور حضرت حلیمہ کے یہاں زمانہ قیام میں سینہ شق ہونا یہ سب ارہاصات ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ سب سے پہلے وحی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھے خواب دیکھتے تھے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہ اس طرح سامنے آجاتا تھا جیسے واضح طور پر صبح کا ظہور ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد آپ کو خلوت میں وقت گذارنے کا اشتیاق ہوگیا۔

آپ حرار پہاڑ کے ایک غار میں (جو مسجد حرام سے تین میل دور ہے اور اُسے جبل نور کہا جاتا ہے) کئی کئی راتیں گذارا کرتے تھے ان راتوں میں عبادت فرماتے تھے ساتھ ہی کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے جب یہ چیزیں ختم ہوجاتی تھیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آتے اور چند راتوں کے لئے کھانے پینے کا سامان لے کر واپس حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن غار حرا میں عبادت

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۰ ، [2] رواہ مسلم

میں مشغول تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آ گیا۔ فرشتہ نے کہا اِقْرَاْ (پڑھیئے) آپؐ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اس پر فرشتہ نے آپؐ کو خوب اچھی طرح دبایا پھر چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی کہ پڑھیئے آپؐ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتہ نے دوبارہ اچھی طرح دبا کر کہا کہ آپؐ پڑھیئے آپؐ نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتہ نے تیسری بار پھر دبا کر چھوڑ دیا اور اس دفعہ یہ آیات پڑھ دیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ	پڑھیئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا
خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ	فرمایا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھیئے
عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ	آپ کا رب بہت بڑا عزت والا ہے جس
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ	نے قلم کے ذریعہ سکھایا جس نے انسان کو
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (العلق ۱تا۵)	وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپؐ نے ان آیات کو دُہرالیا اس وقت آپ کا دل کانپ رہا تھا (کیونکہ فرشتہ نے تنہائی میں آپؐ کو دبایا تھا اور پہلی بار یہ واقعہ پیش آیا تھا) آپؐ غارِ حراء سے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اوڑھادو، مجھے کپڑا اوڑھادو) انہوں نے کپڑا اوڑھا دیا آپؐ لیٹے رہے یہاں تک کہ خوف کی کیفیت ختم ہو گئی۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنایا اور ساتھ ہی یوں فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی بڑھاپے والی متانت اور سنجیدگی کو کام میں لائیں اور بڑی دانشمندی اور سمجھداری سے اطمینان دلاتے ہوئے کہا (کَلَّا) ایسا ہرگز نہیں ہو گا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں (یعنی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں) اور سچ بات بولتے ہیں اور حاجتمند آدمی کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جس کے پاس کچھ نہ ہو اس کے لئے محنت کر کے مال حاصل کرتے ہیں اور مہمان نوازی

کرتے ہیں اور حق کے بارے میں جو مصیبتیں آئیں ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہیں۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اوّل تو آپؐ کو تسلّی دی اور آپؐ کے اچھے اچھے اخلاق بیان کرکے یہ بتایا کہ ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بت پرستی کو چھوڑ کر نصرانی دین اختیار کرلیا تھا اس وقت ان کی بڑی عمر تھی نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے ذرا اپنے بھائی کے بیٹے کی بات سنو (رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خاندانی رشتہ سے ان کے بھائی کے بیٹے لگتے تھے)۔
ورقہ بن نوفل نے دریافت کیا کہ آپؐ نے کیا دیکھا؟ آپؐ نے وہ واقعہ بتا دیا جو غارِ حرا میں پیش آیا تھا، اس پر ورقہ نے کہا یہ تو وہی رازدار فرشتہ ہے جسے اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس نازل فرمایا تھا، کاش میں اس وقت جوان قوی اور زندہ ہوتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو نکال دے گی۔ آپؐ نے (تعجب سے) سوال کیا کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں بات یہ ہے کہ جو دین آپؐ کے پاس آیا ہے (جس کی ابتدا ہوئی ہے) جب کبھی بھی کوئی شخص یہ دین لے کر آیا لوگوں نے اس سے دشمنی کی اگر میں نے وہ دن پالیا جب لوگ آپؐ کے دشمن بن جائیں گے تو میں بہت زوردار آپ کی مدد کروں گا اس کے بعد ورقہ کی موت ہوگئی اور وحی کا سلسلہ بھی رک گیا۔
پھر کچھ عرصہ کے بعد وحی آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا آپؐ نے فرمایا کہ میں ایک دن جا رہا تھا کہ آسمان سے ایک آواز سُنی اوپر نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اسے دیکھ کر میں خوفزدہ ہوگیا، گھر جاکر وہی فرمائش کی کہ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اوڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کپڑا اوڑھا دیا۔
اس وقت آپؐ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ہ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ہ[1] (المدثر: ۱ تا ۵) (اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑے ہوجاؤ، پھر ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی کو چھوڑ دو (یعنی بُت پرستی نہ کرو)۔ آپؐ تو بت پرستی نہیں کرتے تھے آپ کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو منع فرمایا اور بُت پرستی کو گندی چیز بتایا کیونکہ بُت پرستی عقیدہ بھی گندہ ہے اور اس پر عمل کرنا بھی گندگی ہے۔

دعوتِ اسلام کی ابتداء

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جب غارِ حرا میں وحی آئی اور آپؐ گھر تشریف لائے تو سب سے پہلے آپؐ کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دین اسلام قبول کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپؐ کے چچا کے بیٹے تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی، زید بن حارثہ بھی اسلام میں داخل ہوگئے یہ یمن کے رہنے والے تھے بعض ظالموں نے ان کو ان کی والدہ سے چھین کر مکہ معظمہ میں لاکر اور یہ بتا کر کہ یہ ہمارا غلام ہے فروخت کردیا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خرید کر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا اور بیٹا بنا کر رکھا۔ ان کے بعض واقعات آئندہ مذکور ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اُم ایمن جنہوں نے بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کی تھی انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا ان کا نام "برکہ" تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کی میراث میں ملی تھیں آپؐ نے انہیں آزاد کر کے زید بن حارثہ سے نکاح کر دیا تھا اُسامہ بن زید اُم ایمن ہی کے بیٹے تھے ان سے پہلے بھی ان کی اولاد تھی۔ ایمن ان کے پہلے شوہر سے تھے جو خیبر میں شہید ہوئے[2]

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے لوگ تھے دیگر حضرات جنہوں نے

---

[1] صحیح بخاری ص ۲، ص ۷۳۲، ص ۱۰۳۴۔ [2] ذکرہ فی الاصابۃ۔

ابتداءً اسلام قبول کیا ان میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پہلے سے ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ میل جول تھا آپ کے اخلاق عالیہ سے واقف تھے جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر ملی فوراً اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا۔

مادعوت أحدا إلى الاسلام إلا كانت عنده كبوة وتردد ونظر الا ان ابابكر ما عكم عنه حين ذكرته ولاتردد فيه[1]

ترجمہ: میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی ابوبکر کے سوا ہر ایک نے کچھ نہ کچھ توقف کیا اور سوچا جب میں نے ابوبکر سے ذکر کیا تو ذرا بھی تردد اور توقف نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت کے کام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوگئے۔ ان کی دعوت پر حضرت عثمان ابن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص نے بھی اسلام قبول کرلیا ان حضرات کے علاوہ سابقین اولین میں حضرت عمار بن یاسر، حضرت خباب بن الارت، حضرت طلحہ، حضرت ارقم، حضرت سعید بن زید، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت خالد ابن سعید و حضرت عبیدہ ابن حارث، حضرت سہیل اور حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی بھی مشہور و معروف ہیں۔

تین سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خفیہ طریقے پر دعوت کا کام جاری رکھا جس کا مرکز دار الارقم (صفا کے قریب) تھا اور آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر بہت سے افراد مسلمان ہوگئے پھر آپ نے امر الٰہی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ پر عمل کرتے ہوئے بالجہار علی الاعلان دعوت کا کام شروع کردیا جہاں جہاں میلے اور بازار لگتے تھے آپ وہاں بھی تشریف لے جاتے تھے وہاں آنے جانے والوں سے ملاقات فرماتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے ان بازاروں میں

[1] البدایۃ والنہایۃ ص ۲۷، ج ۳

عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپؐ کا چچا ابولہب بھی ساتھ ساتھ لگا رہتا تھا جب آپؐ کسی مجمع سے خطاب فرماتے تو وہ کہتا تھا کہ اس کی بات مت مانو یہ دین سے پھر گیا ہے غلط باتیں کرتا ہے[1]۔ (العیاذ باللہ)

اپنے خاندان کو خصوصی طور پر دین کی دعوت دینے کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ جب آیتِ کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء : ۲۱۴)(آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور وہاں چڑھ کر قریش کے مختلف خاندانوں کو آوازیں دے کر جمع فرمایا جب جمع ہو گئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ میدان میں کچھ گھوڑا سواروں کی ایک جماعت ہے وہ تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے ؟ سب نے مل کر جواب میں کہا کہ ہاں ہم آپ کی تصدیق کریں گے ماجربنا علیك الا صدقا (ہم نے آپؐ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے)۔ آپؐ نے فرمایا تو سمجھ لو کہ میں تمہیں سخت عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈرا رہا ہوں (یعنی اگر تم نے میری دعوتِ توحید قبول نہ کی تو تم سخت عذاب میں مبتلا ہو گے) یہ سن کر ابولہب نے کہا کہ تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو گیا تو نے ہمیں اس بات کے لئے جمع کیا ہے؟ اس پر تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت اپنی جانوں کو بچالو (یعنی ایمان لاکر دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) میں اللہ کی طرف سے (آنے والے عذاب سے) تمہارے چھٹکارے کے لئے کچھ نہیں کر سکتا آپؐ نے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۴۱ ج ۳

اپنی پھوپھی صفیہ سے بھی خصوصی طور پر نام لے کر یہی فرمایا اور اپنی بیٹی سے فرمایا اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ میرے مال میں سے تو جو چاہے سوال کر لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا[1] مطلب یہ ہے کہ آخرت میں نجات کا تعلق رشتہ داری اور کسی کا بیٹا بیٹی ہونے سے نہیں ہے اس کا تعلق ایمان سے ہے جس نے ایمان قبول کیا اور اسی پر موت آئی وہاں اس کے لئے نجات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے ہی انسانوں اور جنّات کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ رحمۃ للعالمین تھے، سب ہی کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے، پھر بھی خاص طور سے اپنے اہل خاندان کو خصوصیت کے ساتھ ایمان کی دعوت دینے کا حکم فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگوں سے غافل نہ ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا اور پھوپھی کو نام لے کر خطاب فرمایا حتیٰ کہ اپنی بیٹی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی وہی بات فرمائی جو دوسروں سے فرمائی تھی حالانکہ وہ پہلے سے ہی مؤمن تھیں اور اب تک بالغ بھی نہ ہوئی تھیں۔

قریش کا ابوطالب کے پاس آنا

مشرکین مکہ کو آپؐ کی دعوت کا علم تو تھا ہی اور آپؐ سے دشمن بھی بنے ہوئے تھے لیکن اب تو اور زیادہ دشمن ہو گئے، جب توحید کی دعوت دی جاتی، کفر اور شرک کی شناخت اور قباحت بیان کی جاتی اور بتوں کے پجاریوں کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ لوگ عقل کے خلاف کام کر رہے ہیں تو قریش مکہ آپؐ کی دعوت سُن کر بُرا مانتے تھے۔ ایک مرتبہ جماعت بنا کر مشورہ کر کے آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے کیونکہ ابوطالب آپؐ کی بہت زیادہ حمایت اور حفاظت کرتے تھے۔ جماعت میں عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص ابن ہشام، ابوجہل وغیرہم تھے ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو بُرا کہا ہے ہمارے دین کو عیب لگایا ہے ہمیں بے وقوف بنایا ہے، ہمارے باپ دادوں کو گمراہ ٹھہرایا ہے یہ سب

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۰۰

ہماری برداشت سے باہر ہے اب یا تو ان کو روک دو یا تم درمیان سے نکل جاؤ پھر ان کا ہم جو چاہیں کریں، تم بھی تو ہمارے دین پر ہو تمہیں بھی ہمارا طرفدار ہونا چاہیئے۔ ابو طالب نے ان کی بات سُنی اور نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔

یہ لوگ چلے تو گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم برابر دعوت کے کام میں لگے رہے۔ قریش مکہ کو پھر دعوت کی بات بھاری پڑی اور دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے اور وہی باتیں کہیں جو پہلے کی تھیں اور کہا کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے تم اپنے بھتیجے کو روک دو ورنہ ہم تمہارے بھتیجے سے اور تم سے جنگ کریں گے پھر دیکھا جائے گا کہ دونوں فریق میں سے کون ہلاک ہوتا ہے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ابو طالب نے بات کی اور کہا کہ تم مجھ پر اور اپنی جان پر رحم کھاؤ مجھے اتنی تکلیف نہ دو جو میری برداشت سے باہر ہے، تمہاری قوم کے لوگ دوبارہ آئے تھے اور تمہاری شکایت کی ہے اب تمہاری حمایت میرے بس کی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اب چچا جان میری حمایت سے دستبردار ہو رہے ہیں اور میری مدد کرنے سے عاجزی ظاہر کر رہے ہیں آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ چچا جان اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے سیدھے ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یوں کہیں کہ دعوتِ حق کے کام کو چھوڑ دو یا ہلاک ہونا منظور کر لو تب بھی میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ جب ابو طالب نے یہ منظر دیکھا تو آپؐ کو آواز دی کہ آؤ میرے پاس آؤ۔ آپؐ تشریف لائے ابو طالب نے کہا جاؤ تم جو چاہو بیان کرو اللہ کی قسم میں تمہیں کسی کے سپرد نہیں کروں گا[1]

قریش مکّہ کا ابو طالب سے ایک اور سوال

قریش ایک بار پھر ابو طالب کے پاس پہنچے اور عمارہ بن الولید کو ساتھ لے

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۶۴ ج ۱

کر آئے اور کہا کہ اے ابو طالب تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو، ہمارے دین وعقائد کو، ہمارے آباؤ اجداد کو بیوقوف بنایا ہے اس سے تم واقف ہو۔ اب ہم تمہارے پاس عمارہ بن ولید کو لائے ہیں یہ قریش میں سب سے زیادہ عقلمند جوان ہے اس کو تم لے لو اور اس کے بدلہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ معاوضہ میں کوئی عذر اور مضائقہ نہ ہونا چاہیئے۔

ابو طالب نے کہا کہ سبحان اللہ یہ تو بدترین سودا ہے۔ تم اپنا لڑکا دیتے ہو کہ ہم اس کو اپنے پاس سے کھلائیں اور میرا لڑکا مانگتے ہو تاکہ اس کو قتل کر دو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مطعم بن عدی نے کہا کہ اے ابو طالب تمہارے ساتھ تمہاری قوم نے بالکل انصاف کیا ہے جس پریشانی میں وہ مبتلا ہو گئے ہیں اس سے بچنے کے لئے انہوں نے پوری کوشش کی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم اُن کی کوئی بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔ ابو طالب نے کہا کہ واللہ یہ انصاف نہیں ہے اور اے مطعم یہ تُو نے ہی قوم کو بھڑکا کر میرے خلاف مظاہرہ کرایا ہے اور تُو چاہتا ہے کہ مجھے ذلیل کر دے۔ جاؤ تم لوگوں کے دل میں جو آئے کر لو[1]

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۶۵ ج ۱

قریشِ مکّہ کی ہٹ دھرمی، ضِد اور عناد
فرمائشی معجزات کا مُطالبہ
آپؐ کی خدمت میں جاہ و مال کی پیشکش

آباء واجداد کی تقلید کا بہانہ

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (۱۷۰)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا وہ اپنے باپ دادا کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔

مشرکین کا یہ طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کو مقتدا سمجھتے رہے ہیں، اُن کو ہزار سمجھایا جائے، حق کی دعوت دی جائے، توحید کی طرف بلایا جائے اللہ کے دین اور اس کی شریعت قبول کرنے کے لئے کہا جائے اور توحید کی دلیلیں خوب کھول کر بیان کر دی جائیں اور شرک و کفر کی مذمّت خوب واضح کرکے بتادی جائے تو وہ کسی بھی قیمت پر اپنے باپ دادوں کا دین کفر و شرک چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ان کا یہی ایک جواب ہوتا ہے کہ ہم اس دین اور طور طریق اور رسم و رواج کے پابند ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ اس آیت شریفہ میں مشرکین کی یہی بات نقل فرمائی ہے اور پھر اس کی تردید کی ہے۔ تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ. (کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ ہی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) باپ دادوں نے اپنی ناسمجھی سے شرک اختیار کیا۔ غیر اللہ کی پرستش کی، بُرے رسم و رواج نکالے وہ لوگ کیسے لائق اتباع ہوسکتے ہیں؟ پھر یہ معلوم ہے کہ باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں، نہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب ان کے پاس تھی نہ کسی نبی سے انہوں نے ہدایت حاصل کی تھی' سراپا گمراہی میں تھے گمراہوں کا اتباع کرنا کہاں کی سمجھداری ہے۔ قریش کا جاہلانہ دعویٰ کہ ہم نبوّت کے مستحق ہیں۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا	"اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے
لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ	تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب
مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ	تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ
حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ	اللہ کے رسولوں کو دی گئی' اللہ جانتا ہے جہاں
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا	اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو
صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ	اللہ کے یہاں ذلّت اور سخت عذاب پہنچے گا
شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ○(۱۲۴)	اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے۔"

ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے۔ اور دوسرا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی نہ آجائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔

اس پر اللہ جلّ شانہٗ نے آیتِ بالا نازل فرمائی جس میں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہو گیا اور ابوجہل کا بھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسالت و نبوّت سے سرفراز کرنا یہ اللہ جل شانہٗ کے انتخاب اور اختیار سے متعلق ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدہ سے سرفراز فرماتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ رسالت اور نبوّت کا اہل کون ہے اور اس عہدہ جلیلہ کا تحمل کس میں ہے۔ یہ کہنا کہ میں مستحق رسالت ہوں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے اور اللہ تعالےٰ کو جہل کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراض کیا

ہے انہیں اللہ کے یہاں ذلّت پہنچے گی اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

مکہ والوں کا جاہلانہ اعتراض کہ مکّہ یا طائف کے بڑے لوگوں میں سے نبی کیوں نہ آیا؟

سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (۳۲،۳۱)	اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل نہیں کیا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں ہم نے ان کے درمیان دنیا والی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

دنیادار دنیا ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں جس کے پاس دنیاوی مال واسباب زیادہ ہوں یا چودھری قسم کا آدمی ہو کسی قسم کی سرداری اور بڑائی حاصل ہو اسی کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں خواہ کیسا ہی بڑا ظالم خائن، سُود خور، کنجوس مکھی چُوس ہو، جب کسی بستی یا محلّہ میں داخل ہو اور دریافت کرو کہ یہاں کا بڑا آدمی کون ہے تو وہاں کے رہنے والے کسی ایسے ہی شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مالدار صاحب اقتدار ہو، اخلاق فاضلہ والے انسان اللہ کے عبادت گزار بندے علوم ومعارف کے حاملین کی بڑائی کی طرف لوگوں کا ذہن جاتا ہی نہیں، عموماً انسانوں کا یہی مزاج اور یہی حال رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ اور خصالِ حمیدہ کے سب معتقد اور معترف تھے لیکن جب آپؐ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا تو جہاں تکذیب اور انکار کے

لئے لوگوں نے بہت سے بہانے ڈھونڈے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ پیسے والے آدمی نہیں اور آپ کو دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں ہے لہٰذا آپؐ کیسے نبی اور رسول ہوگئے؟ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہی تھا اور قرآن نازل کرنا ہی تھا تو شہر مکّہ یا شہر طائف کے بڑے بڑے آدمیوں میں سے کسی شخص کو رسول بنانا چاہیئے تھا وہی رسول ہوتا اُسی پر قرآن نازل ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو رسول بنایا جو پیسہ کوڑی کے اعتبار سے برتر نہیں اور جسے کوئی اختیار اور اقتدار کی برتری حاصل نہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اُن لوگوں کا اشارہ ولید بن المغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا پہلا شخص اہل مکہ میں سے اور دوسرا شخص اہل طائف میں سے تھا یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے ان ناموں کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں کی بات کی تردید فرمائی اور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (کیا یہ لوگ آپؐ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرتے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ منصب نبوّت کو اپنے طور پر کسی کے لئے تجویز کریں رسُول بنانے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے کہ یہ جس کے لئے چاہیں عہدۂ نبوت تجویز کریں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمائے وہ جسے منصب نبوت عطا فرماتا ہے اُسے اُن اوصاف سے متصّف فرما دیتا ہے جن کا نبوت کے لئے ہونا ضروری ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا، اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اپنے پیغام کو جہاں بھیجے) ان لوگوں کو نہ کسی کو نبی بنانے کا اختیار ہے اور نہ نبی کے اوصاف تجویز کرنے کا۔ پھر فرمایا: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ہم نے اُن کے درمیان معیشت یعنی زندگی کا سامان دنیا والی زندگی میں بانٹ دیا) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور درجات کے اعتبار سے ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دے دی) کسی کو غنی بنایا کسی کو فقیر، کسی کو مالک بنایا اور کسی کو مملوک لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا

(تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں کو اپنے کام میں لاتے رہیں) اگر سبھی برابر کے مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا، اب صورت حال یہ ہے کہ کم پیسے والے مالداروں کے باغوں اور کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور طرح طرح کے کاموں کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح سے عالم کا نظام قائم ہے مالدار کام لیتے ہیں، کم پیسے والے مزدوری لیتے ہیں دنیا اسی طرح چل رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دنیاوی معیشت کو انسانوں کی رائے پر نہیں رکھا جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور اپنی حکمت کے موافق بندوں کی مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہوئے خود ہی مال تقسیم فرما دیا تو نبوّت کا منصب کسی کو لوگوں کی رائے کے موافق کیسے دے دیا جاتا جو بہت ہی بلند و بالا چیز ہے۔ قال القرطبی فاذا لم یکن امر الدنیا الیھم فکیف یفوض امر النبوۃ الیہ۔ وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی جن لوگوں کو دنیاوی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں جمع کرنے سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں انہیں سمجھنا چاہیئے کہ پروردگار جل مجدہٗ کی رحمت یعنی جنّت اور وہاں کی نعمتیں اس سے بہتر ہیں۔

مشرکین کی جاہلانہ باتیں کہ قرآن کسی سے لکھوالیا ہے، اور یہ کیسا نبی ہے جو کھانا کھاتا ہے۔ سورہ فرقان میں فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ (۴ تا ۹)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے صرف ایک جھوٹ ہے سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کو لے کر آئے اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو منقول ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس نے لکھوا لیا ہے سو وہی صبح شام اس کو سنائی جاتی ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں ہوں یا زمین میں بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے اور ان لوگوں نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، اس پر کیوں نہیں نازل ہوا ایک فرشتہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا، یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا، اور ظالموں نے کہا کہ تم ایسے ہی آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے، آپ دیکھ لیجئے انہوں نے آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کی ہیں، سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ کوئی راہ نہیں پائیں گے۔"

وَقَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا الآیۃ اور ان لوگوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو یوں کہتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے اس میں نازل ہونے والی کوئی بات نہیں ہے یہ پرانی لکھی ہوئی باتیں ہیں جو پہلے سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں انہیں کو انہوں نے لکھوا لیا ہے یہ صبح شام بار بار ان کے اوپر پڑھی جاتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں یاد ہو جاتی ہیں انہی کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے، ان لوگوں کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (آپ فرما دیجئے کہ اس قرآن کو اس ذات پاک نے نازل فرمایا ہے جسے ہر چھپی ہوئی بات کا علم ہے آسمانوں میں ہو یا زمین تم جو خفیہ مشورے کرتے ہو اور آپس میں چپکے چپکے یوں کہتے ہوں کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے یا دوسروں سے لکھوا لیا ہے قرآن نازل فرمانے والے کو تمہاری ان سب باتوں

کا پتہ ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا اِنَّہٗ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے) اس میں یہ بتایا کہ تم نے جو باتیں کہی ہیں یہ کفریہ باتیں ہیں ان کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو گئے ہو لیکن جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ بہت بڑا کریم ہے اگر اپنی کفریہ باتوں سے توبہ کر لو گے اور ایمان لے آؤ گے تو وہ پرانی تمام باتوں کو معاف فرما دے گا۔

مزید فرمایا: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ (الآیۃ) (اور ان لوگوں نے یوں کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) ان لوگوں نے اپنی طرف سے نبوت اور رسالت کا ایک معیار بنا لیا تھا اور وہ یہ تھا کہ رسول کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہیئے جو اپنے اعمال و احوال میں دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو جو شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بازار میں جاتا ہے چونکہ یہ شخص ہمارے ہی جیسا ہے اس لئے یہ رسول نہیں ہو سکتا، یہ ان لوگوں کی حماقت کی بات ہے خود تراشیدہ معیار ہے صحیح بات یہ ہے کہ انسانوں کی طرف جو شخص مبعوث ہو وہ انسان ہی ہونا چاہیئے جو قول سے بھی بتائے اور عمل کر کے بھی دکھائے، کھانا کھائے کھانے کے احکام بھی بتائے اور خرید و فروخت کے طریقے بھی سمجھائے۔

منکرین رسالت نے رسالت و نبوت کا معیار بیان کرتے ہوئے اور بھی بعض باتیں کہیں۔

اوّلاً یوں کہا لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا (اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے کام میں شریک ہوتا اور نذیر ہوتا)۔ یعنی وہ بھی لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا۔

دوم اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ (یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا)

سوم اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا (یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا پیتا) انہوں نے جو یوں کہا تھا کہ رسول میں کوئی امتیازی شان ہونی

چاہیے اس امتیازی شان کو انہوں نے خود ہی تجویز کیا کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو کار رسالت میں ان کا شریک ہوتا یا ان کے پاس خزانہ ہوتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جب ان میں سے کوئی چیز نہیں تو ہم اور یہ برابر ہوئے پھر اس کے دعوائے رسالت کو کیسے مان لیں؟ ان باتوں کے ساتھ انہوں نے ایک اور ظلم کر دیا اور اہلِ ایمان سے یوں کہہ دیا کہ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (کہ تم تو ایک ایسے ہی آدمی کا اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے) کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے جب قرآن جیسا کلام نہ لا سکے اور دلائل اور معجزات کے سامنے لاجواب ہو گئے تو آخر میں یہ بات نکالی کہ تم جسے رسول مان رہے ہو وہ مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا آپ دیکھ لیجئے کہ یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکیں گے (اگر غور کرتے اور عقل سے کام لیتے تو یہی قرآن اور یہی رسول جن پر اعتراض کر رہے ہیں ان کی ہدایت کا سبب بن جاتے، اب تو وہ اعتراض کر کے دور جا پڑے اب وہ راہ حق پر نہ آئیں گے)

قریش مکہ کی فرمائش کہ زمین میں نہریں جاری کر دیں یا آسمان کو گرا دیں یا آسمان پر چڑھ کر دکھا دیں

سورہ الاسراء میں فرمایا:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا

كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (۹۰ تا ۹۳)

ترجمہ : اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں یا خاص کر آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، پھر آپ اس باغ کے درمیان بہت سی نہریں جاری کر دیں یا آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑوں کی صورت میں گرا دیں جیسا کہ آپ کا بیان ہے یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں یا آپ کا گھر ہو جو خوب زینت والا ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر ہرگز یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے اوپر ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں جسے ہم پڑھ لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں پیغمبر ہوں)۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے فرمایا تو وہ دشمن ہو گئے، حق قبول کرنے سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے ستاتے تھے کٹ حجتی پر تلے ہوئے تھے۔ الٹے الٹے سوال کرتے اور بے تکی فرمائشیں کرتے تھے نیز جن میں سے چند فرمائشیں آیات بالا میں مذکور ہیں۔

صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قریش مکہ کے چند افراد جمع ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے نئی باتیں شروع کی ہیں اگر ان کے ذریعہ آپ کو مال طلب کرنا مقصود ہے تو بتا دیجئے ہم آپ کو مال دے دیں گے آپ ہم میں سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے اور اگر بڑا بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی جنون ہو گیا ہے تو وہ بتا دیجئے ہم اپنے اموال خرچ کر کے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر بشارتیں سناؤں اور مخالفت کے انجام سے ڈراؤں، میں نے تمہیں پہنچا دیا اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھا دیا۔ اگر تم اس کو

قبول کرتے ہو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارا نصیب ہوگا اور اگر اس کو نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ پاک میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

وہ لوگ کہنے لگے تو پھر ایسا کرو کہ اپنے رب سے سوال کرو کہ یہ پہاڑ مکہ کی سرزمین سے ہٹ جائیں جن کی وجہ سے ہماری جگہ تنگ ہو رہی ہے اور ہمارے شہروں میں وسعت ہو جائے۔ جیسے شام و عراق میں نہریں ہیں اس طرح کی نہریں ہمارے شہر میں جاری ہو جائیں اور ہمارے مردہ باپ دادوں کو قبروں سے اٹھاؤ جن میں سے قصی بن کلاب بھی ہو۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں، میں ایسا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، مانتے ہو تو مان لو، اور نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں اللہ تعالےٰ کا جو فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنے رب سے یہ سوال کیجئے کہ آپ کی تصدیق کے لئے ایک فرشتہ بھیج دے۔ اور یہ سوال کرو کہ آپ کو باغات اور محلات دے دے اور سونے چاندی کے خزانے دے دے جن کی وجہ سے آپ غنی ہو جائیں اور یہ آپ کی ظاہری حالت (جو مال کی کمی کی وجہ سے ہے) نہ رہے آپ تو ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری طرح معاش تلاش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں مجھے تو اللہ تعالےٰ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، کہنے لگے اچھا ایسا کرو کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے، اگر قدرت ہے تو اس کا مظاہرہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ چاہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے، اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ ان باتوں کے بعد آپ وہاں سے کھڑے ہو گئے، انہیں میں آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے محمدؐ آپ کی قوم نے کئی باتیں پیش کیں آپ نے کسی کو قبول نہ کیا۔ اب آپ ایسا کریں کہ ایک سیڑھی لیں اور میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک نوشتہ لکھی

ہوئی کتاب بھی لائیں اور آپ کے ساتھ فرشتے بھی آئیں جو آپ کی تصدیق کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی تصدیق کر لوں گا۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے اور اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو جواب میں فرما دیں سُبْحَانَ رَبِّیْ (کہ میرا رب پاک ہے تمہارے طلب کردہ معجزات سے عاجز نہیں ہے) اللہ چاہے تو فرمائشی معجزات ظاہر فرما دے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کے لئے فرمائشی معجزات ظاہر فرمائے۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (میں تو ایک بشر ہی ہوں ایک انسان ہوں ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے) اگر میں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں تو یہ بشریت کے تقاضوں کے موافق ہے اور جو توحید و رسالت کی باتیں کرتا ہوں یہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں اور رسول ہونے کے لوازم میں یہ باتیں نہیں ہیں جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کا یہ ایمان اسے نفع دے گا اور جو منکر ہو گا اپنا برا کرے گا رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ واضح طور پر حق بیان کر دے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دے۔

نضر بن حارث کی شرارت

سورۂ لقمان میں فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ	اور بعض ایسے لوگ ہیں جو ان باتوں کو خریدتے
لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	ہیں جو کھیل کی باتیں ہیں تاکہ بغیر علم کے اللہ کے
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا	راستے سے ہٹائیں اور اللہ کی راہ کا مذاق بنائیں
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ	ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور
مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ	جب ایسے شخص پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی
اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا	ہے تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتا ہے گویا کہ

كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِيٓ أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ۝ (۶،۷)

اس نے ان کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

آیت بالا کا سببِ نزول بیان کرتے ہوئے کئی باتیں منقول ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہمانے بیان فرمایا کہ نضر بن حارث (جو مشرکین مکہ میں سے اسلام کے بڑے کٹڑ دشمنوں میں سے تھا) نے ایک گانے والی باندی خرید لی تھی اُسے جس کے بارے میں یہ خبر ملتی تھی کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ اسے اس لونڈی کے پاس لے جاتا تھا اور اس لونڈی سے کہتا تھا کہ اس شخص کو کھلا پلا اور گانا سُنا، پھر جس شخص کو ساتھ لے جاتا تھا اس سے کہتا تھا کہ یہ اُس سے بہتر ہے جس کی طرف تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھ، روزے رکھ اور ان کے ساتھ مل کر اُن کے دشمنوں سے جنگ کر، اس پر آیتِ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نضر بن حارث تجارت کے لئے فارس جاتا تھا وہاں سے عجمیوں کی کتابیں خریدتا تھا پھر انہیں مکہ معظمہ میں لاکر قریش کو سناتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عاد اور ثمود کی باتیں سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار اور فارس کے بادشاہوں کی خبریں سناتا ہوں، لوگوں کو یہ باتیں پسند آتی تھیں اور قرآن کے بجائے ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اسی پر آیت بالا نازل ہوئی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابن خطل نے یہ حرکت کی تھی کہ اس نے گانے والی باندی خریدی تھی جو ایسے گانے گاتی تھی جو مسلمانوں کو اور اسلام کو بُرے الفاظ سے ذکر کرنے پر مشتمل ہوتے تھے۔

حُبِّ دُنیا اور تکبّر ظالموں کو حق قبول کرنے سے مانع ہوتا ہے

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ

بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں، سو یہ یقینی بات ہے کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنے والے اللہ

الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ٥(٣٣) کی آیات کا انکار کرتے ہیں)

معالم التنزیل صفحہ ۹۳ ج ۲ میں لکھا ہے کہ اخنس بن شریق کی ابوجہل سے ملاقات ہوگئی اخنس نے ابوجہل سے کہا کہ اس وقت یہاں تیرے اور میرے سوا کوئی نہیں تو مجھے سچی بات بتادے کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن ہمارے جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب بنو قصی (جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے) کے پاس علمبرداری بھی چلی جائے اور سقایہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) بھی چلی جائے اور کعبہ شریف کی کلید برداری بھی چلی جائے اور مجلس شوریٰ کی سرداری بھی انہی کو پہنچ جائے اور نبی بھی انہیں میں سے ہو جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا؟

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سے کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کی دعوت لے کر آپ تشریف لائے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اللہ تعالےٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ان کو آپ کی نبوت و رسالت میں اور آپ کے دعوے کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں یہ آپ کو سچا سمجھتے ہیں لیکن ان کو اللہ کی آیات سے ضد ہے۔ اللہ کی آیات ان کے اعتقادات اور ان کے شرکیہ دین کے خلاف کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں اس لئے ان کے مخالف ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں۔ سورۃ القصص میں فرمایا:

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى	اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ
مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ	ہدایت کا اتباع کرنے لگیں تو ہم اپنی زمین سے
اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا	اچک لئے جائیں گے کیا ہم نے انہیں امن
يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ	و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں
رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ	ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہمارے

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ (۵۷) پاس سے کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)۔

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے (ص ۳۰۰ ج ۱۳) کہ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ کی بات حق ہے لیکن ہم جو ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے سے بچ رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں ڈر ہے کہ اہل عرب ہمیں ہماری سرزمین مکہ سے اچک لیں گے یعنی ہمارے خلاف محاذ بنا کر ہمیں مکہ معظمہ سے نکال دیں گے۔ یہ خوامخواہ کی حیلہ بازی تھی کیونکہ عرب کے قبائل آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کر کے لوٹ مار تو کرتے تھے اور ایک دوسرے کے دشمن بنے رہتے تھے لیکن حرم مکہ کو محترم جانتے تھے اور اہل مکہ پر کبھی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا (کیا ہم نے انہیں امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی) جب امن کی جگہ میں رہتے ہیں جہاں قتل و قتال اور لوٹ مار کرنے سے سارے عرب بچتے ہیں تو یہ بہانہ کیوں بناتے ہو کہ ہم ایمان قبول کر لیں گے تو ہمیں عرب اچک لیں گے۔

حرم پر امن بھی ہے اور کھانے پینے کے لئے ہر قسم کے پھل وہاں کھچے چلے آ رہے ہیں تو وہاں نہ خوف کی بات ہے نہ بھوک کے رہنے کا ڈر ہے۔ اسی کو سورۃ القریش میں فرمایا: فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (۳،۴) (سو اس بیت کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک کی وجہ سے کھلایا اور خوف سے امن دیا) اس وہم میں پڑنا کہ ایمان لانے کی وجہ سے لوگ ہمیں اُچک لیں گے یہ خیال غلط ہے ایمان سبب ہلاکت نہیں کفر سبب ہلاکت ہے۔

عتبہ بن ربیعہ کا حاضر خدمت ہو کر گفتگو کرنا

تفسیر قرطبی ص ۳۳۸ ج ۱۵ میں لکھا ہے کہ ایک دن قریش نے آپس میں یوں کہا جن میں ابو جہل بھی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہمارے لئے اشکال کا باعث

بن گیا ہے (واضح طور پر ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں)۔ تم ایسا کرو کہ ایسے شخص کو تلاش کرو جو شاعر بھی ہو اور کاہن بھی اور ساحر بھی ایسا شخص ان کے پاس جائے اور گفتگو کر کے واپس آئے اور ہمیں واضح طور بتا دے کہ ان کے دعویٰ کی کیا حقیقت ہے۔ یہ سن کر عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں کہانت اور شعر اور سحر تینوں سے واقف ہوں اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز ہوگی تو مجھے پتہ چل جائے گا ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تم محمدؐ (علیہ السّلام) کے پاس جاؤ اور بات چیت کرو۔

عتبہ بن ربیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ آپ بہتر ہیں یا قصیؔ بن کلاب؟ آپؐ بہتر ہیں یا ہاشم؟ آپؐ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ آپؐ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ آپؐ کے آباؤ اجداد ہیں آپؐ ان کے دین کو باطل بتاتے ہیں) آپؐ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتے ہیں اور ناسمجھ بتاتے ہیں اور ہمارے دین کو بُرا کہتے ہیں (ان سب باتوں سے آپؐ کا مقصد کیا ہے) اگر آپؐ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار بنا لیتے ہیں جب تک آپؐ زندہ رہیں اور اس کے اظہار اور اعلان کے لئے جھنڈے کھڑے کر دیتے ہیں اور اگر آپؐ کا مقصد یہ ہے کہ آپؐ کی شادی ہو جائے تو ہم قریش کی دس لڑکیوں سے آپؐ کا نکاح کر دیتے ہیں جنہیں آپؐ چاہیں اور اگر آپؐ مال چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ اس کی وجہ سے آپ اور آپؐ کے بعد آنے والے آل و اولاد سب کو بے نیاز کر دیں گے اور اگر یہ بات ہے کہ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا ہے یہ جنات کا کوئی اثر ہے تو بتا دیجئے ہم مال جمع کریں گے اور آپؐ کا علاج کرا دیں گے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتے رہے جب عتبہ اپنی باتیں کہہ چکا تو آپؐ نے فرمایا اے ابوالولید تو اپنی باتوں سے فارغ ہو گیا؟ (ابوالولید عتبہ کی کنیت تھی) عتبہ نے کہا کہ ہاں میں کہہ چکا! آپؐ نے فرمایا کہ سُن! کہنے لگا کہ سنائیے، آپؐ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

پڑھ کر سورہ حٰمۤ السجدہ پڑھنا شروع کیا اور فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (۱۳)۔ تک پڑھتے چلے گئے آپؐ یہاں تک پہنچے تھے کہ عتبہ کو دبڑا اور آپؐ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور اللہ کی قسم دی کہ آپ خاموش ہو جائیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور قریش کی مجلس میں نہ آیا ابوجہل نے اس سے کہا کیا تو بے دین ہو کر محمدؐ کی طرف ڈھل گیا یا تجھے محمدؐ کا کھانا پسند آگیا، یہ سن کر عتبہ غصہ ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کبھی بھی بات نہ کروں گا۔ اس کے بعد عتبہ نے کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال والے لوگوں میں سے ہوں (مال یا طعام کی وجہ سے میں خاموش نہیں ہوا) لیکن بات یہ ہے کہ جب میں نے محمدؐ (علیہ السلام) سے گفتگو کی تو انہوں نے جو مجھے جواب دیا اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ نہ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ جادو ہے۔ اس کے بعد عتبہ نے (مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ) تک آیات سنا دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور اس نے بتایا کہ میں نے ان کا منہ پکڑ لیا اور قسم دی کہ آگے نہ پڑھیں، سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عتبہ نے مزید کہا کہ تم جانتے ہو کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب کبھی بھی کوئی بات کہی ہے جھوٹ نہیں بولا میں ڈر گیا کہ تم لوگوں پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتبہ بن ربیعہ کے سامنے سورۂ حٰمۤ سجدہ کے شروع سے آیت سجدہ تک تلاوت کی عتبہ کان لگا کر سنتا رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرارت ختم کر دی تو فرمایا اے ابوالولید تو نے سن لیا جو میں نے کہا آگے تو جانے (تو ایمان لائے نہ لائے، عذاب میں گرفتار ہو تو جانے۔)

عتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھا اور قریش کی مجلس میں پہنچا وہ اس کی صورت دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ابوالولید کا رُخ بدلا ہوا ہے یہ دوسرا چہرہ لے کر آیا ہے۔ اس کے بعد عتبہ سے قریش نے کہا اے ابوالولید تو کیا خبر لایا؟ کہنے لگا اللہ کی قسم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس جیسا کبھی نہیں سُنا،

میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تم میری بات مان لو محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دو (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انہیں کچھ نہ کہو اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کی باتوں کا ضرور چرچا ہوگا کہ اگر اہل عرب نے ان کو ختم کر دیا تو دوسروں کے ذریعہ تمہارا کام چل جائے گا اور اگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ بن گئے یا ان کی نبوت کا مظاہرہ ہو گیا تو تمہیں اس کی سعادت پوری طرح نصیب ہو جائے گی کیونکہ ان کا ملک تمہارا ہی ملک ہوگا اور ان کا شرف تمہارا ہی شرف ہے۔ یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ اے ابوالولید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ پر جادو کر دیا ہے عتبہ نے کہا یہ میری رائے ہے آگے تم جو چاہو کرو۔

ولید بن مغیرہ کا خدمت عالی میں حاضر ہونا

سورۃ المدثر میں فرمایا:

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝
وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۝ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ
اَزِیْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝
اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۝
ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ
هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِیْهِ
سَقَرَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ
لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ (۱۱ تا ۲۸)

ترجمہ: مجھے اور اس شخص کو رہنے دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے میں نے مال دیا جو بڑھتا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے بیٹے دیئے اور میں نے اس کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا، پھر وہ آرزو کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں گا ہرگز نہیں بلاشبہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے عنقریب میں اسے دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا بے شک اس نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی، پھر اس پر

خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا، پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا پھر بولا کہ یہ تو ایک جادو ہے جو منقول ہوتا ہوا آرہا ہے یہ کچھ نہیں مگر آدمی کا کلام ہے، میں عنقریب اُسے دوزخ میں داخل کروں گا اور اے مخاطب تجھے کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیا ہے نہ وہ باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی، وہ بدن کی حیثیت کو بگاڑ دینے والی ہے اس پر اُنیس فرشتے مقرر ہوں گے۔)

معالم التنزیل (ص۱۴۱۵ ج ۴) میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ مسجدِ حرام میں تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُس نے سورۃ غافر کی شروع کی دو آیات سنیں اور آیات سُن کر متاثر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس فرمالیا کہ یہ متاثر ہو رہا ہے۔ آپؐ نے دوبارہ آیات کو دہرایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم میں جاکر کہا کہ اللہ کی قسم میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ابھی ابھی ایسا کلام سُنا ہے جو نہ وہ انسانوں کا کلام ہے نہ جنات کا اور اس میں بڑی مٹھاس ہے اور وہ خود بلند ہوتا ہے دوسروں کے بلند کرنے کی ضرورت نہیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ ولید نے تو نیا دین قبول کر لیا اب تو سارے قریش اس نئے دین کو قبول کرلیں گے، یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ میں تمہاری مشکل دور کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ ولید کے پاس گیا اور اس کی بغل میں رنجیدہ بن کر بیٹھ گیا، ولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے کیا بات ہے تم غمگین نظر آرہے ہو، ابوجہل نے کہا رنجیدہ ہونے کی بات ہی ہے۔ قریش نے فیصلہ کیا تھا کہ تیرے لئے مال جمع کریں اور تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کریں اب وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ تُو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سُنا ہے اور تُو ان کے پاس جاتا ہے وہاں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) بھی موجود ہوتا ہے اور تُو ان لوگوں کے کھانے میں سے کھا لیتا ہے یہ بات ولید کو بڑی بُری لگی اور کہنے لگا (کہ قریش نے ایسا خیال کیوں کیا؟) کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ میں اُن سے بڑھ کر ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا کبھی پیٹ بھرا بھی ہے

جو اُن کے پاس فاضل کھانا ہو (جس میں سے میں کھالوں)۔

اس کے بعد ولید ابو جہل کے ساتھ روانہ ہوا اور اپنی قوم کی مجلس میں پہنچا اور کہنے لگا تم لوگ خیال کرتے ہو کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ آدمی ہے تو کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ وہ اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ سب نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے تو کیا تم نے کبھی انہیں کاہنوں والی بات کرتے ہوئے دیکھا ہے ؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا تم لوگ کہتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہے کیا تم نے انہیں کبھی کوئی شعر کہتے ہوئے سُنا ہے ؟ کہنے لگے نہیں! ــــــــ کہنے لگا تم کہتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تم نے اس کی زندگی میں کبھی کوئی بات ایسی آزمائی ہے جس میں اس نے جھوٹ بولا ہو ؟ سب نے کہا نہیں! (ان لوگوں کو کیا مجال تھی کہ کوئی جھوٹ آپ کی طرف منسوب کرتے انہوں نے تو خود ہی آپ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے امین کا لقب دے رکھا تھا)۔

قریش نے ولید سے کہا تو تُو بتا پھر کیا بات ہے اُس نے کہا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ وہ جادوگر ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی باتوں سے میاں بیوی کے اور باپ بیٹوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔

روح المعانی میں یوں ہے کہ ابو جہل نے ولید سے کہا کہ تیری قوم تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تُو اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے (جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ تُو اس شخص کا معتقد نہیں ہے) ولید نے کہا کہ مجھے مہلت دی جائے تاکہ میں سوچ لوں پھر اس نے سوچ کر کہا کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید بن مغیرہ مالدار بھی تھا، کھیتی باڑی، دودھ کے جانور، پھلوں کا باغ، تجارت غلام اور باندی کا مالک ہونا، ان سب چیزوں کا مُفسرین نے تذکرہ کیا ہے نیز اس کے لڑکے بھی تھے جو حاضر باش رہتے تھے اُن کی تعداد دس تھی، اور جب اس کے سامنے جنّت کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) جنّت کی خبر دے رہے ہیں اگر یہ سچّی ہے تو سمجھ لو کہ وہ میرے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد ولید برابر مال اور اولاد کے اعتبار سے نقصان میں جاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا، کب مرا اور کہاں مرا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض اہل سِیَر کا قول ہے کہ غزوۂ بدر میں مارا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ اُسے ملک حبشہ نے قتل کر دیا تھا۔ بہرصورت وہ کفر پر ہی مقتول ہوا۔

جب ولید سے کہا گیا کہ قوم قریش تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو قریش کے جذبات کے موافق ہو تو اس نے کہا کہ میں سوچ کر بتاؤں گا۔ پھر سوچ کر کہنے لگا یہ تو بس جادو ہی ہے جو منقول ہے یعنی دوسروں سے لیا گیا ہے اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے بلکہ انسانوں کا کلام ہے۔

ولید بن مغیرہ کی یہ بات نقل کر کے ارشاد فرمایا سَاُصۡلِیۡهِ سَقَرَ (میں اُسے دوزخ میں داخل کر دوں گا اس کے بعد آیت بالا کا ترجمہ سمجھ کر دوبارہ پڑھ لیجئے اور انوار البیان کا مطالعہ کر لیا جائے۔

مشرکین کے اس قول کی تردید کہ آپ کو کوئی شخص سکھاتا ہے

سورۃ النحل میں فرمایا:

وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ	اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں سوائے
اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ	اس کے نہیں کہ سکھاتا ہے اس کو آدمی، زبان
الَّذِىۡ يُلۡحِدُوۡنَ اِلَيۡهِ اَعۡجَمِىٌّ	اس شخص کی کہ کجراہی کرتے ہیں اس کی طرف،
وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيۡنٌ ‏ ﴿۱۰۳﴾	عجمی ہے اور یہ زبان عربی ہے ظاہر۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کے ایک بہتان کا تذکرہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس بہتان کا رد بھی مذکور ہے۔ جب کوئی شخص مخالفت پر ہی کمر باندھ لے تو اسے یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ جو قرآن مجید سناتے تھے

تو مشرکین یوں بھی کہتے تھے کہ یہ باتیں انہیں فلاں شخص سکھاتا ہے فلاں شخص سے کون مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص پہلے نصرانی تھا عجمی تھا (عربی نہیں تھا) اس نے اسلام قبول کر لیا تھا رسول اللہؐ اس کے پاس سے گزرتے تو اسے اسلام کی باتیں سکھاتے تھے، اس شخص کا نام یعیش تھا، رسول اللہؐ اس کو سکھانے کے لئے تشریف لے جاتے اور وہ آپؐ سے دین سیکھتا تھا لیکن مشرکین مکہ الٹی ہی بات کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمدؐ جو گزشتہ زمانہ کی باتیں بتاتے ہیں یا آئندہ واقعات کی خبر دیتے ہیں یہ اس شخص سے سیکھ کر بتاتے ہیں جس کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو شخص ایسے تھے جو اہل مکہ میں سے نہیں تھے لیکن مکہ معظمہ میں رہتے تھے تلواریں بنانے کا کام کرتے تھے اور توریت و انجیل پڑھتے تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ مکہ تکلیف پہنچاتے تھے تو آپ ان دونوں کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور ان کا کلام سن کر راحت محسوس فرماتے تھے مشرکین نے جو آپ کو ان کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ انہیں دونوں سے باتیں سُن لیتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے قرآن نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مشرکین مکہ کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جن کی طرف باتیں سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہیں وہ نہ عرب ہیں نہ فصیح عربی جانتے ہیں، انہوں نے ایسی واضح فصیح عربی زبان میں آپ کو کیسے تعلیم دے دی؟ ایک عجمی جو صحیح عربی بول بھی نہیں سکتا وہ اتنی بڑی فصاحت و بلاغت والی عبارت کیسے تلقین کر سکتا ہے جس کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء عاجز ہو گئے، زمانہ نزولِ قرآن سے لے کر آج تک قرآن کا مقابلہ کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہو گی کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کا چیلنج قبول کرے۔

مشرکین مکہ کا یہودیوں سے سوال قریش مکہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین توحید کی دعوت دیتے رہتے تھے

ان میں سے خال خال کوئی شخص اسلام قبول کرلیتا تھا (اسی طرح شدہ شدہ مسلمانوں کی اچھی تعداد ہوگئی)۔

اہل مکہ مشرک تو تھے ہی اُمّی یعنی بے پڑھے بھی تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ مدینہ منورہ میں جو یہودی رہتے ہیں وہ اہل کتاب ہیں ان سے بات چیت کی جائے اور آپ کے بارہ میں کچھ معلوت حاصل کریں ان لوگوں نے مشورہ کرکے بن الحارث اور عقبہ بن ابی مُعیط کو مدینہ بھیجا تاکہ احبار یہود سے رسول اللہ کے دعاوی اور حالات کا تذکرہ کرکے اُن سے دریافت کریں کہ اس دعویٰ کی صداقت کے متعلق کیا سوالات کئے جائیں۔ احبار یہود نے اُن کو اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور حقیقت رُوح کے متعلق کچھ سوالات بتائے۔ یہ لوگ جب وہاں سے لوٹ کر آئے تو ایک بڑا مجمع ساتھ لے کر حضورؐ سے انہوں نے سوالات کئے جس کے جواب میں بالتفصیل قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوئیں۔ سورۃ الاسراء کی آیت (يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ (۸۵)) میں اور سورۃ الکہف میں اصحاب الکہف کا تفصیلی تذکرہ اور آخری رکوع سے پہلے ذوالقرنین کا تذکرہ فرمایا اور مشرکین کے جوابات دیئے۔ مشرکینِ مکہ قرآن بھی سنتے تھے جو بہت بڑا معجزہ ہے اور دیگر معجزات بھی دیکھتے تھے پھر بھی ان کا عناد اور جدال جاری تھا یہود کے پاس آدمی بھیجے انہوں نے جن سوالات کی تلقین کی وہ سوالات حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کئے گئے، قرآن مجید میں ان کا جواب بھی مل گیا لیکن اسلام پھر بھی قبول نہ کیا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ ان کی امتوں کے مکذبین کا یہی طریقہ رہا ہے۔

ضد وعناد اور ہٹ دھرمی آخرت کے عذاب میں مبتلا کرنے والی صفات ہیں

دنیاداری حبّ مال اور حبّ جاہ تکبّر ضد، عناد ہٹ دھرمی یہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو حق قبول کرنے سے باز رکھتی ہیں اگر انسان حق قبول کرلے اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لے آئے تو اس کے لئے آخرت میں بے انتہا

ثواب ہے اور وہ وہ نعمتیں ہیں جن کا اس دُنیا میں تصوّر نہیں کیا جا سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دی تو قریش مکہ نے یہ واضح ہو جانے کے بعد بھی کہ آپ حق پر ہیں حق کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں طرح طرح کی باتیں نکالیں، ضد اور عناد اور ناک اونچی رہنے کے خیال نے انہیں حق قبول نہ کرنے دیا، کبھی کہتے تھے اس ایک شخص کے کہنے سے ہم اپنے باپ دادوں کا دین کیوں چھوڑ دیں، کبھی کہتے تھے کہ ہمیں پیغمبری کیوں نہ ملی، کبھی کہتے تھے کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر قرآن کیوں نازل نہ ہوا، کبھی کہتے تھے فرشتہ پیغمبر بن کر کیوں نہ آیا جو اس مدعی نبوّت کی تصدیق کرتا، کبھی کہتے تھے کہ اسے فلاں شخص سکھاتا ہے۔ یہ تو غریب آدمی ہے اس کے پاس مال کا خزانہ نہیں، اور یہ بھی کہتے تھے کہ آس پاس کے لوگ اپنے باپ دادوں کے دین شرک پر ہیں۔ اے محمدؐ اگر ہم تمہارا اتباع کرلیں تو لوگ ہمیں اچک لیں گے ہمارا گھر بار چھین لیا جائے گا اور یہ بھی خیال کرتے تھے کہ اگر ہم نے اس دین کا اتباع کرلیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں تو ہماری شان گھٹ جائے گی، حق بات کو سُن کر اَن سُنی کر دیتے تھے، اسی کو فرمایا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا کَاَنَّ فِیْ اُذُنَیْهِ وَقْرًا (لقمان:۷)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ تکبّر ہے) آپؐ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے الکبر بطر الحق وغمط الناس (یعنی حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا یہ تکبّر ہے) حق کو ٹھکرانے میں بڑی تفصیل ہے بہت سے لوگ دینِ اسلام کو حق جانتے ہوئے قبول نہیں کرتے یہ تکبّر ہی تو انہیں دینِ اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کافروں مشرکوں کا یہی حال تھا اور آج کے منکرین کا بھی یہی حال ہے، دل سے اسلام کو حق جانتے ہیں اسلام کی تعریفیں بھی کرتے ہیں اس سلسلے میں مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن اپنی دنیوی قیادت، سیاست

وزارت، صدارت، دنیا داری اور مالداری کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، انسان کی بدبختی ہے کہ حق کو حق جانتے ہوئے قبول نہ کرے اور قبول حق میں اپنی ہیٹی محسوس کرتے ہوئے کفر پر جما رہے اور دوزخ کے دائمی عذاب کے لئے تیار رہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا بُرا انجام

دشمنان اسلام کے لئے آخرت میں دوزخ کا دائمی عذاب تو ہے ہی دنیا میں بھی انکا بُرا انجام ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں جو لوگ بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے ان میں وہ لوگ بھی تھے جو آپ کا استہزاء کرتے تھے اور تمسخر کے ساتھ پیش آتے تھے سورہ حجر کی آیت إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ (۹۵) میں ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

علماء تفسیر نے اس سلسلہ میں خصوصی طور پر ولید بن مغیرہ اور اس کے چار ساتھیوں کا نام لیا ہے یہ لوگ ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے میں بہت آگے آگے تھے علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ان مسخرہ کرنے والوں سے وہ سات افراد مراد ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر گندگی ڈال دی تھی جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے یہ لوگ بدر میں مقتول ہوئے (راجع روح المعانی ص ۸۶ ج ۱۴)

معالم التنزیل ص ۵۹ ج ۳ میں لکھا ہے کہ مستہزئین مذاق بنانے والے پانچ افراد تھے اول ولید بن مغیرہ جو ان سب کا سردار تھا دوسرا عاصم بن وائل تیسرا اسود بن عبد المطلب چوتھا اسود بن عبد یغوث پانچواں حارث بن قیس تھا، اللہ تعالےٰ نے ان کو استہزار کی سزا دی اور یہ لوگ بری موت مرے ایک دن یہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے (زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ شریف کا طواف کیا جاتا تھا) اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہ وسلم وہاں موجود تھے حضرت جبرئیل علیہ السّلام بھی تشریف لے آئے جب ولید بن مغیرہ کا گزر ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے عرض کیا کہ اے محمدؐ اس شخص کو کیسا پاتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ یہ بُرا بندہ ہے حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، اور

یہ فرماتے ہوئے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا یمانی چادریں پہنے ہوئے تھا تہمد کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا راستہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص کھڑا ہوا تھا جس کے تیروں کے پر بکھرے ہوئے تھے ان تیروں کا دھار دار حصّہ ولید کے پاؤں میں چبھ گیا اس نے تکبّر کی وجہ سے جھکنا گوارا نہیں کیا تاکہ اُسے اپنے پاؤں سے نکال دے بالآخر وہ دھار دار حصّہ آگے بڑھتا رہا جس نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا جس سے وہ مریض ہو گیا اور اس مرض میں مر گیا، پھر عاصم بن وائل وہاں سے گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمدؐ یہ کیسا شخص ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ بُرا بندہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے اس کے قدموں کے تلووں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ کی اس سے حفاظت ہو گئی اس کے بعد عاصم بن وائل اپنے دو لڑکوں کے ساتھ تفریح کرنے کے لئے نکلا ایک گھاٹی پر پہنچا تو اس کا پاؤں ایک خاردار درخت پر پڑ گیا اس کا ایک کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں گھس گیا جس سے اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا اور وہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔ تھوڑی دیر میں اسود بن عبدالمطلب گزرا حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے عرض کیا اے محمدؐ یہ کیسا شخص ہے؟ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ برا شخص ہے حضرت جبرئیل السّلام نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے محفوظ ہو گئے چنانچہ وہ اندھا ہو گیا اور برابر دیوار میں سر مارتا رہا اور یہ کہتے ہوئے مر گیا قَتَلَنِیْ رَبُّ مُحَمَّد (مجھے رب محمد نے قتل کر دیا) پھر اسود بن عبد یغوث گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمدؐ آپ اسے کیسا شخص پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ بُرا بندہ ہے حالانکہ میرے ماموں کا لڑکا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے عرض کیا کہ اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، یہ کہہ کر اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا لہٰذا اس کو استقار کا مرض لگ گیا؟ اس کے بعد حارث بن قیس کا گزر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے عرض کیا اے محمدؐ آپ اسے کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بُرا بندہ ہے حضرت جبرئیل

علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس سے آپ کی حفاظت کر دی گئی اس کے بعد اس کی ناک سے مسلسل پیپ نکلنے لگی جو اس کی موت کا ذریعہ بن گئی۔ ان کے علاوہ جو لوگ بہت زیادہ دشمنی کرنے والے تھے ان میں ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن معیط، عمارۃ الولید تکلیف دینے میں اور ایذا رسانی میں بہت آگے آگے تھے ان سات آدمیوں میں ابو جہل غزوہ بدر میں مقتول ہوا۔ انصار کے دو لڑکوں نے اسے نیم جان کر دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹ کر حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ شیبہ اور ولید اور امیہ بن خلف بھی غزوۂ بدر میں قتل کئے گئے امیہ بن خلف وہی شخص تھا جو مکہ مکرمہ میں حضرت بلال کو بہت زیادہ تکلیف دیا کرتا تھا۔ عمارہ بن الولید کی پیشاب کی جگہ میں نجاشی شاہ حبشہ نے ہوا پھونکنے کا حکم دے دیا تھا اس کی وجہ سے وہ جنگلوں میں وحشی جانوروں کی طرح رہنے لگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مر گیا۔

ابی بن خلف بھی بہت زیادہ دشمنی کرتا تھا اس نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اپنا نیزہ تیز کر رکھا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد میں اسے اپنا نیزہ مار کر زخمی کر دیا وہ اس سے چیختا ہوا مکہ معظمہ کی طرف چلا گیا اور رابغ میں پہنچ کر راستے میں مر گیا۔

بدر میں جو کافر مقتول ہوئے تھے انہیں ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ اُمیہ بن خلف کو کھینچنے لگے تو اس کی پسلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئیں لہٰذا اسے کنویں میں نہیں ڈالا گیا۔ بعض اہل سیر کا قول ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ واپس جاتے ہوئے ساتھ لے جا رہے تھے کہ ایک دن کی مسافت کے بعد وہ مقام عرق الظبیہ میں قتل کر دیا گیا، اسے حضرت عاص بن ثابت نے قتل کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ علی بن ابی طالب نے قتل کیا۔ قیدیوں میں نضر بن الحارث بھی شامل تھا بدر سے مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے مقام صفراء میں اسے بھی حضرت

علیؓ نے قتل کر دیا۔

ابولہب غزوۂ بدر میں نہیں آیا تھا اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام کو بھیج دیا تھا، پھر ابولہب کا بھی بُرا انجام ہوا اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں گستاخانہ الفاظ نکالے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کے آخرت والے عذاب کے بارہ میں خبر دیتے ہوئے پہلے تو تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ فرمایا۔ پھر فرمایا سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ یہ تو اس کے اور اس کی بیوی کے آخرت کا انجام بتاتے ہوئے خبر دی کہ وہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے اور دنیا میں بھی اس کی بری طرح گت بنی۔ موت کے بعد بڑی ذلّت اور بے آبروئی کے ساتھ اس کے بیٹوں نے اسے پھینک دیا۔

البدایہ والنہایہ ص ۳۰۹ ج ۳ میں لکھا ہے کہ اس کے جسم میں خطرناک قسم کی چیچک نکل آئی جس کی وجہ سے لوگ اس سے گھن کرنے لگے اور اپنے عقیدہ کی وجہ سے اس کے پاس جانے سے ڈرنے لگے کہ کہیں یہ مرض ہمیں نہ لگ جائے لہٰذا اپنے اور پرائے اس سے دور ہو گئے، ایک گھر میں علیحدہ ڈال دیا گیا اور وہ بے بسی اور بے کسی کی حالت میں مر گیا تین روز تک اس کی نعش یوں ہی پڑی رہی جب سڑنے لگی تو لوگوں نے اس کے بیٹوں کو عار دلائی کہ دیکھو تمہارا باپ کس حال میں پڑا ہے اس پر انہوں نے ایک شخص کی مدد سے ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور اس کے بعد اس کو برابر پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ وہ ان میں دب گیا۔ (البدایہ ص ۳۰۹ ج ۳) اور الروض الأنف میں ہے کہ اس کو ایک لکڑی سے گڑھے میں ڈال دیا پھر اس پر پتھر برسا دئے گئے۔ مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ابولہب کو اسی پر ڈال دیا گیا تھا اور یہ پہاڑ "جبل ابولہب" کے نام سے معروف ہے۔ روح المعانی میں (بلا حوالہ) یہ بات لکھی ہے کہ ابولہب کی بیوی کی موت اس طرح ہوئی کہ جس رسّی میں وہ لکڑیوں کی گڈی باندھ کر لا رہی تھی اسی سے اس کا گلا گھُٹ گیا جو اس کی موت کا سبب بن گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

واقعۂ معراج کی تفصیل

مُشاہدات، اسرار و حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خاتم النّبیین سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کا ایک اہم ترین جُزء معراج شریف کا واقعہ بھی ہے۔

قرآنِ مجید میں اجمالی طور پر اسراء کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو
لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ	رات میں مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر
اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ	کرایا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں
بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ	تاکہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں، بے شک
اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ○ (۱)	اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

یہ سورۃ الاسراء کی پہلی آیت ہے، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اور سورۃ النجم کی آیت عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَہٰی ○ عِنۡدَہَا جَنَّۃُ الۡمَاۡوٰی ؕ اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰی ۙ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی ○ (۱۴ تا ۱۸) میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات ملاحظہ فرمائیں۔

مسجدِ حرام[1] اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اور بعض مرتبہ حرم مکہ پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ:

اِلَّا الَّذِیۡنَ عٰہَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ۚ [2]

[1] لفظ حرام محترم کے معنی میں ہے ۱۲ منہ۔ [2] سورۃ التوبۃ آیت ۷۔

معراج شریف کا واقعہ تقریباً پچیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جن میں حضرت انس بن مالک، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابوسعید خدری، حضرت شداد بن اوس، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں۔ معراج شریف کا عظیم واقعہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزات میں سے ہے، کس سن میں پیش آیا اس بارے میں اصحاب سِیَر کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بعثت کے بعد دس سال گزر جانے کے بعد معراج کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ حضرت ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے سے ایک سال پہلے معراج ہوئی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے معراج کا واقعہ پیش آیا، یہ سب اقوال حافظ کثیر نے البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۰۸ ج ۳ میں لکھے ہیں۔ شارح بخاری علامہ کرمانیؒ نے اور شارح مسلم علامہ نوویؒ نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ بعثت کے پانچویں سال معراج ہوئی۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے۔ اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تشریف لے جانے کا ذکر ہے، اہلِ سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالتِ بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

حدیث شریف کی کتابوں میں واقعہ معراج تفصیل سے مذکور ہے۔ معراج کو اسراء بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر تشریف لے جانے کے بارے میں ثم عرج بی فرمایا ہے، اس لئے اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات نقل کرتے ہیں، ان میں سے پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا، اور پھر عالم بالا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا، اس لئے بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

بُراق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی امامت کرنا

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا، اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا، میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا، جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرئیل میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے، میں نے دودھ کو لے لیا، اس پر جبرئیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا، پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور دوسرے پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور یحییٰ علیہ السلام اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا، اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، ان کے بارے میں آپ نے بتایا کہ وہ البیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اُس میں لوٹ کر نہیں آتے پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا، اللہ کی کسی بھی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حُسن کو بیان کر سکے[1]۔ اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ

[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ (مسلم ص ۷، ج ۱)

نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا تھا، اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا۔ میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا، آپ کے رب نے آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں، انہوں نے کہا کہ واپس جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں آپ نے فرمایا میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا، اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت پر تخفیف فرما دیجئے، چنانچہ پانچ نمازیں کم فرما دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کردی گئی ہیں، انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، آپ اپنے رب سے رجوع کیجئے اور تخفیف کا سوال کیجئے، آپ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہوتا رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا، کبھی بارگاہِ الٰہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمدؐ! یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کے بدلہ دس نمازوں کا ثواب ملے گا، لہٰذا یہ (ثواب میں) پچاس نمازیں ہی ہیں، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا، پھر اسے نہ کرے گا تو اس کیلئے (محض ارادہ کی وجہ سے ایک نیکی لکھ دی جائیگی اور جس شخص نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کرلیا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی بُرائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائیگا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کرلیا تو ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا، اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں بات بتا دی تو انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ، اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو، میں نے کہا کہ میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے شرم آگئی۔[۱]

صحیح مسلم صفحہ ۹۶ ج ۱ میں بروایت ابوہریرہؓ کے یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کی امامت کی، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ

---

[۱] صحیح مسلم ص ۹۱ ج ۱۔

اے محمد! یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجئے، میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کرلیا (یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا، آسمانوں پر تشریف لے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے)۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر صفحہ ۶ ج ۳ میں حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت جو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے، ایک اذان دینے والے نے اذان دی، اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا، جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا، اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھادی، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاء علیہم السلام سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعارف نہیں ہوا تھا اس لئے یوں فرمادیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے)۔[1]

صحیح بخاری میں واقعۂ معراج کی تفصیل

صحیح بخاری میں واقعۂ معراج بروایت حضرت انس بن مالکؓ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انسؓ نے بواسطہ حضرت ابوذرؓ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاریؓ بیان کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے کچھ جاگ رہا ہوں، کچھ سو رہا ہوں، میرے پاس تین آدمی آئے۔ میرے

[1] فی مجمع الزوائد ص ۴، ج ۱ بیت المقدس فربطت الدابۃ بالحلقۃ التی تربط بھا الانبیاء ثم دخلنا المسجد فنشرت لی الأنبیاء من سمی اللہ ومن لم یسم فصلیت بھم اھ۔

پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پُر تھا، میرا سینہ چاک کیا گیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایا لایا گیا وہ قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا، یہ چوپایا براق تھا۔

آسمانوں پر تشریف لے جانا، اور آپ کے لئے دروازہ کھولا جانا، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقات فرمانا، اور ان کا مرحبا کہنا

میں جبرئیلؑ کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک پہنچ گیا، حضرت جبرئیلؑ نے آسمانوں کے خازن سے کہا کہ کھولئے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے جبرئیلؑ نے جواب دیا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس نے دریافت کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے! اس پر اس نے مرحبا کہا، اور دروازہ کھول دیا گیا، اور کہا گیا کہ ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے فرمایا: مرحبا من ابن ونبی (بیٹے اور نبی کے لئے مرحبا ہے) پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے، وہاں بھی جبرئیلؑ سے اس طرح کا سوال جواب ہوا، جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اوپر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا۔ ان کے الفاظ یوں تھے مرحبابك من أخ ونبی (مرحبا ہو بھائی کے لئے اور نبی کے لئے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں جبرئیلؑ سے وہی سوال وجواب ہوا جو پہلے آسمانوں میں داخل ہونے پر ہوا۔ وہاں یوسف علیہ السلام کو پایا، میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبابك من أخ ونبی کہا، پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے، وہاں بھی جبرئیلؑ سے حسبِ سابق سوال جواب ہوا، دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے، وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا[1]، میں نے

---

[1] اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ان کو سلام کیا۔ انہوں نے بھی وہی کہا مرحبا بك من أخ ونبي پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی جبرئیلؑ سے حسبِ سابق سوال جواب ہوا دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں ہارون علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بك من أخ ونبي کہا۔ پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسبِ سابق جبرئیلؑ سے سوال جواب ہوئے جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے بھی مرحبا بك من أخ ونبي کہا جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا، اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے (دوسری روایت میں ہے کہ اسکی امت کے داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے) پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام سے حسبِ سابق سوال جواب ہوا، جب دروازہ کھل گیا تو ہم اوپر پہنچے، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے فرمایا مرحبا بك من ابن ونبي (حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرحبا بك من ابن ونبي اس لئے فرمایا کیونکہ آپ ان کی نسل میں تھے باقی حضرات نے مرحبا بك من أخ ونبي فرمایا)۔

البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا

اس کے بعد بیت المعمور میرے سامنے کر دیا گیا۔ میں نے جبرئیلؑ سے سوال کیا یہ کیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی جتنی بھی نسل چلی تھی وہ سب حضرت نوح علیہ السلام سے ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے لہٰذا انہیں بھی مرحبا بك من ابن ونبي کہنا چاہیئے تھا۔ اگر اہلِ تاریخ کی یہ بات صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اخوت کا ذکر مناسب جانا کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عہدۂ نبوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں اور تلطفاً وتادباً ابن کہنا مناسب نہ جانا (کذا فی حاشیۃ البخاری ص ۵۵۴ عن الکرمانی)

انہوں نے جواب دیا کہ یہ البیت المعمور ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو کبھی بھی واپس نہیں ہوتے پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے بیر ہجر[1] کے مٹکوں کے برابر ہیں اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں، دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں۔ میں نے جبرئیل ؑ سے دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں[2] (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)۔

پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنا اور پانچ نمازیں رہ جانا

اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، میں واپس آیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا انہوں نے دریافت کیا (کہ اپنی امت کے لئے) آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا: مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں، بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے بڑی محنت کی ہے (وہ لوگ مفروضہ نمازوں کا اہتمام نہ کر سکے) بلاشبہ آپ کی امت کو اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ ہوگی، جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے۔ میں واپس لوٹا اور اللہ جل شانہٗ سے تخفیف کا سوال کیا، تو

---

[1] ہجر ایک جگہ تھی جہاں بڑے بڑے مٹکے بنائے جاتے تھے۔

[2] یہ دو نہریں جو اندر کو جا رہی تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ موقع جہاں سے کوثر و نہر رحمت کا اس سے انشعاب ہوا ہے یہ سب سدرہ کی دوسری جڑ میں ہوں اور نیل و فرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں جو نیل و فرات ہیں ظاہر ہے کہ بارش کا پانی جذب ہو کر پتھر سے جاری ہوتا ہے اور بارش آسمان سے ہے سو جو حصہ بارش کا نیل و فرات کا مادہ ہے ممکن ہے کہ وہ حصہ آسمان سے آتا ہو پس اس طور پر نیل و فرات کی اصل آسمان پر ہوئی (ذکرہ فی نشر الطیب و راجع تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ج ۳)

اللہ نے چالیس نمازیں باقی رکھیں، موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی، میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا تو تیس (۳۰) نمازیں باقی رہ گئیں، موسیٰ علیہ السلام نے پھر توجہ دلائی تو تخفیف کا سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس نمازیں کر دی گئیں، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کی بات کہی تو درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نمازیں کر دی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی، میرے درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رہنے دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں پھر وہی بات کہی، میں نے کہا میں نے تسلیم کر لیا (اب درخواست نہیں کرتا) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی کہ میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا، اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی، اور میں ایک نیکی کا بدلہ دس بنا کر دیتا ہوں (لہٰذا ادا کرنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہی رہیں)۔

یہ روایت صحیح بخاری میں صفحہ ۵۵۴ پر ہے اور صحیح بخاری میں صفحہ ۴۷۱ پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ ابوذر رضی اللہ عنہ جو معراج کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے تذکرہ کے بعد یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے جبرئیلؑ اوراوپر لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پر پہنچ گیا جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں[1]۔ اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہونے اور اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے اور بارگاہِ الٰہی میں بار بار سوال کرنے پر پانچ نمازیں باقی رہ جانے کا ذکر ہے اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لایبدل القول لدی" کہ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی (پچاس نمازیں فرض کر دیں تو پچاس ہی کا ثواب ملے گا) اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں فرمایا کہ اسے ایسے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا، پھر میں جنت میں داخل کر دیا گیا، وہاں دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے۔

صفحہ ۵۴۸ پر بھی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ معراج ذکر کی ہے، وہاں

---

[1] فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافذ فرمودہ فیصلے لکھ رہے تھے یا جو کچھ لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے یہ ان کے لکھنے کی آوازیں تھیں۔ ذکرہ النووی فی شرح المسلم ص ۹۳ ج ۱۔

بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بتوسط حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اس میں البیت المعمور کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ پھر میرے پاس ایک برتن شراب اور اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا میں نے دودھ لے لیا جس پر جبرئیل نے کہا یہی وہ فطرت ہے یعنی دینِ اسلام ہے جس پر آپ ہیں اور آپ کی اُمت ہے، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کرانے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا: سألت ربی حتی استحییت ولکنی أرضی وأسلم (میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ شرما گیا اب تو میں راضی ہوتا ہوں تسلیم کرتا ہوں) (انتہت روایۃ البخاری)

نمازوں کے علاوہ دیگر دوانعام

معراج کی رات میں جو نمازوں کا انعام ملا اور پانچ نمازیں پڑھنے پر بھی پچاس نمازوں کا ثواب دینے کا اللہ جل شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی انعام فرمایا کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک) عنایت فرمائیں اور ساتھ ہی اس قانون کا بھی اعلان فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو شرک نہ کرتے ہوں (مسلم ص ۹۷ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہ رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہو جائیں گے یا عذاب بُھگت کر چھٹکارا ہو جائے گا۔ (قالہ النووی) کافر اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

"معراج میں دیدارِ الٰہی"

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں، اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی یا رویت قلبی تھی، یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔ جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک

یہی قول راجح اور حق ہے۔

حضرت عائشہؓ رؤیت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ رؤیت کو ثابت کرتے تھے اور مانتے تھے، جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

والاصل فی الباب حدیث ابن عباس حبر الامة والمرجوع الیه المعضلات وقد راجعه ابن عمر فی هذه المسئلة، هل رأی محمد صلی الله علیه وسلم ربه فاخبره انه رآه ولا یقدح فی هٰذا حدیث عائشة فان عائشة لم تخبر انها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول لم أر ربی وانما ذکرت ما ذکرت متاولة لقول الله تعالےٰ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا" ولقول الله تعالےٰ" "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" والصحابی اذا قال قولاً وخالفه غیره منهم لم یکن قوله حجة، واذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرؤیة وجب المصیر الی اثباتها فانها لیست مما یدرک بالعقل ویوخذ بالظن و انما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احدٌ أن یظن بابن عباس رضی الله عنه أنه تکلم فی هذه المسئلة بالظن والاجتهاد قلت لم أجد التصریح من ابن عباس أنه رأی ربه تعالیٰ بعینی راسه، وروی مسلم عنه أنه رآه بقلبه وفی روایة رواه بفواده مرتین، والعلم عند الله العلیم۔

سورۃ النجم میں جو ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ○ آیا ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان میں جبرئیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ نے ان کو اصل صورت میں اور اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے انہوں نے اُفق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی فرماتے تھے کہ فَكَانَ قَابَ

قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی اور لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے[1]

قریش کی تکذیب اور ان پر حجّت قائم ہونا

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آجانا ایک ہی رات میں ہوا، واپس ہوتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو شام سے واپس آرہا تھا، صبح کو جب آپ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے رات کو اس اس طرح سفر کیا، پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آگئے حضرت ابوبکرؓ نے اول تو یوں کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو (انہوں نے ایسا نہیں کہا) قسم کھا کر کہا کہ واقعی وہ اپنے بارے میں یہ بیان دے رہے ہیں، اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا إن کان قاله فقد صدق کہ اگر انہوں نے یہ بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو، انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب صدیق پڑ گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ص ٣٦٠ ج ٢، البدایۃ والنہایۃ)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپؐ کے سامنے پیش فرمادیا

قریش مکہ تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس انہوں نے دیکھا ہوا تھا، کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت المقدس گئے تھے، اس کو دیکھا ہے، اس میں نماز پڑھی ہے، تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیزیں کیسی ہیں؟ (یعنی اس کے ستون دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا) اس وقت آپ حطیم میں تشریف

[1] صحیح مسلم مع شرح الامام النووی ص ٩٧ و ٩٨ ج ١

رکھتے تھے، آپ نے فرمایا: ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی کہ اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی، میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب اچھی طرح اس کی ہر ہر چیز کو محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) اللہ جل شانہٗ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھا دیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے تھے میں ان سب کا جواب دیتا رہا (صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۱)

بعض روایات میں یوں ہے فجلّی اللہ لی بیت المقدس فطفقت أخبرھم عن آیاتہ وأنا أنظر إلیہ (اللہ نے بیت المقدس کو میرے لئے واضح طریقے پر روشن فرما دیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیاں پوچھ رہے تھے وہ میں انہیں بتاتا رہا)۔

(صحیح بخاری ص ۵۴۸ ج ۱)

تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۳ میں ہے کہ جب آپؐ نے بیت المقدس کی علامات سب بتا دیں تو وہ لوگ جو آپ کی بات میں شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کر رہے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا۔ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا، پھر جب میں واپس آ رہا تھا تو مقام ضجنان میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں، ایک برتن میں پانی تھا جسے انہوں نے کسی چیز سے ڈھانک رکھا تھا میں نے اس کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھکا ہوا تھا (اہل عرب دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ پر اعتراض نہیں کرتے تھے ایسی چیزیں بلا اجازت استعمال میں لانا ان کے ہاں رواج پذیر تھا۔ اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ نے مزید فرمایا کہ وہ قافلہ ابھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے، ان کے آگے آگے ایک چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے، اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں، ایک سیاہ رنگ کا، اور دوسرا سفید رنگ کا ہے، یہ بات سن کر

وہ لوگ جلدی جلدی تنعیم کی گھاٹی کی طرف چل دئے، وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آرہا ہے اور اس کے آگے وہی اونٹ ہے جب اس قافلے پر گذرنے کی تصدیق ہوئی تو ان لوگوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا انہوں نے کہا کہ ہاں، ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا، پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے پھر قافلہ والوں سے سوال کیا گیا کہ کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، ہمارا ایک اونٹ بدک کر چلا گیا تھا، ہم نے ایک آدمی کی آواز سُنی جو ہمیں بلا رہا تھا یہ تمہارا اونٹ ہے، یہ آواز سُن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا، اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز ہے [1]

ہرقل قیصرِ روم کے سامنے ایک پادری کی گواہی

۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے ہیں ان میں ایک ہرقل کے نام بھی تھا جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ شام اس وقت اس کے زیرِنگیں تھا، وہ شام آیا ہوا تھا، ادھر سے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا والا نامہ لے کر شام پہنچے اور وہ بصرہ کے گورنر کو دے دیا، اس نے ہرقل کو پہنچا دیا، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ قریش مکّہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے ملک شام پہنچا ہوا تھا، ہرقل نے کہا کہ دیکھو کچھ عرب کے لوگ آئے ہوئے ہوں تو انہیں بلاؤ تاکہ میں ان سے ان صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کروں، جنہوں نے میرے پاس خط لکھا ہے، چنانچہ یہ لوگ ہرقل کے دربار میں حاضر کئے گئے، ہرقل نے پوچھا تم میں ان صاحب سے زیادہ قریب تر کون ہے جو اپنے کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ ابوسفیان بھی تاجروں کے قافلہ میں تھے ابوسفیان نے کہا کہ میں قریب تر ہوں۔ ہرقل نے ابوسفیان سے کہا کہ دیکھو میں تم سے سوال کروں گا صحیح جواب دینا۔ ابوسفیان اس وقت مسلمان نہیں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے، انہوں نے چاہا کہ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۴ ج ۳، البدایۃ والنہایۃ ص ۱۱۰ ج ۳۔

کوئی ایسی بات کہدیں جس سے آپؐ کی حیثیت گرجائے، اور آپؐ کے دعوائے نبوت میں وہ آپ کو سچا نہ سمجھے[1]

بہت ہی سوچ بچار کے بعد ابوسفیان نے یہ بات نکالی کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں مکّہ کی سرزمین سے ایک ہی رات میں آیا اور بیت المقدس پہنچا، اور پھر اسی رات میں صبح ہونے سے پہلے واپس مکّہ پہنچ گیا (ابوسفیان کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کی وجہ سے قیصر آپ کے بارے میں ضرور ہی بدگمان ہوجائے گا، لیکن ہوا یہ کہ) وہاں قیصر کے پاس نصرانیوں کا ایک پادری کھڑا ہوا تھا، ابوسفیان کی بات سُن کر وہ پادری بولا کہ ہاں مجھے اس بات کا علم ہے (جس میں ایسا واقعہ ہوا ہے کہ وہاں بعض حضرات آئے اور انہوں نے نماز پڑھی) قیصر نے اس کی طرف دیکھا اور دریافت کیا کہ تجھے اس کا کیا پتہ ہے؟ اس پادری نے کہا کہ میں روزانہ رات کو مسجد کے دروازے بند کر کے سوتا تھا مذکورہ رات میں جب میں نے سارے دروازے بند کردے لیکن ایک دروازہ بند نہ ہوسکا۔ اس وقت وہاں جو لوگ موجود تھے میں نے ان سے مدد لی اور ہم سب نے اسے حرکت دینے کی کوشش کی لیکن ہم اسے حرکت نہ دے سکے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم کسی پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا رہے ہیں، اس پادری نے بتایا میں دو باب کھلے ہوئے چھوڑ آیا اور جب صبح کو واپس آیا تو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں پتھر کے اندر ایک سوراخ ہے، اور اس میں ایک جانور کے باندھنے کا نشان ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ آج اس لئے کُھلا رکھا گیا ہے کہ یہاں کسی نبی کی آمد ہوئی ہے اور اس نے ہماری اس مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۴ ج ۳)

سفرِ معراج کے بعض مشاہدات

معراج کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروحِ حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں۔ جن کو امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ جلد دوم میں اور حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد سلیمان المغربی الردانی نے جمع الفوائد

[1] یہاں تک توضیح بخاری ص ۴ ج ۱ میں مذکور ہے۔

جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے۔

عالم علوی میں جو چیزیں ملاحظہ فرمائیں، روایات سابقہ میں ان میں سے بہت سی ذکر کر دی گئیں ہیں۔ اب عالم سفلی کے بعض مشاہدات ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔[1]

ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے

حضرت انسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپؐ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ کی امت کے خطیب ہیں، جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر خود عامل نہیں، اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔[2]

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گذرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے کہا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ

---

[1] صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸۔

ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

سُود خوروں کی بدحالی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے (جیسے انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آرہے تھے میں نے کہا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔[1]

فرشتوں کا پچھنا لگانے کے لئے تاکید کرنا

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے، انہوں نے کہا کہ آپؐ اپنی امت کو حجامت یعنی پچھنے لگانے کا حکم دیجئے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۹ از ترمذی وابن ماجہ)

عرب میں پچھنے لگانے کا بہت رواج تھا، اس سے زائد خون اور فاسد خون نکل جاتا ہے، بلڈ پریشر کا مرض جو عام ہو گیا ہے اس کا بہت اچھا علاج ہے، لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں اور اپنے مونڈوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے (حوالہ بالا)

مُجاہدین کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل کے ساتھ چلے تو آپؐ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا کہ جو ایک ہی دم میں تخم ریزی بھی کر لیتے ہیں اور

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶۔

ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں، اور کاٹنے کے بعد پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی، آپؐ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے

پھر آپؐ کا ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، کچلے جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے، اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا، آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز سے کاہلی کرنے والے ہیں، سوتے ہوئے رہ جاتے ہیں۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی

پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا کہ جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں، اور اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں، اور ضریع[1] اور زقوم یعنی کانٹے دار اور خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سڑا ہوا گوشت کھانے والے لوگ

پھر آپؐ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے، اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے، یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں، اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپؐ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپؐ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ

---

[1] ضریع آگ کے کانٹے، اور زقوم دوزخ کا بدترین بدبو دار درخت۔ ۱۲

ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے، اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار شخص کے ساتھ رات گزارتی ہے۔

لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھانے والا

پھر ایک شخص پر آپؐ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھڑ ہے وہ اسے اُٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں، ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا، اور مزید امانتوں کا بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

ایک بیل کا چھوٹے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد ایسے سُوراخ پر گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا، بیل چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اسی میں داخل ہو جائے، آپؐ نے سوال فرمایا کہ یہ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی بڑا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنّت کی خوشبو

پھر آپ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آرہی تھی اور مشک کی خوشبو تھی اور آواز بھی تھی، آپؐ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب! جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں وہ لائیے، اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

دوزخ کی آواز سننا

اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا، وہاں صوتِ منکر یعنی ایسی آواز سنی جو ناگوار تھی

آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ جہنم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آئیے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے[1]۔

ایک شیطان کا پیچھے لگنا

موطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو سیر کرائی گئی تو آپ نے جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لئے ہوئے آپ کا پیچھا کر رہا تھا، آپ جب بھی (دائیں بائیں) التفات فرماتے وہ نظر پڑجاتا تھا، جبرئیل نے عرض کیا: کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں کہ ان کو آپ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے گا اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپ نے فرمایا کہ بتا دو اس پر جبرئیل نے کہا کہ یہ کلمات پڑھیں:۔

أعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات اللاتي لايجاوزهن بر ولا فاجر، من شر ماينزل من السماء، وشر مايعرج فيها، و شر ماذرأ في الارض، وشر مايخرج منها، ومن فتن الليل والنهار، ومن طوارق الليل والنهار، الاطارقا يطرق بخير يارحمٰن۔

فوائد و اسرار حکم متعلقہ واقعہ معراج شریف

شانِ عَبدِیت آیتِ کریمہ کو لفظ سُبْحَانَ الَّذِیْ سے شروع فرمایا ہے اس میں ان کم فہموں کے خیال و گمان کی تردید کی ہے جو اس واقعہ کو محال اور ممتنع سمجھتے تھے اور اب بھی بعض جاہل ایسا خیال کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ میں شک کرتے ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو سب کچھ قدرت ہے، وہ کسی بھی چیز سے عاجز نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے، وہ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے، اس کی

[1] انتهت رواية ابی ہریرة من جمع الفوائد ص ۱۵۱ ج ۳ طبع مدینہ منورة۔

قدرت کاملہ ہے، کوئی چیز اس کے لئے بھاری نہیں۔

اور اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ جو فرمایا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت کو بیان فرمایا، عبدیت بہت بڑا مقام ہے اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنالیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ أحب الأسماء الی الله عبد الله وعبد الرحمٰن، کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹)

ایک مرتبہ ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا، اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر تم چاہو عبدیت والے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو بادشاہت والے نبی بن جاؤ، آپ نے مشورہ لینے کے لئے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا، آپ نے جواب دیا کہ میں عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ (جو حدیث کی راویہ ہیں انہوں) نے بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۱، از شرح السنّۃ)

واقعۂ اسراء کو بیان کرتے ہوئے لفظ "عبدہ" لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سُن کر کسی کو وہم نہ ہوجائے کہ آپ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی، اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کرلے کہ مقام عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت میں شریک قرار دے دے اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی شان میں غلو کرکے گمراہ ہوئے، اس طرح کی کوئی گمراہی اُمّتِ محمّدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں نہ آجائے۔

مَسجدِ اقصیٰ

قرآنِ مجید میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی۔

مسجدِ اقصیٰ "مسجد بیت المقدس" کا نام ہے جو شام میں ہے، لفظ اقصیٰ البعید یعنی زیادہ دور والی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے، مسجدِ اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے بارے

یں کئی قول ہیں۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں: چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لئے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی، اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے، ان میں وہ سب سے زیادہ دُور ہے۔ (کوئی شخص مسجدِ حرام سے روانہ ہو تو پہلے مدینہ منوّرہ سے گزرے گا، پھر بہت دن کے بعد مسجدِ اقصیٰ پہنچے گا، جب اونٹوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ اس لئے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے۔ (روح المعانی ص ۹ ج ۱۵)

مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے، یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء کرامؑ کی عبادت گاہ ہے، اور ان حضرات کا قبلہ ہے، اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور چاروں طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام مدفون ہیں۔ اور دنیاوی اعتبار سے اس لئے بابرکت ہے کہ وہاں پر انہار اور اشجار بہت ہیں۔

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائبِ قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لمبا سفر ہو جانا، اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقاتیں ہونا انکی امامت کرنا، اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا، یہ عجائبِ قدرت میں سے تھا۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بلاشبہ اللہ سُننے والا دیکھنے والا ہے)

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ السمیع فرما کر یہ بتایا کہ اللہ دُعاؤں کا سننے والا ہے، اور البصیر فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور رات کی تاریکیوں میں حفاظت کرنے والا ہے۔

براق کیا تھا اور کیسا تھا؟

لفظ براق، بریق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ برق سے لیا گیا ہے برق بجلی کو کہتے ہیں اس کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے، اسی

تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا ہے۔ روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سوار ہوتے تھے، امام بیہقی نے دلائل النبوہ صفحہ ۳۹۰ ج ۲ میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: وکانت الانبیاء ترکبه قبلی (اور حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں)۔

براق کی شوخی اور اس کی وجہ

سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میرے پاس بُراق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی، اور زین کسی ہوئی تھی، بُراق شوخی کرنے لگا، جبرئیل نے کہا کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمد (علیہ السلام) سے زیادہ مکرم اور معزز ہو، یہ سنتے ہی بُراق پسینہ پسینہ ہوگیا (پھر اس نے اپنا نافرمانی کا انداز چھوڑ دیا)۔ قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب۔

دلائل النبوۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر گھما دیا، پھر مجھے اس پر سوار کرا دیا [1]

بعض روایات میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے پتھر میں سوراخ کر دیا پھر اس سوراخ سے آپ نے بُراق کو باندھا (ابن کثیر)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانۂ فترت میں (یعنی اس عرصۂ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر چمکنے لگا۔[2]

---

[1] دلائل النبوۃ ص ۳۵۵ ج ۲۔ [2] فتح الباری ص ۲۰۷ ج ۷۔

اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخر الانبیاء اور افضل الانبیاء سوار ہو رہے ہیں[1]۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں[2]۔

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرا سکتا ہے لیکن آپ کو تشریفاً و اکراماً براق پر سوار کر کے لے جایا گیا، اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدل سفر ہوتا کیونکہ سوار بہ نسبت پیدل چلنے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لئے آپ کو سواری پر سفر کرایا گیا ہے[3]۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعہ آسمانوں پر جانا

جب مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کے لئے روانگی ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ براق پر سوار ہو گئے آپ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر کے آگے سوار ہوئے[4]۔ دونوں حضرات براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے، وہاں دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی، جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوبصورت تھا، اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے کا اور ایک چاندی کا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا عالم بالا کا سفر کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں زینہ کے ذریعہ آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا[5]۔

بابُ الحفظہ پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظہ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے

---

[1] فتح الباری ص ۲۰۷ ج ۷، [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۲، [3] فتح الباری ص ۲۰۶ ج ۷، [4] ایضاً ص ۲۰۸ ج ۷، [5] ایضاً ص ۲۰۷ تا ۲۰۹ ج ۷

ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں، جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا ھُوَ[۱] (مدثر۲۹)

پہلے آسمان پر داروغۂ جہنّم سے ملاقات ہونا اور جہنّم کا ملاحظہ کرنا

جب آپ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہنستے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لئے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت آپ کے سامنے اسے ہنسی آجاتی یہ فرشتہ ہنستا ہی نہیں ہے، آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا اس فرشتہ سے کہئے کہ مجھے دوزخ دکھائے، جبرئیل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ یا مالک أَرِ مُحَمَّدًا النَّارَ (اے مالک محمّد کو دوزخ دکھادو) اس پر اس فرشتہ نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی اوپر اُٹھ آئی۔ آپ نے فرمایا: اے جبرئیل! اس کو کہئے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کر دے، چنانچہ جبرئیل نے اس فرشتہ سے کہا کہ اس کو واپس کر دو، فرشتہ نے اسے واپس ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا۔

آسمانوں کے محافظین نے حضرت جبرئیل سے یہ سوال کیوں کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب دروازہ کھلوایا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ

[۱] فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۷، وسیرت ابن ہشام۔

محمد (علیہ السلام) ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیلؑ جواب دیتے ہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے اس پر دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوال کیوں کئے؟ کیا جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں گے جسے اوپر بلایا نہ گیا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بڑھانے کے لئے اور خوشی ظاہر کرنے کے لئے یہ سوال جواب ہوا، اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل جائے کہ آپ کا اسمِ گرامی ملاءِ اعلیٰ میں معروف ہے۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ تو حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ محمدؐ ہیں اگر وہ آپ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں؟ اسی سے پہلے سے دروازہ نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے اس طریقہ پر آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قاصد بھیج کر بلایا گیا ہو۔ جہاں اکثر مہمان آتے ہوں اور بارہا آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر مہمان کے لئے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد، اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا اور ایشیا والا افریقہ چلا گیا یعنی خاکی انسان خاک ہی پر گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سمٰوات سے گزرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا جہاں اس چہیتے مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ بقدرِ کمالہٖ وجمالہٖ۔ چونکہ انسانوں میں سے کوئی وہاں نہیں جاتا اور وہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے کہ وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے

جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا ہے اور جس کے لئے آج وہ دروازے کھولے جا رہے ہیں جو کبھی کسی کے لئے نہیں کھولے گئے درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لئے بھی کھلے رہے ہوں (قال ابن المنیر حکمته التحقیق ان السماء لم تفتح إلا من أجله بخلاف مالو وجده مفتوحاً[1])

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے سوال و جواب ہوا، اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہوگیا پہلے سب نے مہمان کا نام سُنا پھر زیارت کی۔ مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہوگیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العالمین کی حاضری کے لئے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصدِ اعلیٰ نہ تھا اس لئے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا ملاء اعلیٰ کے ساکنین متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے رہے، دنیا میں استقبال کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیشِ نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے، لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالمِ بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آنِ واحد میں ہزاروں میل کا سفر کرکے جمع ہوسکتے ہیں۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے بھنک پڑی سب حاضر ہوگئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

دُودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ کا دُودھ کو لے لینا

صحیح مسلم میں جو صفحہ ۹۱ پر روایت نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، صحیح مسلم کی دوسری روایت جو صفحہ ۹۵ ج ۲ پر مذکور ہے۔ جس کے راوی

---

[1] فتح الباری ص ۳۶۱ ج ۱۔

حضرت ابوہریرہؓ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالم بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپؐ نے دُودھ لے لیا۔ اور حضرت امام بخاری کی روایت میں ہے کہ بیت المعمور سامنے کئے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب، ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا، بیت المقدس میں بھی پینے کے لئے چیزیں پیش کی گئی ہوں، اور پھر عالم بالا میں حاضرِ خدمت کی گئی ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ دوبارہ پیش کئے جانے میں عقلاً نقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے۔ صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں، بعض مرتبہ بعض راویوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے جسے دوسرا ذکر کر دیتا ہے۔ ومع ذالک المثبت مقدم علیٰ من لم یحفظ۔ صحیح مسلم کی روایت صفحہ ۹۱ پر یہ بھی ہے کہ جب آپؐ نے دودھ لیا تو حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اگر شراب لے لیتے تو آپؐ کی امت گمراہ ہو جاتی اس سے معلوم ہوا کہ قائد اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے[1]۔

---

[1] فتح الباری صفحہ ۲۱۵ ج ۷ میں علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ دودھ کے بارے میں جو ھی الفطرۃ التی انت علیہا فرمایا ممکن ہے کہ یہ اسی وجہ سے ہو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ میں دودھ داخل ہوتا ہے اور وہی اس کی آنتوں کو پھیلا دیتا ہے (اور ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لہٰذا فطری طور پر فطرت اسلام اور بچہ کی ابتدائی غذا میں ایک مناسبت ہوئی اس لئے فطرت سے دین اسلام مراد لیا) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے (جو برتن پیش کئے گئے وہ) چار تھے دودھ، شہد اور خمر، اور پانی۔ کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیریں شہد جیسا ہو کبھی اس کو شہد کہہ دیا ہو کبھی پانی اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی ہے مگر سامان نشاط ضرور ہے اس لئے مشابہ دنیا کے ہے۔ شہد بھی اکثر تلذذ کے لئے پیا جاتا ہے غذا کے لئے نہیں تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا، اور پانی بھی معین غذا ہے، غذا نہیں، جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں، اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے۔

(کذا فی نشر الطیب دراجع فتح الباری صفحہ ۲۱۵ ج ۷)

سِدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

روایاتِ حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں وارد ہوا ہے۔

لفظ "سدرہ" عربی زبان میں بیر کو کہتے ہیں اور "المنتہیٰ" کا معنی ہے انتہا ہونے کی جگہ۔ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا؟ اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اسی پر منتہیٰ ہو جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اُٹھائے جاتے ہیں) پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حُسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی شخص بیان نہیں کر سکتا، اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کے پروانے چھائے ہوئے تھے[1]۔ اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چل سکتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کے سایہ میں سو سوار سایہ لے سکتے ہیں[2]۔

قال النووی رحمہ اللہ قال ابن العباس والمفسرون وغیرہم سمیت سدرۃ المنتہیٰ لان علم الملائکۃ ینتھی الیھا ولم یجاوزھا احد الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحکی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انما سمیت بذلک لکونھا ینتھی الیھا ما یھبط من فوقھا وما یصعد من تحتھا من امر اللہ تعالیٰ[3]

---

[1] صحیح مسلم ص ۹۷ ج ۱ عن ابن مسعود مرفوعاً۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۸، از ترمذی۔

[3] صحیح مسلم ص ۹۲ ج ۱۔

جنّت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ کرنا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں جبکہ میں جنت میں چل رہا تھا، اچانک میں ایک ایسی نہر پر ہوں جسکے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبّے ہیں جو بیچ میں سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے، جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے، میں نے جو دھیان کیا تو کیا دیکھتا ہوں اس میں جو مٹی ہے (جس کی سطح پر پانی ہے) وہ خوب تیز خوشبو والا مشک ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کی ملاقات روحانی تھی یا اجسام کے ساتھ تھی

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبوروں میں زندہ ہیں، حضور پُرنور کا انبیاء کرام کا بیت المقدس اور آسمانوں میں دیکھنا اس سے یا تو ان کی ارواح مُبارکہ کو دیکھنا مراد ہے یا مع اجسام عنصریہ کے دیکھنا مراد ہے کہ حضور کے اعزاز و اکرام کے لئے انبیاء کرام کو مع اجسام عنصریّہ کے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں میں مدعو کیا گیا چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبوروں میں جسموں کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ حرم الارض اجسام الأنبياء (بلاشبہ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔ وہ ان کے جسموں کو کھا نہیں سکتیں) اور احوالِ برزخ کو احوالِ دنیا پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا لہٰذا کوئی بعید نہیں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کو آپ نے ان کے اجسام عنصریہ کے ساتھ موجود پایا اور انہیں نماز پڑھائی پھر آسمانوں میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے جن سے بھی ملاقات کی وہ وہاں اپنے جسموں کے ساتھ موجود تھے۔

اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام تو قبور ہی میں رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو اجسام مثالیہ دے کر متمثل فرما دیا، اور اسی حال میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی، اور پھر اوپر آسمانوں میں ملاقاتیں ہوئیں، البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ زندہ ہی اُٹھا لئے گئے تھے اور ابھی ان کا دنیا میں آنا اور وفات پانا باقی ہے، اس لئے ان سے جو ملاقات ہوئی وہ اسی جسم کے ساتھ ہوئی جو دنیا میں ان کا جسم تھا اور چونکہ یہ ملاقات ان کی وفات سے پہلے ہے اس لئے ان کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے[1]

آسمانوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام سے جو ملاقاتیں ہوئیں ان کی ترتیب کے بارے میں کیا حکمت ہے؟

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی، پھر ان حضرات سے جس جس سے اوپر ملاقات کرائی تھی وہ لوگ آپ سے پہلے آسمانوں میں پہنچ چکے تھے۔ ان میں جن حضرات سے آپ کی ملاقات ہوئی ان میں پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پھر اوپر تشریف لے جاتے رہے اور دوسرے آسمانوں میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ ان ملاقاتوں کی ترتیب کے بارے میں بعض حضرات نے حکمت بتائی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات میں یہ بتانا تھا کہ جیسے وہ جنت سے نکالے گئے جو اس وقت ان کا وطن مالوف تھا۔ اسی طرح آپ کو بھی مکہ معظمہ سے مدینے کے لئے ہجرت کا موقع آئے گا (مشہور قول کے مطابق چونکہ واقعۂ معراج ہجرت مدینہ منورہ سے کچھ ہی عرصہ پہلے پیش آیا تھا اس لئے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی)۔

حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے دوسرے آسمان میں ملاقات ہوئی اس میں یہ بتایا کہ ہجرت کے بعد شروع ہی میں یہودی دشمنی کریں گے اور ان کی سرکشی بڑھتی چلی جائیگی

[1] فتح الباری ص ۲۱۰ ج ۷، الاصابہ ص ۵۲ ج ۳۔

اور آپ کو تکلیف پہنچانے کے ارادے کرتے رہیں گے (جیسا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے کیا)۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں یہ حکمت ہے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی، اس طرح آپ کے قریشی بھائی آپ سے دشمنی کریں گے (اور جنگ کرنے کے لئے دار الہجرت میں پہنچیں گے) پھر جس طرح حسنِ انجام حضرت یوسف علیہ السلام کو حاصل ہوا آپ کو بھی یہ نعمت حاصل ہوگی چنانچہ مکہ معظمہ فتح ہوا اور آپ کی زبانِ مبارک سے قریش مکہ کے لئے وہی بات نکلی جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ (یوسف ۹۲)

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اُن کے تذکرہ میں قرآن مجید میں فرمایا ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں بتایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کی قوم نے اذیت دی پھر وہ اپنی قوم میں محبوب ہو گئے اسی طرح اپنی قوم کی ایذاؤں کے بعد آپ محبوب ہو جائیں گے۔

چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جیسے ان کی قوم نے آپ کو ستایا اس طرح کے واقعات آپ کو بھی پیش آئیں گے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر یوں ارشاد فرمایا لقد أوذی موسیٰ باکثر من ھذا فصبر۔

ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، اس میں یہ بتایا کہ آپ کی آخری عمر میں آپ کو مناسک حج کا موقع دیا جائے گا اور آپ کے ذریعے بیت اللہ کی تعظیم قائم ہوگی[1] (حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سب سے آخر میں ملاقات ہوئی انہوں نے کعبہ شریف بنایا تھا اور عالم بالا میں بیت المعمور

---

[1] فتح الباری ص ۲۱۰، ۲۱۱ ج ۷۔

سے ٹیک لگائے ہوئے تھے جو کعبہ شریف کی محاذات میں ہے یہاں زمین پر بنی آدم کعبہ شریف کا طواف کرتے ہیں اور وہاں روزانہ فرشتے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں یہ لطیف مناسبت ہے)۔

شیخ ابن ابی جمرہ کا ارشاد

شیخ ابن ابی جمرہ نے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقاتوں کی ترتیب کے بارے میں کچھ حکمتیں بتائیں، انہوں نے فرمایا کہ سب سے قریب والے آسمان میں آدم علیہ السلام سے اس لئے ملاقات ہوئی کہ وہ اوّل الانبیاء بھی ہیں اور اوّل الآباء بھی ہیں وہ نبی بھی ہیں اور آپ کے باپ بھی ہیں اور دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ ان کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب تر تھا کیونکہ آپ کے اور ان کے درمیان نبی نہیں گزرا۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ آپ کی اُمت حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں جنّت میں داخل ہوگی۔

چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم، ۵۷) اور چوتھا آسمان ساتویں آسمان کے درمیان ہے[1]

پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ وہ اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے بلند تھے یعنی چھٹے آسمان پر تھے کیونکہ انہیں کلیم اللہ ہونے کی فضیلت حاصل ہے اور آخری آسمان میں حضرت ابراہیم

---

[1] علامہ سہیلی نے الروض الانف میں بہت ہی اچھی بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لکھنا سکھایا تھا چوتھے آسمان میں ان سے ملاقات ہونے میں اس طرف اشارہ تھا کہ گذشتہ تین احوال (مکّہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے جانا اور مدینہ منورہ میں یہودیوں کا آپ سے دشمنی کرنا اور مکّہ معظمہ فتح ہونا) کے بعد چوتھی حالت یہ پیش آئے گی کہ آپ بادشاہوں کو خط لکھیں گے جس میں اسلام کی دعوت ہوگی۔ چنانچہ فتح مکّہ کے بعد ایسا ہی ہوا جس کے نتیجہ میں بعض ملوک مسلمان ہوئے اور بعض نے صلح کرلی۔

علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نبیوں میں آپ کے آخری باپ ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (خلیل اللہ ہیں) خلیل کا مرتبہ سب سے بلند ہونا چاہیئے اس لئے وہ ساتویں آسمان میں تھے اور چونکہ حبیب کا مرتبہ خلیل سے بھی بلند ہونا چاہیئے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔ انتھی قول ابن ابی جمرة۔[1]

نمازوں کی تخفیف کا جو سوال کیا تو پانچ نمازیں رہ جانے پر آگے سوال نہ کرنے کی حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار نمازیں کم کرانے کے لئے درخواست کی اور پانچ نمازیں رہ جانے پر جو آگے سوال کی ہمت نہ کی، اور فرمایا کہ اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن منیر سے نقل کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پانچ پانچ نمازوں کی کمی ہو رہی تھی اور اب پانچ ہی رہ گئی تھیں، تو اب مزید تخفیف کا سوال کرنے کا مقصد یہ بنتا تھا کہ گویا کوئی نماز بھی فرض نہ رہے، لہٰذا آپ آگے درخواست کرنے پر شرما گئے۔[2] اور چونکہ تکوینی طور پر پانچ نمازوں کی فرضیت متعین ہی تھی اس لئے بھی آگے سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تخفیف کا سوال کرتے رہے ہیں وہ اس وجہ سے کہ آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ سب نمازیں فرض نہیں ہیں البتہ آخری مرتبہ کے سوال کے بعد جو پانچ نمازیں رہ گئیں تھیں ان کے بارے میں یہ یقین کر لیا یہ تو فرض ہی ہیں اس لئے آپ نے اس کے بعد سوال نہیں کیا۔ ارشادِ خداوندی مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (ق ۲۹) سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے۔[3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اور رشک کرنا

معراج کی روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام

[1] فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۷۔ [2] فتح الباری ص ۴۹۳ ج ۸۔ [3] ایضاً

سے آگے بڑھے، تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے بعد ایک غلام یعنی نو عمر شخص کی بعثت ہوئی اس کی امت کے لوگ جو جنت میں داخل ہوں گے، میری امت سے زیادہ ہوں گے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا اور یہ کہنا کہ ان کی امت کے لوگ میری امت کے بہ نسبت زیادہ جنت میں داخل ہوں گے یہ بطور حسد کے نہیں تھا بلکہ بطور افسوس کے تھا، اور افسوس اس بات کا تھا کہ میری امت میں مخالفت اور نافرمانی زیادہ تھی جس کی وجہ سے ان کی امت کو ثواب کم ہوا، اور اس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ثواب بھی کم ہوا، کیونکہ امت جس قدر بھی عمل کرتی تھی اس کا ثواب اس کے نبی کو بھی ملتا تھا کیونکہ وہ انکو دلالت علی الخیر کرنے والا تھا (اور اس سے امت کا ثواب کم نہیں ہوتا تھا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ثواب بہت زیادہ ہے کیونکہ آپ کی امت میں فرمانبرداری کی شان بہت زیادہ ہے عبادت، طاعت، ذکر، تلاوت، حج، تصنیف، تالیف، جہاد، تعلیم، تبلیغ میں یہ امت بہت آگے ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا، یہ بطور تنقیص کے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ اور کرمِ عظیم ظاہر کرنے کے لئے تھا یعنی سب نبیوں کے بعد آخر میں آنے والے نبی کو جس کی عمر دوسرے نبیوں کے مقابلے میں زیادہ نہ تھی بہت زیادہ برکات اور انعامات سے نوازا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تو تھے، جنہوں نے بار بار توجہ دلائی اور ان کی فکرمندی سے بجائے پچاس نمازوں کے پانچ نمازیں فرض رہ گئیں، انہوں نے تو مزید درخواست پیش کرنے کی کوشش کی، اور فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کو بہت آزمایا ہے وہ لوگ اس سے کم نمازوں کی بھی پابندی نہیں کر سکے[1] اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس اب میں شرما گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھلا کیا حسد کرتے اور آپ کی شان میں کیا تنقیص کا خیال کرتے، انہوں نے تو محبت اور شفقت کا مظاہرہ فرمایا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا: اما قولہ "غلام" فلیس علی سبیل النقص، بل علی

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر دو نمازیں فرض تھیں، فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۷۔

سبیل التنویۃ بقدرۃ اللہ وعظیم کرمہ إذأعطی لمن کان فی ذٰلک السن مالم یعطہ أحدًا قبلہ ممن ھو أسن منہ وقد وقع من موسٰی من العنایۃ بھٰذہ الأمۃ من امر الصلوٰۃ مالم یقع لغیرہ ووقعت الإشارۃ لذلک فی حدیث أبی ھریرۃ عند الطبری والبزار، قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: کان موسٰی اشدھم علی حین مررت بہ، وخیرھم لی حین رجعت إلیہ، وفی حدیث ابی سعید" فأقبلت راجعًا، فمررت بموسٰی ونعم الصاحب کان لکم...[1]"

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی؟

ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام خلیل ہیں، مقامِ خُلّت کا تقاضا تسلیم و رضا ہے، جو حکم ہوا مان لیا، آگے سوچنا کچھ نہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کلیم ہیں، مقامِ تکلم مقامِ ناز ہے، اور موجبِ انبساط ہے، جو کلیم جرأت کرسکتا ہے دوسرا نہیں کرسکتا، پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اہلِ شرک وکفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا، ان ہی لوگوں سے بحث ومناظرہ میں عمرِ مُبارک صرف ہوئی، آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے، اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ سچّے فرمانبردار تھے، نافرمانوں اور فاسقوں کے رنگ ڈھنگ بچشمِ خود نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: فانی قد بلوت بنی اسرائیل وخبرتھم (مُسلم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نمازیں پڑھنا آپ ﷺ کی امت کے لئے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصّلاۃ والسّلام بھی اُمّتِ مُحَمّدِیہ (علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتحیۃ)

---

[1] فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۷

کی خیرخواہی سے غافل نہ تھے، مگر انہوں نے تکثیرِ حسنات کو پیشِ نظر رکھا جس کی وجہ سے پچاس نماز ول کی فرضیت کی خبر سن کر دل باغ باغ ہوگیا اور خوشی کی انتہا نہ رہی، جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کے ذریعہ جس امت کے لئے دُعا کی تھی، وہ آج نوازی جا رہی ہے، اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جا رہا ہے، پھر بھلا وہ تخفیف صلاۃ کا مشورہ کیوں دیتے؟ کیونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے، اس لئے اس نے امت محمدیہ کو ایک پیغام بھیجا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ اے محمدؐ! میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہدینا، اور انہیں بتا دینا کہ بلا شبہ جنت کی اچھی مٹی ہے، میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے، اور اس کے پودے یہ ہیں، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ [1]

یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اسی کے لئے تو ہے جو دنیا میں ایسے کام کر کے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخلہ ہو سکے جنت اپنی محنت سے ملے گی، اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو، مٹی بھی عمدہ ہو، پانی بھی میٹھا ہو، جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا، اور اس عمدہ پانی سے سینچائی کرے گا تو اس کا پھل پائے گا لہٰذا دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو، اللہ کا ذکر کرو، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھا کرو، ان کو پڑھو گے تو جنت میں ان کے عوض درخت پالوگے، اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا [2]

سونے کے طشت میں زمزم سے قلبِ اطہر کا دھویا جانا

واقعۂ معراج جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلبِ اطہر کو نکال کر زمزم کے پانی سے دھوکر واپس اپنی جگہ رکھدیا گیا، پھر

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۲، از ترمذی۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱، از ترمذی۔

اسی طرح درست کر دیا گیا جیسا کہ پہلے تھا، آج کی دنیا میں جبکہ سرجری عام ہو چکی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور زمزم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زمزم کی پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوئی، روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قلبِ اطہر کو سونے کے طشت میں دھویا گیا، اور یہ برتن جنّت سے لایا گیا تھا، کیونکہ یہ برتن جنّت سے آیا تھا اور استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے، (سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں ہوئی) اس لئے اس سے امت کے لئے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور ایمان و حکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ کی قوتِ ایمانیہ میں اور قلب مُبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہوگئی اور عالمِ بالا میں جانے کی قوت پیدا ہوگئی۔

نماز کا مرتبۂ عظیمہ

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، دیگر عبادات اسی سرزمین پر رہتے ہوئے فرض کی گئیں، لیکن نماز عالم بالا میں فرض کی گئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ بالا کی سیر کرائی، اور وہاں پچاس، پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں، اور ثواب پچاس ہی کا رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر بار بار بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر نمازوں کی تخفیف کے لئے درخواست کرتے رہے، اور درخواست قبول ہوتے رہے عالم بالا میں بار بار آپ کی حاضری ہوتی رہی۔

وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مناجات ہوئی پھر اس دنیا میں آپؐ کے صحابہؓ کی اور صحابہؓ کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی اور تا قیامت یہ مناجات ہوتی رہے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے دربار کی حاضری ہے اس لئے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لئے لازم نہیں کئے گئے، باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، نماز کی جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رُخ ہونا، ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، رکوع

کرنا، سجدے کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادات میں مشروط نہیں ہیں، (گو ان میں سے بعض احکام بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے، بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ تشہد میں انہی الفاظ کا اعادہ ہے جو شب معراج میں ادا کئے گئے تھے، حاضری کے وقت آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جواب ملا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یہ سن کر آپؐ نے عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً توحید و رسالت کی گواہی دی اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے کلمات ادا کئے[1]

---

[1] ذکرہ مولانا فخر الحسن الکنکوهی فی تعلیقة علی سنن أبی داؤد (باب التشهد) وفيه ايضًا وبه يظهر وجه الخطاب، وأنه على حكاية معراجه عليه السلام فی آخر الصلوٰة التی هی معراج المؤمنين اه وقال شيخ مشائخنا فی بذل المجهود ص ۱۱۷ ج ۲ مجيبًا عما يرد من الاشكال على لفظه عليك (من مشروعية الخطاب للأمة صلوٰتهم) نا قلًا عن الطيبی: نحن نتبع لفظ الرسول بعينه الذی علمه الصحابة، ويحتمل ان يقال على طريق اهل العرفان المصلين لما استفتحوا باب الملكوت بالتحيات اذن لهم بالدخول فی حريم الحی الذی لا يموت فقرته اعينهم بالمناجاة فنبهوا على أن ذٰلك بواسطة نبی الرحمة وبركة متابعته فالتفتوا فاذا الحبيب فی حرم الحبيب حاضر فاقبلوا عليه قائلين السلام عليك أيها النبی ورحمة الله وبركاته. انتهى۔

قال الحافظ فی الفتح: والحكمة فی وقوع فرض الصّلوٰة ليلة المعراج أنه لما قدس ظاهرًا وباطنًا حين غسل بماء زمزم بالايمان والحكمة ومن شان الصلوٰة أن يتقدمها الطهور ناسب ذلك أن تفرض الصّلاة فی تلك الحالة، وليظهر شرفه فی الملأ الاعلى ويصلی بمن سكنه من الانبياء وبالملائكة وليناجی ربه ومن ثم كان المصلی يناجی ربهٗ جل وعلا (فتح الباری ص ۴۶۰ ج ۱)

وفيه ايضًا والحكمة فی تخصيص فرض الصّلوٰة بليلة الاسراء أنه صلى الله عليه وسلم (بقيه حاشيه اگلے صفحه پر)

نماز چونکہ دربارِ الٰہی کی حاضری ہے، اس لئے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی، سُترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دلجمعی رہے، اِدھر اُدھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے، نماز پڑھتے ہوئے تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ کھانے کا تقاضا ہوتے ہوئے اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں ان کی وجہ سے خشوع خضوع باقی نہیں رہتا جو دربار کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہو تو برابر اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے، جبتک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹائے، جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

مُلحدین و مُنکِرین کی گمراہی

روایاتِ حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بیداری میں روح اور جسم کے ساتھ معراج کرائی، اہل السنّۃ والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ ایک ہی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ معظّمہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں پہنچے، وہاں حضرات انبیاء کرام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لما عرج به رأى فى تلك الليلة تعبد الملائكة وأن منهم القائم فلا يقعد والراكع فلا يسجد والساجد فلا يقعد فجمع الله له ولأمته تلك العبادات كلها فى ركعة يصليها العبد بشرائطها من الطمانية والاخلاص أشار إلى ذٰلك ابن ابى جمرة وقال وفى اختصاص فرضيتها بليلة الاسراء إشارة إلى عظيم بيانها ولذٰلك اختص فرضها بكونه بغير واسطة بل بمراجعات تعددت على ما سبق بيانه۔

(فتح البارى ج ۷ ص ۲۱۶)

علیہم السلام کی امامت کی، پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے، وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا، البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں، عالمِ بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر اور خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ کی بارگاہ میں بار بار درخواست پیش کرنے پر پانچ نمازوں کی فرضیت رہ گئی، اور اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمادیا، پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا، اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا، جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دیدئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا، اور آپؐ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہوگیا تو قریش کا منہ بند ہوگیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

اب دورِ حاضر کے ملحدین واقعۂ معراج کو ماننے میں تامل کرتے ہیں اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلادیتے ہیں، اور کچھ لوگ یوں کہہ دیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکینِ مکہ اس کا انکار کیوں کرتے؟ اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کرلی؟ اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں جو سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا ہے، اس میں لفظ بعبدہٖ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے نیز اَسْریٰ جو اَسْریٰ یُسْرِی (معتل اللام) سے بابِ افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے، خواب میں کوئی کہیں چلاجائے اس کو سریٰ اور اسریٰ سے تعبیر نہیں کیا جاتا، لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے ھداھم اللہ تعالیٰ۔

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین کے اُوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلاں فلاں کُرہ سے گزرنا لازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے

زندہ نہیں رہ سکتا، اور فلاں کرّہ سے نہیں گذر سکتا، یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، اوّل تو ان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کُرہ سے چاہے باسلامت گذار دے، اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، ہوا اور سانس لینے کو بھی تو اسی نے ذریعہ بنایا ہے، اگر وہ انسان کی تخلیق کی ابتدا ہی سے بغیر ہوا اور سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا حبس دم کرنے والے سانس لئے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے؟

بعض جاہل تو آسمانوں کے وجود کے ہی منکر ہیں، ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○ (یونس ۶۶) کسی چیز کا نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو، محض اٹکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ (توبہ ۳۰)

فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالق کائنات جلّ مجدہٗ نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا، لیکن اصحابِ فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں، اور اب جب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اب بتاؤ ان اٹکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالقِ کائنات جلّ مجدہٗ کا فرمان صحیح ہے؟ سورۂ ملک میں فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک ۱۴) (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف و خبیر ہے)۔

فلسفہ قدیم والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی کہتے کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا، یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا، یہ بھی ان کی اٹکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گئے، نہ جا کر دیکھا، زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کر لیا۔ جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بنائے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (اعراف ۴۰) اور سورۂ نبا میں فرمایا: وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (نبا ۱۹) اور آسمان کے پھٹنے کا ذکر بھی فرمایا، جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (انشقاق ۱) اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (الحاقہ ۱۶)
میں تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا اُن لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان
میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی اشکال ہو کہ ایک رات
میں اتنا بڑا سفر کیسے ہوسکتا ہے؟ کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اسکی
کچھ وجہ بھی تھی کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہوگئے ان
کا وجود نہ تھا، اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے، اگر اسی حساب
کو دیکھا جائے تو بیت المقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہوسکتے ہیں اور رات
کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کیلئے
تسلیم کرلئے جائیں تو اس میں کوئی بُعد نہیں ہے، اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے
کا اشکال ختم ہوگیا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ
چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید در مزید تیز رفتاری عطا فرمادے اور نئی
سواریاں پیدا فرمادے، جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورۂ نحل میں جو سواریوں
کا تذکرہ فرمانے کے بعد: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (نحل ۸) فرمایا ہے اس میں موجودہ سواریوں
اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی، اب تو ایسے
طیارے تیار ہوچکے ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں، اور ابھی مزید
تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں، یہی لوگ جو سفرِ معراج کے منکر ہیں یا اس
کے وقوع میں متردد ہیں خود ہی بتائیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں (ان کے
خیال میں) زمین جو اپنی محور پر گھومتی ہے چوبیس ۲۴ گھنٹے میں کتنی مسافت طے کرلیتی ہے؟ اور
یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کُرہ سے کروڑں میل دُور ہے کرن ظاہر ہوتے ہی
کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر
گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے پھر
واقعۂ معراج میں تردّد کیوں ہے؟

صاحبِ معراج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں یوں فرمایا ہے کہ وہ حدِ نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی، اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف سات آٹھ منٹ کی مسافت بنتی ہے۔ اس طرح بیت المقدس تک آنے اور جانے میں کل پندرہ ہی منٹ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لئے بچ گئے۔

آج کل جدّہ سے دمشق تک ہوائی جہاز سے ایک ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے۔ اگر اسی کے مطابق غور کیا جائے تو دو تین گھنٹے بیت المقدس آنے جانے کے لئے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لئے تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ۝ (مومن ۱۳)

مومن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سُنے اور تصدیق کرے۔ وَالْمُرْتَابُوْنَ ھُمُ الْھَالِکُوْنَ ۝

کافروں کا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا

اور

حضرات صحابہ کرامؓ کو مارنا پیٹنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دنیا کی تاریخ میں یہ سلسلہ پہلے سے جاری رہا ہے کہ اہلِ باطل اہلِ حق کے دشمن رہے ہیں گزشتہ امتوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ دشمنوں نے اہلِ ایمان کو مارا پیٹا قتل کیا اور نہ صرف مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی سخت ایذائیں پہنچائیں بلکہ بعض انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شہید تک کر دیا جس کو وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ (آل عمران: ۲۱) میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (۲۱۴)	کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اُن لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں ان کو پہنچی سختی اور تکلیف اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے اور ان مؤمنین نے جو رسولؐ کے ساتھی تھے کہہ دیا کہ کب ہوگی اللہ کی مدد، خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

سورۃ البروج کی سات آیات پڑھیے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ قُتِلَ اَصْحَابُ	قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس میں حاضری ہوتی ہے کہ خندق

الْاُخْدُوْدِ ٥ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ٥ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ٥ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ٥ (ا تا ٧)

والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔

یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد پیش آیا ایک بادشاہ تھا وہ اہل ایمان کا دشمن ہو گیا اس نے خندقیں کھدوا کر ان میں بہت زیادہ لکڑیاں ڈلوائیں اور اس میں آگ لگوائی اور پھر لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ دے گا اس کو ہم کچھ نہ کہیں گے اور جو دین اسلام سے واپس نہ ہوگا اسے آگ میں ڈال دیں گے لہٰذا وہ اہلِ ایمان کو خندقوں میں ڈالتا رہا اور وہ اپنے ایمان پر جان دیتے رہے۔ اب اگلی آیات پڑھیے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ٥ (البروج:٨)

اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست سزاوار حمد ہے۔

کافروں کو اور مشرکوں کو ہمیشہ سے اہلِ ایمان سے بغض ہے اور دشمنی ہے۔ اہلِ ایمان انہیں ایک نظر نہیں بھاتے۔ اہل ایمان نے کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا کوئی چوری نہیں کی کوئی اور جرم نہیں کیا پھر بھی ان سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور مشورے جاری رکھتے ہیں۔ یہودی و نصرانی اور ہندو جو خود اتنے بڑے مجرم ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اور اللہ تعالےٰ کی کتاب قرآن مجید کے منکر ہیں اپنے خالق و مالک کے باغی ہیں اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ دیکھو یہ کتنی اپنے خالق و مالک کی بڑی بغاوت ہے۔ اپنا تو

یہ حال ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ان سے دشمنی کرتے ہیں۔ سورۃ المائدہ میں فرمایا:

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ۔ (آیت ۵۹)

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تم ہم سے صرف اس لئے ناراض ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ہم سے پہلے نازل کیا گیا اور بلاشبہ تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ (کیونکہ ایمان قبول نہیں کرتے)۔

اس آیت میں صاف بتا دیا کہ یہود و نصاریٰ کی دشمنی صرف اس لئے ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

سورۃ العنکبوت کی ایک آیت پڑھیے:

الٓمٓ ۔ أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتْرَكُوٓا۟ أَن يَقُولُوٓا۟ ءَامَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ صَدَقُوا۟ وَلَيَعْلَمَنَّ ٱلْكَٰذِبِينَ ۔ (آیت ۱تا۳)

کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو آزمایا جو ان سے پہلے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور جان لے گا۔ ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ضرور جان لے گا جھوٹوں کو۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُن تکلیفوں کی شکایت کی جو مشرکین مکہ سے پہنچتی رہتی تھیں۔ اس وقت آپ کعبہ کے سایہ میں چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا کیا آپ اللہ سے دُعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو مسلمان تھے ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیا جاتا تھا پھر آرہ لا کر سر کے اوپر سے لے کر

(نیچے تک) چیر دیا جاتا تھا جس کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ یہ تکلیف بھی اُن کو ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ اور ان کے سروں میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں جو گوشت سے گزر کر ہڈی اور پٹھے تک پہنچ جاتی تھی اور یہ چیز انہیں ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ (مشکوٰۃ عن البخاری ص ۵۲۵)

ان آیات میں یہ بتایا کہ کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو ایذائیں پہنچیں گی، اور الحمدللہ آج کے مسلمان بھی تکلیفیں جھیلتے ہیں مگر اسلام نہیں چھوڑتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بڑھتا رہا، تبلیغ ہوتی رہی، مرد عورت مسلمان ہوتے رہے جو لوگ اسلام قبول کر کے پٹتے کٹتے تھے ان کا پٹنا بھی تبلیغ تھا۔ اس لئے کہ دیکھنے والے یہ بات سمجھنے پر مجبور تھے کہ اگر انہوں نے اسلام قبول کر کے حق کو نہیں پایا اور ایمان کی مٹھاس محسوس نہیں کی تو کیا بات ہے کہ انہیں اتنا پٹنا کٹنا منظور ہے لیکن اسلام سے پھرنا منظور نہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مار کھانے اور تکلیف جھیلنے کے واقعات سن کر ایک منکر اسلام کافر بھی یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات میں ایسی غیر معمولی صفات اور بے نظیر خوبیاں جمع تھیں کہ جو ایک مرتبہ ان کے حلقہ غلامی میں داخل ہو جاتا پھر کسی طرح بھی آپ کی غلامی چھوڑنے پر راضی نہ ہوتا تھا ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے اور اس بے رحمی اور بے دردی سے ستائے جاتے تھے کہ آج ان واقعات کو کتابوں میں پڑھ کر بھی بدن کانپ اٹھتا ہے۔ برسہا برس ان ہی مظالم سے سابقہ پڑتا رہا مگر کوئی بھی ان کی وجہ سے اسلام سے باہر نہ نکلا۔

یہی ایمان کی وہ لذّت ہے اور یقینِ آخرت ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو ابوسفیان نے جواب میں کہا کہ ان پر ایمان لانے والے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ یہ سن کر ہرقل نے کہا وکذٰلک امر الایمان حتی یتم

ایمان کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے ماننے والے بڑھتے ہیں یہاں تک کہ درجۂ کمال کو پہنچ جائے۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ جو لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں کیا اس دین سے ناراض ہو کر کوئی شخص مرتد بھی ہو جاتا ہے ابوسفیان نے کہا ایسا نہیں ہوتا۔ اس پر ہرقل نے کہا وکذلک الایمان حین تخالط بشاشتہ القلوب یعنی ایمان کا یہی اثر ہے جب اس کی بشاشت دلوں میں جگہ پکڑ لیتی ہے[1] ولقد صدق من قال

؎ اسیرش نہ خواہد رہائی زبند
شکارش نجوید خلاص از کمند

مختلف ممالک سے خبریں آتی رہتی ہیں کہ مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم ہو رہے ہیں الحمدللہ مسلمان سب کچھ برداشت کرتے ہیں ان تکلیفوں سے ان کے ایمان میں مزید نورانیت اور قوت آجاتی ہے اللہ کی رضا کی طلب انہیں ڈاواں ڈول نہیں ہونے دیتی۔ ہندوستان میں کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے بیوی بچوں اور اموال اور دکانوں سے کٹ ہی جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی استقامت دیتا ہے فالحمد للہ العلی الکبیر۔

اب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکالیف کا کچھ نمونہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایذاؤں اور مشقتوں اور صبر و تحمل کے واقعات نقل کرتے ہیں، وباللہ التوفیق۔

ربیعہ بن عباد نے بیان کیا (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) کہ میں نے سوق ذی المجاز میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بازار میں آنے والے لوگوں سے خطاب کر کے فرما رہے ہیں یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْنَ (اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو کامیاب ہو جاؤ گے

---

[1] صحیح بخاری ص ۴

لوگ وہاں جمع تھے اور آپ کا چچا ابولہب کہہ رہا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے بے دین ہوگیا ہے یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے اور تمہارے باپ دادوں کے دین سے برگشتہ نہ کردے ایسے ہی قصہ ابوجہل کا بھی نقل کیا گیا ہے۔ جب آپ فرماتے تھے یَاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تُفْلِحُوْا تو ایک شخص آپ کے پیچھے تھا وہ آپ پر مٹی ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! یہ تمہیں تمہارے دین سے نہ ہٹادے یہ چاہتا ہے کہ تم سے لات اور عزیٰ کی عبادت چھڑادے[1]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راوی نے اس میں ابوجہل کا ذکر کیا ہے بظاہر وہ ابولہب ہی کا قصہ ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک مکہ کے کافروں میں سے ایک بدبخت کافر جس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا آپ کے قریب آیا اور آپ کی مبارک گردن میں اس نے اپنی چادر ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ کا گلا مبارک گھٹ گیا۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے شور مچایا اور یہ سمجھ لیا کہ آپ کو اس بدبخت نے شہید ہی کردیا اور آواز سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور اس بدبخت کو ہٹایا اور یوں فرمایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللہُ (کیا تم ایک شخص کو (محض) اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے[2])

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور مکہ کے بڑے بڑے سات کافر جن میں ابوجہل، شیبہ، ربیعہ، عقبۃ بن ابی مُعَیط، امیہ بن خلف اور ان کے علاوہ دو کافر وہاں موجود تھے جب آپؐ سجدہ میں گئے تو لمبا سجدہ کیا۔ آپ کو اس حال میں دیکھ کر ابوجہل نے کہا کہ تم میں سے ایسا کون کرے گا جو فلاں قبیلہ کے اونٹوں کی لیدھ (اور دوسری روایت میں ہے اوجھڑی) لاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ڈال دے۔ یہ سن کر بدبخت

---

[1] البدایہ ص ۴۱ ج ۳ [2] صحیح بخاری ص ۴۴۴

عقبہ بن ابی مُعیط اٹھا اور اس نے لیدھ لاکر آپؐ کے مُبارک کاندھوں پر سجدہ کی حالت میں ڈال دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کھڑا یہ حال دیکھتا رہا اور ذرا بھی نہ بول سکا کیونکہ میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت میرا کوئی بھی حمایتی موجود نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ تشریف لائیں اور آپ کے مبارک کاندھوں سے گندگی ہٹا کر کفارِ قریش کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔ ان کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ سب سنتے رہے۔ جب فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے وہ بوجھ آپ کے کاندھوں سے ہٹا دیا تو آپ نے بڑے اطمینان سے اس طرح سر مبارک اٹھا کر نماز پوری فرمائی جیسے اس سے پہلے پورا پورا سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ نماز پڑھ کر آپؐ نے ان بدبختوں کے حق میں تین باریوں دعا کی اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ عَلَیْكَ بِعُتْبَةَ وَعقبه وَ اَبِیْ جَھْلٍ وَّ شَیْبَةَ (اے اللہ تو قریش کو سزا دے عتبہ اور عقبہ اور ابی جہل اور شیبہ کی پکڑ فرما)[۱]۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب وہ بدبخت اپنی یہ کمینہ حرکت کر گذرے تو اس پر ہنسے اور ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر گر جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبیؐ کی بددعا قبول فرمائی اور بدر کی جنگ میں یہ سب مقتول ہوئے[۲]۔

ربیعہ بن عبید الدیلی کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکان شریف ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کے گھروں کے درمیان میں تھا۔ دشمنی سے لوگ آپؐ کے دروازے پر کوڑا کرکٹ اور گندی چیزیں ڈال دیا کرتے تھے۔ جب آپ مکان شریف تشریف لے جاتے تو ان سب چیزوں کو اپنی مبارک کمان سے ہٹا دیتے تھے اور فرماتے تھے بِئْسَ الْجِوَارُ ھٰذَا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ (اے قریشیو! یہ تو تم نے پڑوس کا بُرا حق ادا کیا۔ تم پڑوس کا لحاظ بھی نہیں کرتے)[۳]

غزوۂ احد میں جو کچھ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچیں اور مصیبتوں کا سامنا ہوا ان کا تذکرہ

---

[۱] بخاری و مسلم۔ [۲] البدایہ ۱۲۔ [۳] اخرجہ الطبرانی فی الاوسط ۱۲۔

غزوات کے بیان میں آئے گا انشاء اللہ تعالےٰ۔

ابوجہل کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ دشمنی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لاتے تھے اور نماز ادا فرماتے تھے۔ ایک دن ابوجہل نے لات اور عُزّیٰ کی قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مٹی میں اپنا چہرہ ملائیں گے (یعنی سجدے میں جائیں گے) تو میں ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لئے آگے بڑھا پھر فوراً اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور وہ ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہا تھا جیسے کسی چیز سے بچاؤ کر رہا ہو، لوگوں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرے اور محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ڈراؤنی حالت ہے اور بازوؤں والی مخلوق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ مجھ سے قریب ہو جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو کر کے اُچک لیتے، اس پر آیات کریمہ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی (العلق:۶) سے آخر سورت تک نازل ہوئیں۔ (رواہ مسلم ص ۳۷۲ ج ۲)

ایک دن ایسا ہوا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روکا تو آپ نے ابوجہل کو جھڑک دیا۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ مجھے جھڑکتے ہو میں پوری وادی کو گھوڑوں سے اور فوجی لوگوں سے بھر دوں گا اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں۔ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ، نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (العلق:۹) (خبردار اگر یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹ لیں گے جو پیشانی جھوٹی ہے خطاکار ہے)۔

فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ (سو جب وہ عذاب میں مبتلا ہو اپنی مجلس والوں کو بُلا لے) سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ (ہم عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے) جن کے سامنے اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا۔ معالم التنزیل میں زجاج سے نقل کیا ہے کہ زَبَانِیَهٗ سے دوزخ کے فرشتے مراد ہیں جنہیں سورۃ التحریم میں غِلَاظٌ شِدَادٌ فرمایا ہے

نیز حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اگر ابوجہل اپنی مجلس والوں کو بلا لیتا تو اللہ تعالیٰ کے زَبَانِیَہ فرشتے اسے پکڑ لیتے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا آیات بالا ابوجہل لعین کی بے ادبی اور بدتمیزی اور گستاخی پر نازل ہوئیں اس کے بارے میں جو لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ فرمایا ہے اس سے اس کی دنیا کی ذلّت بھی مراد لی جا سکتی ہے بدر کی لڑائی میں وہ دیگر مشرکین مکّہ کے ساتھ بڑے طمطراق اور فخر و غرور کے ساتھ آیا اور بُری طرح مقتول ہوا اگر آیت کریمہ سے یہ دنیا والی سزا مراد لی جائے تو پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے ذلیل کرنا مراد ہوگا اور روح المعانی میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جنگ بدر کے موقعہ پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس کا سر کاٹ دیا اور خدمتِ عالی میں حاضر کرنے کے لئے اٹھانا چاہا تو اٹھا نہ سکے لہٰذا انہوں نے ابوجہل کے کان میں سوراخ کیا اور اس میں دھاگہ ڈال کر کھینچتے ہوئے لے گئے۔

اور آخرت کا عذاب اور وہاں کی ذلّت مراد لی جائے تو وہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں فرمایا ہے۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ط (۷۰، ۷۱، ۷۲)

سو عنقریب جان لیں گے جبکہ طوق ان کے گردنوں میں ہوں گے کھولتے ہوئے پانی میں کھینچے جائیں گے پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایذا پہنچانا

جب مسلمانوں کی تعداد اڑتیس تک پہنچ گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی جائے اور علی الاعلان تبلیغ کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل تو انکار فرمایا مگر جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے اور اصرار کرتے رہے تو آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر مسجد حرام میں پہنچے

مسلمان متفرق ہو کر اپنے اپنے قبیلہ کے آدمیوں میں بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تقریر شروع فرمادی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما رہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تقریر کے بارے میں سیرت نگار حضرات لکھتے ہیں کہ:

فَكَانَ أَوَّلُ خَطِيبٍ دَعَا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

ابوبکرؓ کی یہ تقریر اسلام میں سب سے پہلی تقریر تھی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلانے کیلئے کی گئی۔

دعوتِ اسلام کی تقریر ہوتے ہی مشرکین حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر مسلمانوں پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں کی بہت زیادہ مار پیٹ کی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو تو اس قدر مارا کہ تمام چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا اور ناک کان لہولہان ہو گئے۔ جوتوں اور لاتوں سے حضرت صدیقؓ کو مارا گیا اور اس قدر آپ کا منہ چھیتا گیا کہ صورت تک نہ پہچانی جاتی تھی۔ عتبہ بن ربیعہ کافر نے آپ کے مارنے میں بہت زیادہ شقاوت اور بدبختی کا اظہار کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس وحشیانہ حملوں کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے، جب آپ کے قبیلہ والوں کو واقعہ کا پتہ چلا تو جلدی جلدی دوڑے ہوئے آئے اور حضرت صدیق کو مشرکین کے نرغہ سے چھڑا کر گھر لے گئے اور چونکہ چوٹ بہت زیادہ آئی تھی۔ اس لئے ان کے بچنے کا یقین بالکل نہ رہا تھا اور قبیلہ والے بھی گو کافر تھے لیکن قومی حمیّت کے باعث سخت برہم ہوئے اور غصّہ میں یہ اعلان کر دیا کہ خدا کی قسم اگر ابوبکرؓ نہ بچے تو ہم ان کے بدلہ عتبہ بن ربیعہ کو مار ڈالیں گے۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والد اور قبیلہ کے آدمی حضرت صدیقؓ کو آوازیں دیتے رہے اور ان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے بالآخر شام کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا اور زبان سے سب سے پہلا لفظ یہی نکلا کہ

مَا فُعِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔

جب قبیلہ کے آدمیوں نے یہ کلمہ سنا تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر بہت ناراض ہوئے اور ان کو ملامت کرنے لگے کہ تم بھی عجیب ہو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے تم پر مصیبت آئی اور اب ہوش آیا تو اب بھی انہی کا دھیان ہے۔

اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صاحبہ ام الخیر سے کہہ گئے کہ ان کو کچھ کھلا پلا دیں۔ والدہ صاحبہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سرور کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا حال معلوم ہوئے بغیر کھانا پینا پسند نہ کیا اور یہی سوال کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال بتاؤ۔ والدہ ماجدہ نے کہا کہ مجھے تو ان کا حال معلوم نہیں ہے۔ فرمایا۔ اچھا تو ام جمیل سے جاکر دریافت کر آؤ ان کو ضرور معلوم ہوگا (کیونکہ وہ مسلمان تھیں اور اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی والدہ صاحبہ مسلمان نہ ہوئی تھیں)۔

والدہ صاحبہ ام جمیل کے پاس گئیں اور ان سے کہا کہ ابوبکرؓ نے تم سے محمد بن عبداللہ کا حال معلوم کیا ہے چونکہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا نے فوراً جواب دیا کہ میں نہ ابوبکر کو جانتی ہوں نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے واقف ہوں۔ ہاں اگر تم کہو تو تمہارے بیٹے کو چل کر دیکھ آؤں۔ ام الخیر (حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ) نے ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیشکش قبول فرمائی اور ان کے چلنے کو غنیمت جان کر ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر آئیں۔ حضرت ام جمیلؓ کی نظر حضرت صدیقؓ پر پڑی تو ان کی حالت دیکھ کر صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور ان کو دیکھتے ہی بے تحاشا رونے لگیں اور زور سے یوں پکار کر کہا۔

وَاللّٰہِ اِنَّ قَوْمًا نَالُوْا ھٰذَا ۔ خدا کی قسم جن لوگوں نے تمہارا یہ حال بنایا

مِنْكَ لَاَهْلُ فِسْقٍ وَكُفْرٍ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ يَّنْتَقِمَ اللّٰهُ لَكَ مِنْهُمْ ۝

یقیناً بدکردار اور فاسق ہیں میں خدا سے امید کرتی ہوں کہ خدا تمہاری طرف سے خود ان سے انتقام لے گا۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم کیا۔ انہوں نے ام الخیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ سن رہی ہیں (چونکہ یہ مسلمان نہیں ہیں اس لئے ان کے سامنے کہنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا) حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لَا شَيْءَ عَلَيْكَ مِنْهَا (ان سے کچھ خوف نہ کرو) لہٰذا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتایا کہ آپ صحیح سالم ہیں فکر نہ کرو۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کہاں تشریف فرما ہیں۔ حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابن ارقم کے مکان میں ہیں۔ یہ سنتے ہی بولے کہ خدا کی قسم جب تک آپ کی زیارت نہ کرلوں گا نہ کچھ چکھوں گا نہ کچھ پیوں گا۔

ماں کی مامتا بڑی زبردست چیز ہے جو اولاد کے لئے اپنی مرضی کے خلاف بہت سے کام کرالیتی ہے اسی مامتا کے باعث حضرت صدیق کی والدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جانے پر راضی ہوگئیں۔ کیونکہ وہ ان کو کچھ کھلانا چاہتی تھیں اور یہ سیّد کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے بغیر نہ کھانے کی قسم کھا بیٹھے۔ لہٰذا جب خاصی رات گذر گئی۔ راستہ میں لوگوں کی آمد و رفت بند ہوگئی تو ام جمیل اور ام الخیر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر پہنچیں۔ جیسے ہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ابن الارقم کے مکان میں پہنچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئے اور بہت زیادہ روئے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان بھی روئے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے موقعہ شناسی سے کام لیا اور اپنی والدہ کو اسلام

کے دائرہ میں شامل کرنے کے لئے گفتگو شروع کی اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ یہ میری والدہ ہیں مجھ پر بڑی شفقت کرتی ہیں۔ آپ کی بابرکت ذات ہے۔ آپ ان کے مسلمان ہوجانے کے لئے اللہ سے دعا فرمادیجئے اور ان کو بھی اسلام کی دعوت دے دیجئے۔ کیا عجیب ہے کہ آپ کی برکت سے خدا ان کو (بھی) دوزخ سے بچادے۔"

راوی کا بیان ہے کہ اسی وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دُعا کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ اسی وقت مسلمان ہوگئیں۔ والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک۔

ایک روز جب کہ قریش مکّہ نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو بہت ستایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تو دوڑے ہوئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اذیتوں سے چھڑایا وہ لوگ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ابوبکر پر پل پڑے ان کو خوب ستایا اور سر کے بال کھینچے۔ ان کی بیٹی اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب ابا جان ہمارے پاس پہنچے تو اپنے بالوں کے جس حصّہ کو بھی ہاتھ میں لیتے تھے ہاتھ کے ساتھ بال اکھڑے چلے آتے تھے۔

(حیات الصحابہؓ عن ابی یعلیٰ)

سعید بن زیدؓ اور فاطمہ بنت خطاب کی مار پیٹ اور حضرت عمر بن خطاب کا اِسلام قبول کرنا

حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں یہ دونوں میاں بیوی بھی ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوگئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ کفر میں ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں مارا پیٹا تھا۔

اور ان ہی دونوں کے ذریعہ خود بھی مسلمان ہوئے جس کا مفصّل قصّہ یہ ہے کہ عمر ایک روز تلوار لے کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو (بزعم خود) قتل کرنے کے ارادہ سے چلے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ (جو تقریبًا ۴۰ مرد عورت تھے[۱]) صفا کے قریب ایک گھر میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھیوں میں ابوبکرؓ، علی، حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمرؓ کی بہن کے گھر قرآن مجید کی تعلیم دینے گئے ہوئے تھے، حضرت عمر تلوار لئے چلے جا رہے تھے کہ راستہ میں سعد بن ابی وقاصؓ (یا نعیم بن عبداللہ) سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے سوال کیا عمر کہاں چلے؟ جوابًا بے خوف ہو کر کہہ دیا کہ اس نئے مذہب کے بانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کے لئے جا رہا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ان کو بے عقل بتایا ہے اور ان کے دین کو عیب لگایا ہے اور ان کے معبودوں کو گالیاں دی ہیں! سائل نے کہا کہ تم فریب نفس میں مبتلا ہو۔ کیا یہ سمجھتے ہو کہ محمدؐ کو قتل کر کے زندہ رہ سکو گے اور عبد مناف کی اولاد (جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبہ کے لوگ تھے) تم کو بدلہ میں قتل نہ کریں گے؟ ذرا اپنے گھر والوں کی خبر تو لو اور ان کو تو درست کرو۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے! بولے میرے کون سے گھر والے مسلمان ہو گئے؟ مخاطب نے کہا تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید!

یہ سنتے ہی بہن کے گھر کا رُخ کیا۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ دونوں میاں بیوی کو سورۂ طٰہٰ پڑھا رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی ان کے پاس موجود تھی۔ حضرت عمر نے دروازہ پر پہنچ کر کواڑ کھلوانے کے لئے آواز دی تو حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی آواز سن کر اندر گھر میں چھپ گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کواڑ کھول دئے۔ عمر اندر پہنچے اور چونکہ باہر سے حضرت خباب رضی اللہ

---

[۱] یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے حبشہ کی ہجرت نہ کی تھی اور مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور ان کے علاوہ باقی صحابہؓ حبشہ کو چلے گئے تھے حضرت عمر ہجرت حبشہ کے بعد ہی مسلمان ہوئے تھے ۱۲

تعالیٰ عنہ کے قرآن پڑھانے کی آواز سُن چکے تھے۔اس لئے بہن اور بہنوئی سے دریافت کیا کہ کیسی آواز آرہی تھی؟ جواب دیا کہ کچھ نہیں ہم دونوں باتیں کر رہے تھے! کہنے لگے میں نے سُنا ہے کہ تم نے محمدؐ کا دین اختیار کر لیا ہے؟ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگر ان کا دین حق ہو تو کیا بُرائی ہے؟ یہ سنتے ہی ان کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور زمین پر گرا کر ان کو مارا پیٹا۔ بہن نے اپنے شوہر کو بچانا چاہا تو بہن کے چہرے پر بھی اس زور سے طمانچہ مارا کہ خون نکل آیا۔ دونوں میاں بیوی نے کہا کہ ہاں ہم مسلمان ہو گئے تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ غصّہ میں مار پیٹ تو کر بیٹھے مگر بہن کے چہرے پر بہتا ہوا خون دیکھ کر شرمندہ ہو گئے اور غصّہ کا جوش بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ کہنے لگے اچھا یہ صحیفہ مجھے بھی دکھاؤ۔ دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے اور محمدؐ پر کیا نازل ہوا ہے۔ بہن نے کہا تم اس کو چاک کر دو گے لہٰذا ہم نہ دیں گے۔ یہ جواب سن کر اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں ضرور واپس کر دوں گا۔ بہن نے کہا تم ناپاک ہو اور اس کو صرف پاک بندے چھو سکتے ہیں۔ بہت اصرار کیا مگر بغیر غسل کئے ان کے ہاتھ میں صحیفہ مبارک دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ لہٰذا مجبوراً غسل کیا اور اس کے بعد اس صحیفہ کو پڑھا۔ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر کہنے لگے کہ یہ تو بڑا اچھا کلام ہے۔ چلو مجھے بھی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو۔ چنانچہ اسی وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (البدایہ وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہوتے ہی قریش کی ہمّت ٹوٹ گئی اور مسلمان علی الاعلان مسجد حرام میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ کہ اس روز سے ہم ہمیشہ کے لئے باعزّت ہو گئے جس روز عمر بن خطاب مسلمان ہوئے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

ان اسلام عمر کان فتحًا — عمر کا مسلمان ہونا مسلمانوں کی فتح تھی

وَاِنَّ ھِجرتہ کانت نصرۃ — وان کی ہجرت ان کی نصرت تھی

واِنَّ اَمَارَتَہٗ کَانَتْ رَحْمَۃً[1] — اور ان کا امیرالمومنین ہونا رحمت تھا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دُعا قبول فرمائی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد عرض کیا کہ یا رسُول اللہ ہم دین حق پر ہیں ہمارا دین کیوں پوشیدہ رہے اور مشرکین کا دین کیونکر ظاہر رہے جب کہ وہ باطل پر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے عمر ابھی ہماری تعداد کم ہے کچھ انتظار کرو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اب مشرکین کی مجلس میں جاتا ہوں ہر مجلس میں پہنچ کر اپنے ایمان کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں آئے پھر کعبہ شریف کا طواف کیا وہاں سے باہر نکلے تو قریش کی طرف روانہ ہوئے ابوجہل نے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ تم بددین ہو گئے ہو۔ حضرت عمر نے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، پڑھ کر سب کو سنایا۔ آپ کا یہ کلمہ سنانا تھا کہ مشرکین اُن کی مار پیٹ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن وہ غالب آگئے قریش کی شامت آئی تھی جب ان کے پیچھے مشرکین میں جو ایک شخص عتبہ بن ربیعہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر چڑھ کر بیٹھ گئے اس کی آنکھوں میں انگلیاں دے دیں اور مار مار کر اس کا بھتو بنا دیا۔ عتبہ چیخا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہٹ گئے اور اس کے بعد جو بھی قریب آتا تھا اس کی خبر لیتے تھے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کی مجالس میں پہنچے ہر مجلس میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا، پھر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب کوئی بات نہیں مشرکین کی کوئی مجلس باقی نہیں رہی جس میں میں نے نڈر ہو کر اپنا ایمان

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۷۹، ج ۳

اوراسلام ظاہر نہ کیا ہو اس کے بعد آپ تشریف لائے۔ حضرت عمر اور حضرت حمزہ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اطمینان کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر حضرت عمر کے ساتھ دارارقم تشریف لے گئے۔ [1]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صفا (پہاڑی) کے قریب تشریف فرما تھے کہ وہاں سے ابوجہل کا گزر ہوا۔ ابوجہل نے تکلیف دہ باتیں کیں اور آپؐ کے بارے میں بُرے کلمات کہے آپؐ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا ابوجہل نے دین اسلام کے بارے میں بھی بُرے الفاظ کہے۔ آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار فرمائی وہاں عبداللہ ابن جدعان کی ایک باندی موجود تھی اس نے یہ ساری بات سنی ابوجہل تو کعبہ شریف کے قریب قریش کی ایک مجلس میں جاکر بیٹھ گیا۔ ادھر آپؐ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کی باتوں کی خبر دے دی گئی (اس وقت تک حضرت حمزہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) ان کو شکار کا بہت شوق تھا شکار کرکے آتے تھے تو پہلے کعبہ شریف کا طواف کرتے تھے اور قریش کی مجلسوں میں جاتے تھے سب سے ملتے جلتے تھے۔ شکار سے واپس آرہے تھے کہ باندی نے واقعہ بتادیا اور کہا کہ آج ابوالحکم (ابوجہل اس لقب سے مشہور تھا) نے آپ کے بھتیجے کو تکلیف دی ہے اور بُرا بھلا کہا ہے آپ کے بھتیجے نے خاموشی اختیار کی۔ یہ سن کر حضرت حمزہؓ کو بہت غصّہ آیا وہاں سے فوراً روانہ ہوئے دیکھا کہ ابوجہل مسجد حرام میں لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے کمان تو ہاتھ میں تھی ہی ابوجہل کے سر پر ایسے زور سے ماری کہ اسے بری طرح زخمی کردیا اور ابوجہل سے خطاب کرکے کہا کہ تُو میرے بھتیجے کو بُرے الفاظ میں یاد کرتا ہے میں بھی اسی کے دین پر ہوں تجھ سے جو ہوسکے کرلے۔ بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے لیکن ابوجہل نے روک دیا اور

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۳۰ ج ۳

کہا کہ میں نے اس کے بھتیجا کو بہت بُرے الفاظ میں خطاب کیا ہے۔

اس وقت حضرت حمزہؓ نے بھتیجا کی ہمدردی میں کہہ دیا تھا کہ میں انہی کے دین پر ہوں لیکن بعد میں شیطان پیچھے لگ گیا اس نے آکے کہا کہ تُو بددین ہو گیا تُو نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا تُو نے جو دین اختیار کیا ہے اس سے تو موت بہتر ہے، شیطان کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت حمزہؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جو دین میں نے اختیار کیا ہے اگر آپ کے نزدیک ہدایت والا ہے تو میرے دل میں اس کی تصدیق پختہ کر دیجئے ورنہ میرے لئے کوئی صورت نکالئے جس سے میں کسی ایک طرف مطمئن ہو جاؤں۔ رات بھر شیطان کے وسوسے آتے رہے صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوری کیفیت سنائی۔ آپؐ حمزہ کی طرف متوجہ ہوئے اور نصیحت کی، کفر کی جزا سے ڈرایا اور ایمان پر جو نعمتیں ملتی ہیں ان کی بشارت دی۔ حضرت حمزہؓ اسی مجلس میں کہنے لگے أشهد انك صادق شهادة صدق (میں سچی گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں) حضرت حمزہ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں میں اور زیادہ قوت آگئی، حضرت عمرؓ ان سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے دونوں حضرات کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی اور قریشِ مکّہ نے سمجھ لیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اچھی خاصی قوت مل گئی ہے لہٰذا وہ بہت کچھ اپنی حرکتوں سے باز آگئے۔[1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۹۲، البدایہ والنہایہ ص ۳۳ ج ۳

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی مصیبتیں

آپ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اوّل سات شخصوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا:

(۱) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) ابوبکرؓ (۳) عمارؓ (۴) عمار کی والدہ سمیہؓ (۵) صہیبؓ (۶) بلال اور (۷) مقداد رضی اللہ عنہم۔ سو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے چچا کے ذریعہ دشمنوں سے بچایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے ان کی قوم کے ذریعہ کفار کی ایذاؤں سے محفوظ رکھا اور ان کے سوا باقی سب کو مشرکین نے پکڑ کر لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال ڈال کر عذاب دیا۔ یہ حضرات دن بھر لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے دھوپ میں پڑے رہتے تھے اور پھر شام کو ابوجہل ملعون ان کو گالیاں دیتا تھا اور ڈانٹتا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کافر کے غلام تھے جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، امیہ بن خلف کافر جو مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا اور جو جنگ بدر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے جہنم رسید ہوا، ان کو دوپہر کے وقت سخت گرمی میں تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بھاری چٹان رکھ دیتا تھا اور ان سے یوں کہتا تھا:

لا واللہ لا تزال ھکذا حتی تموت او تکفر محمد و تعبد اللات والعزیٰ۔

قسم خدا کی تو اسی طرح پتھر میں دبا رہے گا حتیٰ کہ تو مر جائے گا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماننے سے انکار کر دے اور لات و عزیٰ کو پوجنے لگے۔

وہ اسی حال میں یوں کہے جاتے تھے اَحَدٌ اَحَدٌ یعنی معبود ایک ہی ہے اس کو چھوڑ کر لات عزیٰ کو نہیں پوج سکتا[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۷ و ۵۸ ج ۳

دن بھر کی اس تکلیف کے بعد رات کو زنجیروں میں باندھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان زخموں کو اور زخمی کیا جاتا تھا تاکہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جائیں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے البدایہ والنہایہ میں حضرت امام احمد وغیرہ کی روایت سے یہ بھی نقل فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کر دئے جاتے تھے اور وہ ان کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہی اپنی اَحَدٌ اَحَدٌ کی رٹ لگائے جاتے [1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عذاب دینے والے کئی شخص تھے۔ جب ایک تھک جاتا تو دوسرا عذاب دینے لگتا تھا کبھی ابوجہل کا نمبر آتا اور کبھی امیہ بن خلف کا اور کبھی دوسرے لوگ سزا دیتے تھے اور ہر شخص ان کو سزا دینے میں اپنا زور ختم کر دیتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی مصیبتوں میں مبتلا تھے اور صرف اس جُرم میں کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کو طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے ایک غلام کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا [2]۔ جب صحابہؓ نے مدینہ شریف کو ہجرت کی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہجرت فرما گئے اور وہاں مسجد نبویؐ کے مؤذن مقرر ہوئے اور اللہ کی راہ میں تپتی ہوئی زمین پر لیٹنے اور سینے پر پتھر رکھے جانے کی حالت میں احد احد کہنے کا یہ صلہ ملا کہ پنج وقتہ اللہ و رسول کا نام بلند کرنے کی خدمت ان کے سپرد کی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ مسجد نبویؐ کے مؤذن رہے اور جب آپؐ کی وفات ہو گئی تو مدینہ طیبہ میں رہنا اور آپؐ کی جگہ کا خالی دیکھنا دوبھر ہو گیا۔ لہٰذا شام تشریف لے گئے اور ۶۳ سال کی عمر میں ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کیا [3]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی

---

[1] البدایہ ص ۵۸ ج ۳۔ [2] ایضاً۔ [3] رواہ البخاری ص ۵۳۰۔

گئی تو میں نے اس میں ابو طلحہؓ کی بیوی (ام سلیمؓ) دیکھی جس کی آنکھوں میں چندھا پن ہے اور میں نے اپنے سامنے کسی کے چلنے کی آہٹ سنی تو (نظر اٹھا کر دیکھنے یا کسی فرشتہ کے بتانے) سے معلوم ہوا کہ وہ بلال ہیں۔[1]

حضرت خبابؓ بن الارت کو آگ پر لٹانا

آپ بھی ان مبارک ہستیوں میں ہیں جنہوں نے اسلام لانے پر بڑی بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت فرمائیں۔ شروع شروع میں پانچ چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہو گئے۔ ایک عورت کے غلام تھے جب اسے پتہ چلا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں تو اس نے ان کو سزا دینی شروع کر دی۔ چنانچہ لوہا گرم کر کے ان کے سر کو داغ دیا کرتی تھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیئے جاتے تھے جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات گرم ریت پر لٹا دئے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے کمر کا گوشت گل کر گر گیا تھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی تکلیفوں کی تفصیل پوچھی تو عرض کیا کہ آپ میری کمر کو دیکھیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر دیکھی تو عجیب ہی شکل نظر آئی اور فرمایا ایسی شکل کی کمر تو ہم نے کسی کی بھی نہیں دیکھی؟ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا اور وہ انگارے اس وقت بجھے جب میری کمر کی چربی نکلی اور انگاروں پر زخموں سے خون نکل کر بہا۔ (اسد الغابہ) کنز العمال میں ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرکین نے آگ جلا کر مجھے اس میں ڈال دیا اور ایک شخص میرے سینے پر اپنا پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میری کمر اور آگ کے درمیان کوئی اور چیز نہ تھی۔

اللہ کے لئے ایسی تکلیفیں برداشت کیں اور اپنی جان پر مصیبتیں جھیلیں مگر جب اسلام عرب کے خطہ سے آگے بڑھا اور فتوحات کے دروازے کھلے تو اس پر رو دیا

---

[1] رواہ البخاری و مسلم۔

کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خدانخواستہ ہماری مشکلوں اور مصیبتوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں ملے گا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا جب ان کی قبر پر گزر ہوا تو فرمایا "خباب پر اللہ رحم کرے، وہ اپنی رغبت سے مسلمان ہوئے اور خوشی سے ہجرت کی، زندگی جہاد میں گزار دی، مصیبتیں برداشت کیں" ۳۷ ہجری میں کوفہ میں وفات پائی، اس وقت آپ کی عمر ۷۳ سال کی تھی۔

عمار بن یاسر اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم کی تکالیف اور جنّت کی خوشخبری

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔ یہ تینوں حضرات بھی حضرت خباب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی طرح شروع شروع میں مسلمان ہو گئے تھے اور جیسا کہ دوسرے حضرات کو مکّہ والوں نے ستایا اور اسلام قبول کرنے کے جرم میں مارا پیٹا۔ ان تینوں حضرات کو بھی پٹنے اور مصیبت جھیلنے کے صبر آزما دور سے گزرنا پڑا۔ ان تینوں کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ البدایہ میں لکھتے ہیں کہ:-

وَكَانَتْ بَنُوْ مَخْزُوْمٍ يَخْرُجُوْنَ بِعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ وَّبِاَبَوَيْهِ وَكَانُوْا اَهْلَ بَيْتِ اِسْلَامٍ اِذَا حَمِيَتِ الظَّهِيْرَةُ يُعَذِّبُوْنَهُمْ بِرَمْضَاءِ مَكَّةَ ؕ	قبیلۂ بنی مخزوم کے لوگ حضرت عمار اور ان کے والدین کو دوپہر کے وقت گھر سے باہر نکال کر لاتے تھے اور مکّہ کی جلتی ہوئی پتھریلی زمین پر لٹا کر ان کو عذاب دیا کرتے تھے۔

پھر لکھتے ہیں:-

فيمر بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقول فيما بلغني صبرًا آل ياسر موعدكم الجنة[1]	ان تینوں کو جب عذاب دیا جاتا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گزر ہوتا تھا تو آپ ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے کہ اے یاسر کے گھر والو صبر کرو تم سے جنت کا وعدہ ہے۔

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۸ ج ۳

آخر کار حضرت عمار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ مشرکین کا ظلم وستم برداشت کرتے ہوئے اسی تکلیف کی حالت میں شہید ہوگئے اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی سنگدل ظالم ابوجہل کے نیزہ مارنے سے شہید ہوگئیں۔ اس ملعون نے نہ ان کے بڑھاپے کا خیال کیا۔ نہ ان کے ضعف کا اپنی ازلی شقاوت کے باعث ان کی شرم گاہ میں نیزہ مار کر ہمیشہ کے لئے اپنے کو ملعون بنالیا۔ لعنہ اللہ وقبحہ۔

خواتین میں سب سے پہلی شہادت حضرت سمیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہی کی ہوئی ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہا وارضاہا[1]

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماں باپ تو مکہ ہی میں شہید ہوگئے اور خود حضرت عمار رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے اور ہمیشہ جہاد میں شریک رہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں شریک ہوکر لڑے اور اسی میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۹۳ برس کی تھی[2] رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہ۔

حدیث شریف کی کتابوں میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے (۱) علی (۲) عمار (۳) سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم[3]

ایک روایت میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرے صحابی ابوبکر وعمر کی اقتدار کرلو اور عمار کی سیرت پر چلیو اور ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کی بتائی ہوئی باتوں پر مضبوطی سے عمل کرلو[4]۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ خدا نے ان کو شیطان سے محفوظ فرمادیا ہے اور آپ نے یہ فرمایا مَنْ عَادیٰ عَمَّارًا عَادَاہُ اللّٰہُ وَمَنْ

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۹ ج ۳ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۸، ۵ [3] مشکوٰۃ المصابیح ص ۸، ۵
[4] مشکوٰۃ المصابیح ص ۸، ۵ و ۵۸۰۔

اَبْغَضَ عَمَّارًا اَبْغَضَہُ اللّٰہُ یعنی جس نے عمار سے دشمنی کی خدا اس سے دشمنی کرے گا اور جو عمار سے بغض رکھے خدا اس سے بغض رکھے گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر قریش کا شدید حملہ

یہ بھی اللہ کی راہ میں مارے پیٹے گئے ہیں اور اسلام کا کلمہ پڑھنے پر ان کو بھی مارا گیا تھا جس کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ جب ان کو خبر پہنچی کہ مکہ میں ایک شخص نبوت کا مدعی ہے تو اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا کہ جاؤ مکہ پہنچو اور جو شخص اپنے کو نبی کہتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھ پر آسمان سے وحی آئی ہے اس کی خبر لاؤ۔ اس کا کلام خود سن کر آؤ۔ وہ مکہ پہنچے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم کر کے واپس ہوئے اور بھائی (ابوذر) کو بتایا۔

رئیتہ یامر بمکارم الاخلاق وسمعت کلاما ما ھو بالشعر

"میں نے ان کو دیکھا کہ عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں ان سے کلام بھی سنا جو شاعروں جیسا کلام نہیں ہے۔"

یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشفی نہ ہوئی اور خود سامان مہیا کر کے مکہ کا سفر اختیار کیا اور سیدھے مسجد حرام میں پہنچے۔ مسجد میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے منتظر رہے (کہ شاید یہیں تشریف لے آئیں اور ملاقات ہو جائے) اور (چونکہ یہ زمانہ آپ کی مخالفت کا زمانہ تھا اس لئے کسی سے پوچھا بھی نہیں کہ مدعی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کون سے ہیں اور کہاں ہیں حتیٰ کہ رات ہو گئی اور ابوذرؓ لیٹ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ان پر نظر پڑی تو پردیسی کی خاطر تواضع کے جذبہ کے تحت ان کو گھر لے گئے اور ان کی مہمانی کر کے رات بھر اپنے یہاں سلا کر واپس کر دیا نہ مہمان نے اپنے سفر کا مقصد ظاہر کیا نہ میزبان نے سوال کیا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعوت کھا کر مسجد حرام میں واپس آ گئے اور شام تک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے منتظر رہے مگر اس روز بھی

ملاقات نہ ہو سکی اور رات ہو جانے پر اپنی کل کی جگہ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ کل کے میزبان علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھر نظر پڑ گئی اور یہ سمجھ کر کہ غریب پردیسی ہے جس غرض سے آیا تھا ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی ابوذر کو اپنے گھر لے گئے اور کھلا پلا کر سلا دیا اور کل کی طرح صبح ہونے پر ابوذرؓ مسجد حرام میں واپس تشریف لے آئے۔ شام تک مسجد حرام میں رہے اور رات کو پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ان کو اپنے گھر لے گئے اور مہمانی کر کے آج پوچھ ہی بیٹھے کہ آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہوئے ہیں؟ مسافر کو کیا پتہ کہ یہ نوجوان اس نبی پر ایمان لا چکا ہے اور خود اس کا چچیرا بھائی بھی ہے جس کی تلاش میں میں ہوں۔ کہنے لگے کہ پکا وعدہ کرو کہ میری بات کا صحیح جواب دو گے تو بتا دوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے صحیح بات بتانے کا وعدہ کیا تو حضرت ابوذرؓ نے اپنی آمد کی غرض بتائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ تم جن کی تلاش میں آئے ہو بلا شبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اب تو آرام کر لو اور صبح کو میرے ساتھ چلنا میں تم کو ان کے پاس لے چلوں گا۔ چونکہ مخالفت کا زور تھا اور اسلام قبول کرنے والے طرح طرح سے ستائے جاتے تھے۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلتے رہنا مگر اس طرح چلنا کہ دیکھنے والے تم کو میرے ساتھ نہ سمجھیں اگر کہیں خطرہ سمجھوں گا تو میں پیشاب کرنے لگوں گا (اور بعض روایات میں ہے کہ جوتا ٹھیک کرنے لگوں گا) اور تم آگے بڑھ جانا جس سے دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ ہم دونوں ساتھ نہیں ہیں۔ صبح ہونے پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پیچھے چل دئے حتیٰ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے چنانچہ آپؐ کی بات سُنی اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ آپؐ نے اس وقت کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تم اپنی قوم میں چلے جاؤ اور ان کو بھی میری نبوت کی خبر دو اور جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا۔ یہ سُن کر ابوذرؓ نے جواب دیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں تو اس کلمہ کو کفار کے درمیان علی الاعلان پڑھ کر سناؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت باہر نکلے اور مسجد

حرام میں پہنچ کر بلند آواز سے خوب چلا کر اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اعلان کر دیا۔ اس کلمہ کا پڑھنا تھا کہ مشرکین چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ زخمی کر کے زمین پر ڈال دیا۔ حتیٰ کہ ابوذرؓ مرنے کے قریب ہو گئے۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے جو اس وقت مسلمان بھی نہ ہوئے تھے۔ حضرت عباسؓ ابوذرؓ کو بچانے کے لئے ان پر لیٹ گئے اور کہنے لگے کہ ستیاناسیو! تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے۔ شام کے راستہ میں اس کی قوم پر ہو کر گزرتے ہو۔ اگر یہ مر گیا تو غفاری لوگ تم کو شام نہ پہنچنے دیں گے اور تمہاری تجارت بند ہو جائے گی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر مشرکین نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔ دوسرے روز حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں پہنچ کر بلند آواز سے پھر کلمہ شہادت پڑھا اور اس روز بھی مشرکین مکہ اس مبارک کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکے اور حضرت ابوذرؓ کو مارنے کے لئے جھپٹ پڑے۔ اس روز بھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین کو ہٹایا اور تجارت شام بند ہونے کا خطرہ سمجھا کر حضرت ابوذرؓ کی جان چھڑائی[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ کے صدق یعنی سچائی کی تعریف فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ وہ زہد میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے مشابہ ہیں[2]

حضرت عثمانؓ بن مظعون کی آنکھ کا چلا جانا

جو حضرات حبشہ سے آکر مکہ معظمہ میں ہی رہ گئے اور واپس حبشہ نہیں گئے (جس کا تذکرہ ہجرت حبشہ میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ) ان میں حضرت عثمان بن مظعون بھی تھے انہوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ مکہ معظمہ میں مشرکین کی طرف سے سخت تکلیف میں ہیں تو وہیں رہ گئے اور ولید بن مغیرہ (مشرک) نے امان دے دی۔ اس کے امان دینے کی وجہ سے مشرکین حضرت عثمانؓ بن مظعون کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ ایک دن ان کے دل میں یہ آیا کہ یہ بات اچھی

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۹۹ و ص ۵۴۵ ۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۱

نہیں کہ میں ایک مشرک آدمی کی پناہ میں امن و امان کے ساتھ گھومتا پھرتا رہوں اور رسول اللہؐ کے صحابہ مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھاتے رہیں لہٰذا ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ تیری ذمہ داری پوری ہو گئی اور اب میں تیری امن و امان کی ذمّہ داری واپس کرتا ہوں۔ ولید نے کہا کیا تمہیں میری قوم کے کسی فرد کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہے فرمایا نہیں، میں اللہ کی پناہ میں رہنا پسند کرتا ہوں اس کے علاوہ کسی اور کی پناہ میں رہنا مجھے گوارا نہیں۔ ولید نے کہا اچھا تو مسجد میں چلو وہاں جا کر میری ذمہ داری سب حاضرین کے سامنے واپس کر دو چنانچہ دونوں مسجد میں آئے اور ولید نے کہا کہ عثمان ہے میری پناہ کی ذمّہ داری کو واپس کرتا ہے حضرت عثمان نے فرمایا ہاں اس نے سچ کہا اس نے اپنی ذمّہ داری پوری کی اور پڑوس کا اچھا حق ادا کیا لیکن میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں کسی دوسرے کی پناہ میں رہنا مجھے منظور نہیں۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش مکّہ کی ایک مجلس میں پہنچے وہاں لبید شاعر اپنے اشعار سنا رہا تھا۔ اس نے ایک مصرع یہ سنایا:

الا کلّ شیءٍ ماخلا اللہ باطل

(خبردار اللہ کے سوا سب چیز باطل ہے)

حضرت عثمانؓ بن مظعون نے یہ مصرع سُن کر فرمایا تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد اس شاعر نے دوسرا مصرع پڑھا۔

وکلّ نعیم لا محالۃ زائل

اور ہر نعمت ضرور بضرور ختم ہو گی۔

یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو نے جھوٹ کہا کیونکہ جنّت والوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔

یہ ماجرا دیکھ کر (کہ اپنے کلام کی تردید کی جا رہی ہے) لبید نے کہا اے قریشیو! اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ مجھے تمہاری مجلسوں میں ایذا پہنچائی جاتی ہو۔

بتاؤ تو سہی یہ شخص تم میں کہاں سے گھس آیا؟ حاضرین مجلس میں سے کسی نے جواب دیا کہ اس سلسلے میں تجھے دل بُرا نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ شخص ان چند ناسمجھ اور بے عقل لوگوں میں سے ہے جنہوں نے آبائی دین چھوڑ کر دوسرا نیا دین اختیار کر لیا ہے حضرت عثمانؓ نے اس کی اس بیہودہ بات کا ترکی بہ ترکی جواب دیا اور معاملہ طول پکڑ گیا۔ حتیٰ کہ اس شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں اس زور سے چانٹا مارا کہ اس کی بینائی جاتی رہی۔

ولید بن مغیرہ بھی وہیں موجود تھا۔ اس نے یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہا کہ:

"اے بھائی! تم کو بھلا آنکھ جانے سے کیا فائدہ ہوا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا:

"خدا کی قسم میری دوسری آنکھ کو بھی اس کی ضرورت ہے کہ اللہ کی راہ میں پھوڑ دی جائے انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سے مجھے نقصان ہوا، ہرگز نہیں ہرگز نہیں! میرا تو کام بن گیا اور اللہ پر میرا اجر واجب ہوگیا۔ پہلے میں تیری امان میں تھا اور تو خود محتاج ہے اب میں اس کی امان میں ہوں جس سے بڑا کوئی غلبہ اور طاقت والا نہیں ہے۔"

اپنی آنکھ کے چلے جانے پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے چند شعر کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

فقد عوّض الرحمٰن منھا ثوابہ   ومن یّرضہ الرحمٰن یاقوم یسعد

ترجمہ: "میری آنکھ کے بدلہ میں اللہ نے ثواب دے دیا اور جس سے اللہ راضی ہو وہ درحقیقت نصیب والا ہے۔"

مہاجرین میں سب سے پہلے (۳ھ میں) حضرت عثمانؓ بن مظعون ہی کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر نبی کریمؐ نے فرمایا نعم السلّف ھولنا (عثمان ہمارے لئے بہترین آگے پہنچنے والے ہیں) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے ان کے چہرے کو چوما۔

حتیٰ کہ ان کے چہرے پر آپؐ کے مُبارک آنسو بہنے لگے۔ جب ان کو دفن کر دیا گیا تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ایک پتھر اٹھا کر ان کی قبر کے سراہنے رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ اس سے ان کی قبر کی پہچان رہے گی اور پہچان کر ان کے قریب اپنے اہل کو دفن کروں گا[1]

دیگر حضرات مستضعفین

جن لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تکلیف دی جاتی تھی ان میں حضرت ابوفکیہہ بھی تھے یہ صفوان ابن امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ابن خلف نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور رسی سے کھینچ کر لے گیا یہاں تک کہ گرم زمین میں لے جا کر ڈال دیا اور ان کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اسی وقت اس کا بھائی اُبی بن خلف آگیا اور اس نے کہا اس کو اور زیادہ سزا دو ۔ امیہ برابر ان کا گلا گھونٹتا رہا یہاں تک کہ یہ سمجھ کر چھوڑ دیا کہ ان کو موت آگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو حضرت ابوفکیہہ کو خرید کر آزاد کر دیا[2]

قبیلہ بنی عبدالدار کے لوگ دوپہر کے وقت سخت گرمی میں لوہے کی بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر باہر نکالتے تھے اور سخت زمین میں ان کو الٹا لٹا دیتے تھے پھر ان کی کمر پر پتھر رکھ دیتے تھے یہاں تک کہ ان کا ہوش باقی نہ رہتا تھا۔ ان ہی مصیبتوں میں تھے حتیٰ کہ دیگر صحابہ کے ساتھ حبش کی ہجرت ثانیہ کے وقت حبشہ چلے گئے[3]

عامر بن فہیرہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے جنہیں اسلام قبول کرنے کی سزائیں مشرکین مکہ سزا دیا کرتے تھے یہ طفیل ابن عبداللہ ابن صخوۃ کے غلام تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا یہ وہی عامر ابن فہیرہ ہیں جو سفر ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں دودھ پہنچایا کرتے تھے پھر سفر ہجرت میں بھی ساتھ رہتے تھے غزوہ بئر معونہ کے موقعہ پر شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جن حضرات کو مشرکین کی مارپیٹ اور

---

[1] الاستیعاب، الاصابہ، البدایہ والنہایہ [2] الاصابۃ ۔ [3] الاستیعاب

ایذارسانی سے بچایا اور خرید کر آزاد کیا ان میں حضرت بلال، حضرت عامر ابن فہیرہ، حضرت زنیرہ، حضرت جاریہ، حضرت نہدیۃ اور ان کی بیٹی اور حضرت اُم عُبَیس رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام الاصابۃ ص ۵، ۴ ج ۴ میں لکھے ہیں لیکن نہدیۃ اور ان کی بیٹی کا تذکرہ مستقل طور پر ہمیں نہیں ملا۔

حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے ابوبکر تم ان لوگوں کو آزاد کرتے ہو جن کی دنیاوی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ضعفاء ہیں اگر تم طاقتور لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے تو مناسب تھا وہ مصیبت کے وقت تمہارے کام آتے اور تمہاری حفاظت کرتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جان میں دوسری نیت سے آزاد کرتا ہوں (یعنی دنیا میں ان سے نفع حاصل کرنا مقصود نہیں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیئے)[1]

اسلام قبول کرنے کی سزا میں جن مقدس خواتین کو مارا پیٹا جاتا تھا ان میں حضرت لبیبہؓ اور دوسری خاتون اُم عبیسؓ بھی تھیں، ان کو بھی مشرکین مارتے اور تکلیف پہنچاتے تھے یہ بنی زہرہ کی باندی تھیں الاصابہ میں ان دونوں کا مختصر قصہ لکھا ہے تعذیب اور تکلیف کی تفصیل نہیں لکھی۔

اللہ کی راہ میں جنہیں تکلیف دی جاتی تھی ان میں حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں ابوجہل ان کو بھی مارا پیٹا کرتا تھا الاصابہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام ہانی بنت ابوطالب نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زنیرہ کو خرید کر آزاد کر دیا تھا ان کی بینائی چلی گئی تو قریش نے کہا کہ لات اور عزّیٰ نے اس کی بینائی ختم کر دی ہے حضرت زنیرہ نے کہا اللہ کی قسم لات اور عُزّیٰ کچھ نہیں کر سکتے کوئی نفع اور فائدہ نہیں پہنچا سکتے اللہ تعالےٰ نے اپنا فضل فرمایا اور ان کی بینائی واپس فرما دی۔ ان مقدس خواتین میں جاریہ بنت عمرو بن مؤمل بھی تھیں الاصابہ میں ان کا ذکر بھی کیا ہے لیکن تفصیل نہیں لکھی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۸ ج ۳

طفیل بن عمرو الدوسی کا اسلام قبول کرنا حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مکہ معظمہ میں ملاقات کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ قبیلہ دوس کے افراد میں سے تھے جو یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ شاعر بھی تھے اپنی قوم کے سردار بھی تھے انہوں نے بیان کیا کہ میں مکہ معظمہ آیا تو قریش کے لوگوں نے کہا کہ دیکھو تم شاعر آدمی ہو قوم کے سردار ہو قوم میں تمہاری بات مانی جاتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے ملاقات ہو جائے اور تم اس کی بعض باتوں سے متاثر ہو جاؤ اس کی باتیں جادو کی طرح سے ہیں اس شخص کو تم نہ اپنے پاس آنے دینا نہ اپنی قوم سے ملاقات کرنے دینا اس کی باتیں ایسی ہیں جو باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دیتی ہیں۔

طفیل بن عمرو نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ قریش مکہ برابر ایسی ہی باتیں کرتے رہے اور مجھے اس بات سے روکتے رہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات سنوں، میں نے دل میں کہا کہ جب یہ حال ہے تو اللہ کی قسم میں مسجد حرام میں ایسی حالت میں داخل ہوں گا کہ کانوں میں روئی ٹھوس رکھی ہو گی تاکہ اس شخص کی بات میرے کان میں نہ پڑ سکے جس سے یہ لوگ مجھے ڈرا رہے ہیں۔

میں نے اپنے کانوں میں روئی بھر لی۔ پھر صبح صبح مسجد میں گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں کھڑے ہوئے دیکھا میں آپ کے قریب ہی کھڑا ہو گیا اور خواہی نہ خواہی میرے کانوں میں آپ کی آواز پڑ ہی گئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں سمجھ دار آدمی ہوں اچھے برے کو سمجھتا ہوں (یہ کانوں میں روئی ٹھوس لینا کوئی سمجھ داری کی بات نہیں) اللہ کی قسم میں ان کی باتیں ضرور دھیان سے سنوں گا اگر اچھی بات ہو گی تو قبول کر لوں گا اگر اچھی نہ ہوئی تو اس سے پرہیز کر لوں گا۔ یہ کہہ کر میں نے کانوں سے روئی نکال کر پھینک دی۔ پھر کان لگا کر آپ کی باتیں سننے

لگا اس سے اچھی باتیں میں نے کبھی نہیں سنیں تھیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ جب آپ فارغ ہوگئے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا یہاں تک کہ آپ کے گھر میں داخل ہوگیا میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے انہوں نے آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بتائیں میں چاہتا تھا کہ آپ کی آواز نہ سنوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی بات سنوا ہی دی اور اب میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آپ کے ساتھ حق ہے لہٰذا آپ مجھ پر اپنا دین پیش کیجئے اور آپ کیا حکم دیتے ہیں وہ بھی بتا دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا، میں نے اسلام قبول کر لیا پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنی قوم قبیلہ دوسی کی طرف جاتا ہوں، وہ لوگ میری بات مانتے ہیں میں وہاں پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے۔

چنانچہ اپنی قوم میں پہنچ کر اپنے والد اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی، وہ دونوں مسلمان ہوگئے، پھر میں نے پورے قبیلے کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انکار پر تل گئے، میں دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ قبیلہ دوسی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان میں سود کا لین دین اور بڑے بڑے کام رواج پائے ہوئے ہیں آپ ان کے لئے بددعا کر دیجئے آپؐ نے بددعا نہیں کی بلکہ یوں دُعا فرمادی اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے دے اور یا اللہ ان کو لے آ۔

حضرت طفیل بن عمرو نے مزید گفتگو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ اس کے بعد میں اپنی قوم میں واپس آگیا اور انہیں اسلام کی دعوت دینے پر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوئے۔

میں تو اپنی قوم میں آگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو ہجرت فرما

گئے ہیں غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شریک نہ ہو سکا بعد میں قبیلہ دوس کے اسّی یا نوّے خاندانوں کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہو گیا اس کے بعد برابر آپؐ کے ساتھ رہا۔

جب مکّہ فتح ہو گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے ذی الکفین[1] کی طرف بھیج دیجئے تاکہ میں اسے جلا دوں آپؐ نے فرمایا ہاں جاؤ اسے جلا دو میں اس کے پاس پہنچا اور اس پر آگ جلا دی اور یہ شعر پڑھتا رہا

یاذوالکفین لست من عبادکا   میلادنا اکبر من میلادکا

انی حشوت النار فی فوادکا

ترجمہ: اے ذوالکفین میں تیری عبادت کرنے والوں میں نہیں ہوں ہماری پیدائش تیری بناوٹ سے پہلے ہے میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی۔

پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کی وفات ہونے تک آپ کے ساتھ رہا۔

(الاستیعاب علی الاصابہ ص ۲۳۲ و ۲۳۳ ج ۲، والبدایہ ص ۹۸ ج ۳)

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں مرتدین سے جہاد کرنے میں حصّہ لیا اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (ایضاً)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کا حاضر خدمت ہونا

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں سے ہیں جو عہد اوّل ہی میں اسلام لے آئے تھے یہ قبیلہ بنی سلیم میں سے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں زمانہ جاہلیت میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ لوگ گمراہی پر ہیں۔ بتوں کو پوجتے ہیں ہدایت پر بالکل نہیں ہیں، میں نے سنا کہ ایک شخص مکّہ معظمہ میں کچھ خبریں بیان کرتے ہیں، میں اپنی سواری پر بیٹھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت آپ پوشیدہ طریقہ پر کام کرتے تھے آپ کی قوم کے لوگ جری بنے ہوئے تھے۔

---

[1] یہ ایک بت تھا جس کی قبیلہ دوس والے پوجا کرتے تھے۔

ہیں کسی طرح تدبیر کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ میں نے عرض کیا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں نبی ہوں۔ میں نے عرض کیا نبی ہونے کا کیا مطلب؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے' میں نے کہا اللہ نے آپ کو کن کاموں کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے؟ فرمایا میں یہ حکم لے کر آیا ہوں کہ صلہ رحمی کی جائے۔ بتوں کو توڑ دیا جائے اور لوگ اللہ کی وحدانیت کے قائل ہوجائیں اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اس دین پر آپؐ کے ساتھ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ آزاد اور غلام سب کے لئے ہے میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کا اتباع کرتا ہوں۔ فرمایا کہ اس وقت تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ دیکھتے نہیں ہو میرا اور لوگوں کا کیا حال ہے؟ تم واپس چلے جاؤ جب تمہیں خبر مل جائے کہ میں ظاہر ہوگیا تو آجانا۔ یہ سن کر میں اپنے اہل وعیال میں چلا گیا (دل سے تو اسلام قبول کر ہی لیا تھا البتہ ساتھ رہنے کے لئے آپؐ نے مشورہ نہیں دیا تھا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے میں ابھی اپنے گھر میں ہی تھا آپ کی خبریں معلوم کرتا رہتا تھا چند آدمی یثرب یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والے آئے میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ صاحب جو (مکہ سے) مدینہ پہنچے ہیں ان کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ لوگ جلدی جلدی ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کی قوم نے (مکہ معظمہ میں) ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا لیکن وہ اس پر قدرت نہیں پا سکے۔ اس کے بعد میں مدینہ منورہ پہنچا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم وہی ہو جو مجھے مکہ میں ملے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہاں یہی بات ہے آپ مجھے وہ چیزیں بتا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی ہیں، اور مجھے نماز سکھا دیجئے۔[1]

مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عمرو بن عبسہؓ کی ملاقات کا قصہ یوں لکھا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ

---

[1] جمع الفوائد کتاب المناقب۔

اس دین پر آپؐ کے ساتھ کون کون ہے؟ فرمایا ایک آزاد مرد ہے (یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ) اور ایک غلام ہے (یعنی زید بن حارثہؓ)[1] میں نے عرض کیا اسلام کیا کیا کام بتاتا ہے فرمایا حسنِ کلام اور کھانا کھلانا، میں نے پوچھا ایمان کے کیا تقاضے ہیں؟ فرمایا صبر کرنا (یعنی احکامِ شریعت پر جمارہنا) اور سخی ہونا۔ میں نے عرض کیا کون سا اسلام افضل ہے؟ فرمایا اس شخص کا اسلام افضل ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان باسلامت رہیں۔ میں نے عرض کیا ایمان کے تقاضوں میں کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا کہ "اچھے اخلاق"۔ ——————

—————— میں نے عرض کیا کون سی نماز افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا "طول الصلوٰۃ" (یعنی لمبی نماز پڑھنا اور دل لگا کر پڑھنا۔ عرض کیا گیا کہ کون سی ہجرت افضل ہے فرمایا جو چیز تیرے رب کو ناگوار ہو اس کا چھوڑ دینا یہ ہجرت افضل ہے۔ میں نے عرض کیا کون سا جہاد افضل ہے فرمایا اس شخص کا جہاد افضل ہے جس کا گھوڑا بھی جہاد میں قتل کیا گیا اور وہ خود بھی شہید ہو جائے۔ میں نے عرض کیا (عبادت کے لئے) کون سی گھڑی افضل ہے؟ پچھلی رات کا درمیانی حصّہ[2]

حضرت ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

انہی ایام میں حضرت ضماد ازدی بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مکہ معظمہ حاضر ہوئے یہ یمن کے باشندے تھے اور سحر دور کرنے والے منتر جانتے تھے اور اس کام میں عرب میں مشہور تھے جب انہوں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنون کا اثر ہے تو انہوں نے قریش سے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علاج منتر سے کر سکتا ہوں، چنانچہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمدؐ آؤ تمہیں منتر سناؤں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو پھر آپ نے انہیں سنایا:

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ من یھدہ اللہ فلا

---

[1] یہ جزو عبد کی دوسری تعبیر ہے جسے بعض حضرات نے اختیار کیا ہے۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹ از احمد۔

مضل له ومن یضلله فلا ھادی له واشھدان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک له واشھدان محمّدا عبدہٗ ورسوله ۔

ترجمہ: "سب تعریف اللہ کے لئے ہے ہم اس کی نعمتوں کا شکرادا کرتے ہیں اور ہر کام میں اسی کی اعانت چاہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ راہ دکھاتے ہیں اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راستہ نہ دکھائیں اس کی کوئی رہبری نہیں کرسکتا، میری شہادت یہ ہے کہ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔"

یہ سن کر ضمادؓ نے کہا کہ ان کلمات کو پھر سنا دیجئے دو تین دفعہ انہوں نے ان کلمات کو سنا اور پھر بے اختیار بول اٹھے کہ میں نے بڑے کاہن دیکھے اور ساحر دیکھے اور شاعروں کا کلام سنا لیکن ایسا کلام تو میں نے کسی سے بھی نہیں سنا۔ یہ کلمات تو ایک گہرے سمندر جیسے ہیں، اے محمّد صلی اللہ علیہ وسلم خدارا اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں اسلام کی بیعت کرلوں۔ اس کے بعد بیعت اسلام سے مشرف ہوکر واپس چلے گئے[1]

رکانہ سے کشتی کرنے کا واقعہ

مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں ایک شخص رکانہ نامی تھا یہ مشرک تھا اور پہلوانی میں مشہور تھا، اور جنگل میں بکریاں چراتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر تشریف لے گئے تو رکانہ سے ملاقات ہوگئی اس وقت آپؐ کے ساتھ کوئی شخص نہ تھا، رکانہ نے کہا کہ اے محمّدؐ! تم وہی ہو جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو اور اپنے معبود عزیز وحکیم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہو، میرا اور تمہارا رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو آج تمہیں قتل کر دیتا، آؤ آج مجھ سے کشتی لڑلو تم اپنے معبود عزیز وحکیم کو پکارو کہ تمہاری مدد کرے اور میں اپنے معبود لات وعزیٰ کو پکارتا

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۳۶ ج ۳

ہوں، اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میری ان بکریوں میں سے دس بکریاں چن کر لے لینا آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے مجھے منظور ہے اس کے بعد دونوں نے کشتی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ گئے اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے تین مرتبہ کشتی ہوئی، ہر مرتبہ کے لئے رکانہ نے دس بکریاں پیش کیں اور ہر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھاڑ دیا، تینوں مرتبہ اس نے یہ کہا کہ مجھے لات اور عزیٰ نے بغیر مدد کے چھوڑ دیا، اور آپ کے معبود عزیز و حکیم نے آپ کی مدد کی۔ چلیئے آپ میرے ریوڑ میں سے تیس بکریاں لے لیں، آپؐ نے فرمایا مجھے بکریاں نہیں چاہئیں میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اپنی جان پر رحم کھا اپنی جان کو دوزخ سے بچا، اگر تُو نے اسلام قبول کر لیا تو دوزخ سے محفوظ ہو جائے گا۔

رکانہ نے کہا میں اس وقت مسلمان ہوں گا جب تم مجھے کوئی خاص نشانی، معجزہ، دکھا دو۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں تجھے نشانی دکھا دوں تو مان لے گا یعنی اسلام قبول کرے گا، کہنے لگا ہاں مان لوں گا۔ وہیں قریب میں ایک درخت تھا جس کی شاخیں اور ٹہنیاں بہت ساری تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اللہ کے حکم سے ادھر آ جا۔ اس پر درخت درمیان سے پھٹ گیا اور دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا اپنی شاخوں اور ٹہنیوں سمیت چل کر آ گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رکانہ کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ رکانہ کہنے لگا کہ یہ تو آپ نے بڑی نشانی دکھا دی آپ اس کو حکم فرمائیے واپس لوٹ جائے، آپؐ نے اس کو حکم دیا تو وہ اپنی ٹہنیوں اور شاخوں سمیت واپس ہو گیا اور دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ آپؐ نے رکانہ سے پھر فرمایا اسلام قبول کر لے تو باسلامت رہے گا۔ دوزخ سے بچ جائے گا، رکانہ نے کہا معجزہ تو آپ نے خوب دکھایا لیکن مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میرے شہر کی عورتیں اور بچے یوں کہیں کہ ایک شخص کا رعب رکانہ کے دل میں داخل ہو گیا، میں آپ کا دین تو قبول نہیں کرتا لیکن آپ شرط کے مطابق بکریاں لے لیں، آپؐ

نے فرمایا تُو نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا مجھے تیری بکریوں کی کوئی حاجت نہیں

اِدھر تو رکانہ سے آپؐ کی کُشتیاں ہو رہی تھیں اُدھر آپؐ کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نکلے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ اس وادی میں آپ تنہا کیسے آئے یہاں تو رکانہ موجود رہتا ہے وہ لوگوں کا بہت بڑا قاتل ہے اور آپ کی تکذیب کرنے والوں میں بہت آگے آگے ہے۔ یہ بات سن کر آپؐ کو ہنسی آ گئی اور آپ نے فرمایا کیا تمہیں پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کا مجھ سے حفاظت کا وعدہ ہے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (المائدہ: ۶۷) (اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) اس کے بعد آپؐ نے اپنی کُشتی کا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی تھی۔ میرے رب نے مجھے دس سے زیادہ افراد کی قوت دے کر مدد فرمائی [1] رکانہ اس وقت تو مسلمان نہ ہوئے لیکن بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قال السهيلي في الروض الأنف: وركانة هذا ابن عبد يزيد، وتوفي في خلافة معاوية وهو الذى طلق امرأته البتة فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نيته فقال انما أردت واحدة فردها عليه ومن حديثه عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ان لكل دين خلقا وخلق هذا الدين الحياء ولابنه يزيد بن ركانة صحبة ايضا۔

معجزہ شق القمر

سورۃ القمر کی ابتداء میں فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ	قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا،
وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا	اور یہ لوگ اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۔ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا	کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو
اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۔	ابھی ختم ہو جانے والا ہے اور انہوں نے

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی ص۳۳۷

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ (۱ تا ۵)

جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا اور ہر بات قرار پانے والی ہے اور بلاشبہ ان کے پاس ایسی خبریں آئی ہیں جن میں باز آنے کے لئے عبرت ہے یعنی اعلیٰ درجے کی حکمت ہے۔ سو ڈرانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دے رہی ہیں۔

ان آیات میں انشقاق قمر یعنی چاند کے پھٹنے کا اور اہل مکہ کے عناد اور انکار کا تذکرہ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ان میں وہ معجزات بھی تھے جنہیں اہل مکہ نے خود طلب کیا تھا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ انہیں کوئی نشانی یعنی معجزہ دکھا دیں لہٰذا آپ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۲ ج ۲)

دوسری روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے آگیا آپ نے فرمایا کہ حاضر ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری ص ۲۱/۲)

سنن ترمذی (فی تفسیر سورۃ القمر) میں ہے کہ مکہ معظمہ میں چاند کے پھٹنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا جس پر سورۂ قمر کی شروع کی دو آیتیں نازل ہوئیں۔ تفسیر معالم التنزیل ص ۲۵۸ ج ۴ میں ہے کہ اس وقت تو قریش مکہ نے یہ کہہ دیا کہ ہم پر جادو کر دیا ہے پھر جب باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اس پر آیت کریمہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ نازل ہوگئی، سنن ترمذی میں ہے کہ (جب مسافروں سے تصدیق ہوگئی تو) ان میں بعض مشرکین نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر دیا۔ بہرحال چاند پھٹا حاضرین نے دیکھا مسافروں کو بھی پھٹا ہوا نظر آیا اور جو چیز انسانوں کے خیال میں نہ ہونے والی تھی وہ وجود میں آگئی اسی سے قیامت کا

وقوع سمجھ میں آجانا چاہیئے۔

معجزہ شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ ماثور و مروی ہے، دشمنانِ اسلام کو محض دشمنی کی وجہ سے اسلامی روایات کے جھٹلانے اور تردید کرنے کی عادت رہی ہے، انہوں نے معجزہ شق القمر کے واقع ہونے پر بھی اعتراض کر دیا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند پورے عالم پر طلوع ہونے والی چیز ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو دنیا کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ضروری تھا، یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے۔

اوّل تو اس زمانہ میں کتابیں لکھنے والے ہی کہاں تھے۔ تصنیف اور تالیف کا دَور نہیں تھا پھر کسی نے کوئی چیز لکھی ہو تو قرنوں گزر جانے تک اس کا محفوظ رہنا ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پریس اور کمپیوٹر بلکہ کاغذ کا زمانہ بھی نہ تھا اس سے بڑھ کر دوسری بات یہ ہے کہ چاند ہر وقت پورے عالم پر طلوع نہیں ہوتا کہیں دن ہوتا ہے کہیں رات ہوتی ہے، چاند شق ہوتے وقت جہاں کہیں دن تھا وہاں تو اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھو عرب میں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے اور امریکہ کا ظہور تو شق القمر کے صدیوں کے بعد ہوا۔ اسی طرح رات کے اوقات مختلف ہوتے ہیں کہیں اوّل رات ہوتی ہے کہیں درمیانی رات ہوتی ہے اور کہیں آخری شب ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ چاند مکہ معظمہ کے قریب منیٰ میں شق ہوا تھا یعنی وہاں کے حاضرین دیکھ سکتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنے کاموں میں تھے بہت سے سو رہے تھے بہت سے گھروں کے اندر تھے بہت سے دوکانوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ دیکھو آج رات چاند پھٹے گا، ان حالات میں لوگوں کو باہر آنے اور چاند پر نظر جمانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ چاند پھٹا تھوڑی دیر میں دونوں ٹکڑے ایک جگہ ہو گئے جن لوگوں کو اس کا پھٹا ہوا دکھانا مقصود تھا ان لوگوں نے دیکھ لیا، اگر سارا عالم دیکھ لیتا یا کم از کم سارا عرب ہی دیکھ لیتا اور پھر تاریخ لکھنے والوں تک خبر پہنچ جاتی جس پر

وہ یقین کر لیتے اور ان کی کتاب محفوظ رہ جاتی تو تاریخوں میں اس کا کوئی تذکرہ مل جاتا، جنہوں نے پھٹا ہوا دیکھا تھا انہیں تو اس کا یقین نہیں آیا کہ چاند پھٹا ہے اس کو انہوں نے جادو بتایا اور مسافروں کے کہنے سے کسی نے مانا بھی تو اسے پی گیا، اگر تسلیم کر لیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا پڑتا یہ انہیں گوارا نہ تھا، پھر کیوں وہ کتابیں لکھتے اور کیوں شہرت دیتے؟ یہ ایک صاحب بصیرت کے سمجھنے کی بات ہے۔ اگر کسی بھی تاریخ میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے پھر بھی معجزہ شق القمر کا تذکرہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے۔

دیکھئے سورج تو چاند سے بہت بڑا ہے لیکن ہر وقت پورے عالم میں وہ بھی طلوع نہیں ہوتا کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے۔ اس کے گرہن ہونے کی خبریں بھی چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں ملک میں گرہن ہوگا۔ بیک وقت پورے عالم میں گرہن نہیں ہوتا اور جہاں کہیں گرہن ہوتا ہے وہاں بھی ہزاروں آدمیوں کو خبر نہیں ہوتی کہ گرہن ہوا تھا پہلے سے اخبارات میں اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اس پر بھی سب کو علم نہیں ہوتا، اگر کسی سے پوچھو کہ تمہارے علاقہ میں کب گرہن ہوا اور کتنی بار ہوا تو پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں بتا سکتے اور وہ کونسی تاریخ کی کتاب ہے جس میں تاریخ وار سورج گرہن ہونے کے واقعات لکھے ہوں جب آفتاب کے گرہن کے بارے میں زمین پر بسنے والوں کا یہ حال ہے تو چاند کا پھٹنا جو ایک ہی بار ہوا اور عرب میں ہوا اور عشاء کے وقت ہوا اور ذرا سی دیر کو ہوا اور اسی وقت دونوں ٹکڑے مل گئے اور یہ دنیا کی تاریخوں میں نہیں آیا تو یہ کون سی ایسی بات ہے جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

بعض لوگوں نے خواہ مخواہ دشمنوں سے مرعوب ہو کر معجزہ شق القمر کا انکار کیا ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن واقع ہونے والا شق القمر مراد ہے۔ آیت کریمہ میں جو لفظ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ فرمایا ہے یہ ماضی کا صیغہ ہے تاویل کر کے اس کو خواہ مخواہ مستقبل کے معنی میں لینا بے جا تاویل ہے اور اتباع ہوئی ہے۔ پھر اگر آیت قرآنیہ میں تاویل کر لی جائے تو احادیث شریفہ جو صحیح اسانید سے مروی ہیں

ان میں تو تاویل کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔

جس ذاتِ پاک جَلَّتْ قُدْرَتُہٗ کی مشیت اور ارادہ سے نفخِ صور سبب شق القمر ہو سکتا ہے اس کی قدرت اور اذن سے قیامت سے پہلے بھی شق ہو سکتا ہے اس میں کیا بُعد ہے جو خواہ مخواہ تاویل کی جائے۔

عام الحزن ۱۰ نبوی کو عام الحزن غم کا سال کہا جاتا ہے کیونکہ چچا ابو طالب اور غم گسار اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال ہے۔ ابو طالب نے پہلے وفات پائی اور ان کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ مقام حجون میں (جو آج کل معلیٰ کے نام سے مشہور ہے) دفن کی گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتر کر بنفس نفیس ان کا جنازہ سپرد خاک کیا اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔

آپؐ کے چچا ابو طالب آپ پر بہت مہربان تھے اور بہت زیادہ شفیق تھے۔ انہوں نے آپ کے دادا کی وفات کے بعد بڑی محبت کے ساتھ آپ کی پرورش بھی کی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ آپؐ ان کی موت کے وقت ان کے پاس پہنچے وہاں مشرکین میں سے ابو جہل اور عبداللہ بن أبی امیہ موجود تھے۔ آپؐ نے ابو طالب سے کہا کہ تم میرے سامنے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی دے دو تمہاری اس گواہی کے ذریعہ سے بارگاہِ الٰہی میں تمہاری مغفرت کے لئے سفارش کر سکوں گا۔ جب دونوں مشرکوں نے اسلام کی طرف ابو طالب کا میلان دیکھا تو کہنے لگے۔

یَا أبَا طالب اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّۃِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟

اے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ رہے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر اپنی دعوت پیش کرتے رہے، دونوں مشرک جو حاضر تھے اپنی بات کہتے رہے۔ بالآخر ابو طالب نے آخری بات یہی کہی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے انکار کر دیا۔ آپؐ

نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ ۱۱۳) اور دوسری آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص ۵۶) نازل فرمائی (پہلی آیت میں مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمادیا اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اے نبیؐ آپ اپنی خواہش کے مطابق جسے چاہیں ہدایت دیں یہ آپ کی قدرت میں نہیں ہے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ والوں میں سب سے زیادہ ہلکے عذاب والا شخص ابوطالب ہے وہ (آگ کے) دو چپل پہنے ہوئے ہے جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھولتا ہے[2]

البدایہ والنہایہ (ص ۱۲۵ ج ۳) میں ابوداؤد الطیالسی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب میرے والد ابوطالب کی وفات ہوگئی تو میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے چچا کی وفات ہوگئی فرمایا کہ جاؤ اسے دفن کردو میں نے عرض کیا کہ حالتِ شرک میں اس کی موت آئی فرمایا جاؤ اسے مٹی میں چھپادو اور اس کے بعد کسی سے کوئی بات کئے بغیر میرے پاس آجانا۔ حکم کے مطابق میں آپؐ کے پاس حاضر ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ غسل کرو۔ البدایہ والنہایہ میں بحوالہ ابوداؤد اور نسائی حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے وہ وہ دعائیں دیں کہ ان کے عوض مجھے ساری زمین پر جو کچھ ہے اس کا لینا بھی منظور نہیں۔

قریش مکہ کا معاہدہ اور معاقدہ

جب قریش مکہ نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت آگے بڑھ رہی ہے ان کا دین پھیل رہا ہے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے عمر بن خطاب

[1] صحیح بخاری ص ۱۸۱ و ۷۰۳۔ [2] صحیح مسلم ص ۱۱۰ ج ۱

اور حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی مسلمان ہو چکے ہیں تو اب اس نئے دین سے چھٹکارے کا یہی راستہ ہے کہ جو شخص اس دین کو لے کر آیا ہے اسے قتل کر دیا جائے اس بارے میں انہوں نے جب پختہ مشورہ کر لیا تو مشرکین مکہ نے یہ طے کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی بنو ہاشم اور حضرات صحابہؓ) ان کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم ان کو قتل کر دیں ورنہ ان سب لوگوں سے مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے نہ ان سے کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح کا معاملہ کیا جائے نہ ان تک کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے دی جائے نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔

آپؐ کے چچا ابو طالب اور دوسرے بنی ہاشم نے (حالانکہ ان میں بہت سے مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے) آپ کو ان دشمنوں کے حوالہ کرنے پر راضی نہ ہوئے لہٰذا ان لوگوں نے ایک محضر نامہ (یعنی دستاویز) تیار کیا اور اس میں یہ لکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پورے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اور تمام مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جاتا ہے کوئی شخص نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچے نہ ان سے کچھ خریدے نہ ان سے نکاح کئے جائیں اور نہ ان کے ہاتھ کھانے پینے کی کوئی چیز بالکل نہ جانے دیں۔ یہ مضمون لکھ کر ان لوگوں نے کعبہ شریف کے اندر چھت میں لٹکا دیا تاکہ سب لوگ اس کا احترام کریں کوئی بھی خلاف ورزی نہ کر سکے منصور بن عکرمہ ایک آدمی تھا جس کے ہاتھ سے یہ دستاویز لکھی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کر دی جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ کی انگلیاں شل ہو کر رہ گئی تھیں۔

اس عہد نامہ پر عمل کرتے ہوئے مشرکین مکہ کوئی کھانے پینے کی چیز ان حضرات کے پاس نہیں جانے دیتے تھے ان میں سے کوئی شخص کوئی چیز نہیں خرید سکتا تھا، اور باہر سے جو لوگ کھانے پینے کا سامان لے کر آتے تھے اسے بھی وہاں تک نہیں جانے دیتے تھے بڑوں سے زیادہ بچوں کو تکلیف تھی بھوک کے مارے بچے روتے اور بلبلاتے تھے، دور تک ان کی آوازیں جاتی تھیں چھپ چھپا کر ذرا بہت کوئی کھانے پینے کی چیز ان حضرات تک پہنچ جاتی تھی تو کچھ کھا لیتے تھے۔

جب اس حالت پر تین سال گزر گئے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا کہ اے چچا جان ان لوگوں نے جو عہد نامہ لکھ کر کعبہ شریف کی چھت پر لٹکایا تھا اسے دیمک کھا گئی ہے اور اس میں صرف اللہ کا نام باقی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ ان کے اس عمل سے راضی نہیں اور یہ کہ جب معاہدہ کا کاغذ ختم ہو گیا تو وہ معاہدہ بھی ختم ہو گیا جو معاہدہ کے کاغذ میں لکھا گیا تھا)۔

یہ سن کر ابو طالب قریش مکہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ دیکھو میرے بھتیجے نے یہ بات کہی ہے اور اس نے کبھی بھی غلط نہیں کہا اور کبھی جھوٹی خبر نہیں دی، تم لوگ اس معاہدہ کے کاغذ کو نکال کر دیکھو ان لوگوں نے عہد نامہ کے کاغذ کو نکالا تو دیکھا کہ واقعی یہی بات ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی ہے وہ صحیح ہے۔ جب یہ بات سامنے آئی تو قریش کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے بھتیجے کا جادو ہے۔ ان لوگوں کے جواب میں بنی عبد المطلب کے بعض افراد نے مشرکین کو سمجھایا اور بتایا کہ ہم جادو کو کیا جانیں تم لوگوں نے جو قطع رحمی کر رکھی ہے یہ جادو کے قریب ہے[1] (یعنی جادوگر ایسی حرکتیں کیا کرتے ہیں) اس کے بعد شعب ابی طالب سے تو نکل گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں سے دشمنی اور زیادہ تیز کر دی۔

البدایہ والنہایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب قریش کے معاقدہ کے زمانے میں وہیں مصیبت کی جگہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور مصیبت میں مبتلا تھے اس موقعہ پر قریش کے چند افراد کو ان پر ترس آیا۔ ہشام بن عمرو موقع پا کر رات کے اوقات میں بنی ہاشم کے پاس (شعب ابی طالب میں) کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ پہنچا دیا کرتا تھا۔ اس نے زہیر بن ابی امیہؓ سے کہا کہ کیا تمہارا دل یہ گوارا کرتا ہے کہ تم کھاتے پیتے اور پہنتے رہو اور تمہاری عورتوں کے رشتے بھی ہوتے رہیں اور تمہاری ننھیال کے لوگ (بنی ہاشم) مصیبت میں رہیں نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ ج ۳

نہ ان سے کچھ خریدا جائے نہ ان سے نکاح کیا جائے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ ابو الحکم بن ہشام یعنی ابو جہل کے ننھیال والے ہوتے اور اس سے مطالبہ کرتے کہ اپنے ننھیال والوں سے ایسا سلوک کر تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا۔ زہیر نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں تنہا آدمی ہوں اگر کوئی میرے ساتھ ہوتا تو معاہدہ کو توڑ دیتا اور کاغذ کو ختم کر دیتا۔ ہشام نے کہا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں زہیر نے کہا ایک تیسرا بھی تلاش کرو۔ ہشام مطعم ابن عدی کے پاس گیا اور مطعم سے کہا کہ کیا تم اس پر خوش ہو بنی عبد مناف کے دو قبیلے ہلاک ہو جائیں اور تم قریش کی موافقت میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہو مطعم نے بھی یہی کہا کہ میں کیا کروں تنہا آدمی ہوں ہشام نے کہا کہ میں دوسرا ہوں اور زہیر تیسرا ہے مطعم نے کہا چوتھا شخص بھی تلاش کرو۔ اس کے بعد ابو البختری کو اپنے ساتھ ملایا پھر زمعہ بن اسود کو ساتھ ملایا یہ پانچ افراد ہو گئے انہوں نے کہا کہ حجون یعنی معلیٰ میں رات کو جمع ہوں گے اور اس بارے میں کوئی اقدام کریں گے رات کو معلیٰ میں جمع ہوئے پھر صبح کو زہیر نے کہا کہ میں بات کی ابتدا کرتا ہوں اوّل تو اس نے طواف کیا پھر قریشیوں سے خطاب کیا جو اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے کہ:

"اے مکّہ والو! ہم لوگ کھاتے پیتے اور کپڑے پہنتے ہیں اور بنو ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں نہ وہ کوئی چیز خرید سکتے ہیں نہ فروخت کر سکتے ہیں اللہ کی قسم میں آج اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک مقاطعہ والے صحیفہ کو پھاڑ نہ دوں اس صحیفہ میں قطع رحمی بھی ہے ظلم بھی ہے۔"

اس وقت ابو جہل بھی مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا وہ کہنے لگا کہ واللہ تو اسے چاک نہیں کر سکتا۔ اس پر زمعہ نے کہا کہ اللہ کی قسم تو سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ یہ صحیفہ جب لکھا گیا تھا ہم اس سے راضی نہیں تھے ابو البختری نے کہا واقعی زمعہ نے سچ کہا ہماری رضامندی کے بغیر لکھا گیا ہے۔ مطعم ابن عدی نے کہا تم دونوں نے سچ کہا اس کے علاوہ جو شخص کچھ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے ہم اس صحیفہ سے جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ابو جہل نے کہا کہ سمجھ میں آ گیا رات ان

باتوں کا مشورہ ہوا ہے ابوطالب بھی مسجد کے گوشے میں بیٹھے تھے مطعم ابن عدی نے کھڑے ہو کر صحیفہ مذکورہ کو ہاتھ میں لیا تو دیکھا کہ اس کو دیمک نے کھالیا ہے اس میں صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے بعض اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے صحیفہ پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اس میں صرف اللہ کا نام باقی ہے ظلم اور قطع رحمی اور بہتان والی سب چیزیں دیمک نے کھالی ہیں. اب جب مطعم ابن عدی نے ہاتھ میں لیا اور دیمک کے کھانے کا علم ہوا تو آپ کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ ابوطالب نے قریشیوں سے کہا تھا کہ دیکھو میرے بھائی کے بیٹے نے تمہارے صحیفے کے بارے میں ایسی ایسی خبر دی ہے چلو اس کو دیکھو اگر میرے بھتیجے کی خبر سچی نکلی تو ہماری قطع رحمی سے باز آجاؤ اور اگر بات صحیح نہ نکلی (العیاذ باللہ) تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے سپرد کر دوں گا قریش اس بات پر راضی ہو گئے تھے پھر جب صحیفہ کو دیکھا تو آپؐ نے جو خبر دی تھی اس کے مطابق پایا لہٰذا صحیفہ پھاڑ دیا گیا اور بنو ہاشم مقاطعہ کی مصیبت سے نجات پا گئے۔ یہ سنہ ۱۰ نبوی کی بات ہے اسی سال میں ابوطالب کی اور حضرت خدیجہؓ کی وفات ہو گئی لہ

صحیفہ مذکورہ کو قریش کے مشورہ سے لکھا گیا تھا۔ لکھا کس نے تھا اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ منصور بن عکرمہ نے لکھا تھا اور دوسرا یہ کہ نضر ابن حارث نے لکھا تھا جو بھی کاتب ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بد دعا دے دی تھی جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں شل ہو گئی تھیں۔

طائف کا سفر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ؐ اُحد کی جنگ میں جو آپ کو مصیبت و تکلیف پہنچی کیا اس سے بڑھ کر بھی آپ پر کوئی مصیبت کا دن گذرا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا اُحد میں جو کچھ ہوا وہ تو ہوا ہی تھا اور جو مصیبت مجھے

لہ البدایۃ والنہایۃ ص ۹۵، ۹۶ ج ۳ ۔

۲ہ سیرت ابن ہشام ص ۳۷۷ ج ۱ ۔

اس دن پہنچی تھی جبکہ میں طائف سے واپس ہو رہا تھا ایسی مصیبت کبھی نہیں اٹھائی، جس کا مفصّل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ابو طالب کے مرنے کے بعد اس امید پر تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے کہ قبیلہ ثقیف کے لوگ اسلام قبول کرلیں تو مسلمانوں کو ایک امن کی جگہ مل جائے گی اور مکّہ کی مصیبتوں سے چھٹکارا نصیب ہو گا جب آپؐ طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں سے ملے جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان سے آپؐ نے گفتگو فرمائی اور اللہ کے دین کی طرف بلایا اور اپنی مدد کی طرف متوجہ فرمایا اور قریش مکّہ کی بدسلوکی کا ذکر فرمایا۔ ان تینوں نے بجائے دین حق قبول کرنے کے آپ کو بُری طرح جواب دیا۔ عرب کی مشہور مہمان نوازی کا بھی خیال نہ کیا۔ ایک نے کہا۔ اوہو جناب ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے؟ دوسرا بولا تمہارے سوا کوئی اور اللہ کو نہ ملا جسے نبی بنا کر بھیجتا؟ تیسرے نے کہا۔ میں تم سے نہیں بولتا۔ کیونکہ اگر تم اپنے دعوے کے موافق نبی ہو تو تمہاری بات سے انکار کر دینا مصیبت سے خالی نہیں اور اگر تم جھوٹے ہو تو میں جھوٹے سے بات نہیں کرتا!

چونکہ آپؐ ہمّت و استقلال کے پہاڑ تھے اس لئے ان کی گفتگو سن کر ہمّت نہ ہاری اور وہاں کے دیگر باشندوں سے گفتگو فرمائی مگر کسی نے بھی آپ کی بات قبول نہ کی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپؐ سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ اور جہاں تمہاری چاہت ہو وہاں چلے جاؤ۔ جب آپؐ ان سے ناامید ہو گئے تو واپس ہوتے ہوئے ان سے فرمایا اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میرے یہاں آنے اور اپنے جواب دینے کی خبر مکّہ والوں کو نہ پہنچا ئیو! مگر انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور آپؐ کے پیچھے لڑکوں اور غلاموں کو لگا دیا جو کہ آپؐ کو گالیاں دیتے رہے اور آپؐ کے پیچھے بے تحاشا چیختے چلاتے رہے۔

جب آپؐ واپس ہوئے تو طائف والے آپؐ کے راستہ میں دونوں طرف صفیں بنا کر بیٹھ گئے۔ آپؐ چلتے ہوئے جو بھی قدم اٹھاتے یا زمین پر رکھتے تو وہ آپؐ کے قدموں پر پتھر مارتے جاتے تھے حتیٰ کہ آپؐ کے مبارک قدم لہو لہان ہو گئے

اور آپؐ کے مُبارک جُوتے بھی خون مبارک میں رنگ گئے۔

چلتے چلتے آپؐ (روحی فداہ وامی وآبائی) مقام قَرنُ الثَّعالب میں پہنچے، سر اٹھا کر دیکھا تو اوپر بادل نظر آیا۔ جو آپؐ پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ اس میں حضرت جبریل علیہ السّلام نظر آئے اور انہوں نے آواز دے کر کہا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوْهُ عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيْهِمْ ۔

یقیناً اللہ نے وہ سب کچھ سُنا جو آپ کی قوم نے آپ کو جواب دیا اور جو انہوں نے بُرے الفاظ کہے اور اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے منتظم فرشتہ کو بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو حکم دے کر ان لوگوں کو جو چاہیں سزا دلائیں۔

اس کے بعد ملک الجبال (پہاڑوں کے منتظم فرشتہ) نے آپؐ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد فرمائیں تعمیل کے لئے حاضر ہوں، اگر ارشاد ہو تو طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں تاکہ ان سب کا چورا ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

بَلْ أَرْجُوْ أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ۔

میں ان کو سزا دلانا نہیں چاہتا بلکہ اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا فرمادے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے[1]

فَهَلْ نَظَرَتْ عَيْنٌ كَمَثَلِ مُحَمَّدٍ رَؤُفًا عَلَى الْأَعْدَاءِ بَعْدَ التَّقَصُّرِ

طائف سے ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جگہ کھجور کے سایہ میں قیام فرمایا یہاں ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا باغ تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مظلومیّت کی حالت دیکھی تو اپنے غلام عداس سے کہا کہ یہ سامنے جو شخص بیٹھا ہے اسے یہ انگور دے آؤ۔ عداس نے آپؐ کے سامنے انگور رکھ دیئے آپؐ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بسم اللہ پڑھ

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۵۸، سیرت ابن ہشام الروض الانف

کر انگور کھانے شروع کئے۔ عداس نے آپؐ کی طرف خیریت سے دیکھا اور کہنے لگا کہ یہ تو ایسی بات ہے جسے یہاں کے لوگ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال فرمایا کہ تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ تمہارا کیا دین ہے؟

عداس نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے باشندے ہو؟

عداس نے کہا: "آپ کو کیا خبر ہے کہ یونس بن متی کون تھا اور کیسا تھا؟

آپؐ نے فرمایا:" وہ میرا بھائی ہے وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں"۔

عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا اور اس نے نبیؐ کا سر، ہاتھ، قدم چوم لئے۔

عقبہ و شیبہ نے دور سے غلام کو ایسا کرتے دیکھا اور آپس میں یہ کہنے لگے لو غلام تو خراب ہو گیا، ہاتھوں سے نکل گیا۔ جب عداس لوٹ کر اپنے آقا کے پاس گیا تو انہوں نے کہا "کمبخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اُس شخص کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگ گیا تھا"۔

عداس نے کہا آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی بھی نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے[1]

آپؐ نے طائف سے واپسی پر بے چینی کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کی:

اللّٰھم الیك اشکو ضعف قوتی و قلّة حیلتی و ھوانی علی الناس یا ارحم الرّاحمین انت ربّ المُستضعفین و انت ربّی الی من تکلنی الیٰ بعید یتجھمنی او الی عدو ملکته امری ان لم یکن علیّ غضبك فلا ابالی ولکن عافیتك ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۳

والآخرة من ان ینزل بی غضبك او یحل علی سخطك لك العتبی حتٰی ترضٰی ولا حول ولا قوۃ الا بك ۔

یا الٰہی میں اپنی کمزوری، بے بسی اور بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کے بارے میں آپ سے فریاد کرتا ہوں ۔ آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں اور آپ ضعیفوں کے رب ہیں اور میرے مالک ہیں ۔ آپ مجھے کس کے سپرد فرما رہے ہیں کیا ایسے بے گانہ کی طرف جو مجھے بُری طرح دیکھے یا ایسے دشمن کی طرف جس کو آپ نے مجھ پر قابو دے دیا ہے اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو مجھے کسی کی کچھ پرواہ نہیں ۔ آپ کی عافیت میرے لئے سب سے زیادہ وسیع ہے ۔ میں آپ کی ذات کے نور کے ذریعہ اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر آپ کا غضب ہو یا آپ کی ناراضگی مجھ پر نازل ہو، آپ کی ذات کے نور سے سب تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور میں آپ ہی کی رضامندی کا خواہشمند ہوں اور مجھے آپ ہی کی خوشنودی درکار ہے اور برائیوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کی طاقت آپ ہی کی طرف سے مل سکتی ہے [1]

طائف سے واپس ہو کر آپؐ نے مطعم ابن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ تم مجھے اپنی حمایت میں لے سکتے ہو تو لے لو ۔ مطعم نے پناہ دینا منظور کر لیا اور حرم شریف کے پاس آکر زوردار آواز میں اعلان کیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی ہے لہٰذا آپؐ حرم میں تشریف لائے اور امن و امان سے نماز ادا فرمائی [2]

حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں عداس کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اَشْھَدُ اَنَّكَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ پڑھا اور اسے صحابیت کا شرف نصیب ہوا ۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۳ ۔ [2] البدایہ ص ۱۳۷ ج ۳

جنّات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین تھے یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جنّات کی طرف بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنّات بھی ایمان کے مکلّف ہیں جس طرح بنی آدم میں کافر و مشرک اور مؤمن و مسلم ہیں اسی طرح جنّات میں کافر بھی ہیں اور مشرک بھی، نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنّات کا خدمت عالی میں حاضر ہونا اور آپؐ سے قرآن مجید سننا مذکور ہے۔

علمائے حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنّات کی آبادی میں تشریف لے گئے اور انہیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی، محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں۔ حضراتِ محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ اس وقت جنّات حاضر خدمت ہوئے جب آپؐ طائف سے واپس ہو کر مقام نخلہ میں رات گذاری اور وہاں نماز فجر ادا فرمائی۔ جنّات نے آپؐ کی تلاوت سنی اور اپنی قوم کے داعی بن کر چلے گئے۔

معالم التنزیل ص ۱۴۰، ج ۴ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنّات کو تبلیغ کریں، انہیں ایمان لانے کی دعوت دیں اور قرآن سنائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا البستی کے رہنے والے جنّات میں سے ایک جماعت کو آپؐ کے پاس بھیج دیا۔ آپؐ تشریف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ساتھ چلے گئے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے (المعلیٰ کے علاقہ کا پرانا نام الحجون ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کھینچ کر میرے لئے جگہ تجویز فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا، آپؐ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ آپؐ کے آس پاس گدھوں جیسی

چیزیں جمع ہوگئیں اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سُنیں، یہاں تک کہ مجھے آپؐ کی جان کا خطرہ ہوگیا۔ آپؐ کی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہوگئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جارہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فارغ ہوکر فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں نیند آگئی تھی میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جانِ عزیز کا خیال آرہا تھا بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تاکہ آپ کا حال معلوم کریں فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا، پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا۔ عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ نصیبین کے جنّات تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کچھ بطور خوراک تجویز فرما دیجئے لہٰذا میں نے ان کے لئے ہڈی اور گھوڑے وغیرہ کی لید، نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کردی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں اس پر اتنا ہی گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا، اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے سخت آوازیں سنیں یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنّات میں ایک قتل ہوگیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے وہ میرے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے، میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ہڈی کو جنّات کی خوراک اور مینگنی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا اور اس کی وجہ سے ان سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمادی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے آپؐ سے ملاقات نہ ہو سکی، فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری آپؐ نے فرمایا کہ جنّات کی طرف سے

ایک بُلانے والا میری طرف آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا اور ان کو قرآن مجید سنایا

سورۃ الاحقاف میں فرمایا:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ[1] (۲۹، ۳۰، ۳۱)

ترجمہ: ”اور جب ہم نے آپ کی طرف جنّات کی ایک جماعت کو پھیر دیا جو قرآن سننے لگے سو جب یہ لوگ قرآن کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے، کہنے لگے اے ہماری قوم بے شک ہم نے ایسی کتاب سُنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، وہ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں سخت عذاب سے بچا دے گا۔

کیا جنّات میں سے رسول آئے ہیں؟

سورہ انعام کی آیت شریفہ میں جو انسانوں اور جنّات کی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ فرمایا ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنّات میں بھی رسول انہی میں سے آتے رہے ہیں کیونکہ یہ خطاب انسانوں اور جنّوں دونوں

[1] جنّات نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور توریت شریف کا جو ذکر کیا اس سے بعض مفسرین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ جنّات جنہوں نے آپ سے قرآن مجید سنا پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو دینِ اسلام کی دعوت دی یہ لوگ یہودی تھے نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت جنّات کی طرف بھی تھی۔

جماعتوں کو فرمایا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں علمائے سلف کے مختلف اقوال نقل کئے۔ مفسر ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۷۱ بحوالہ ابن جریر ضحاک بن مزاحم سے نقل کیا ہے کہ جنات میں بھی رسول گذرے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کا استدلال اسی آیتِ کریمہ سے ہے پھر لکھا ہے کہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے ہاں محتمل ہے۔ کیونکہ مِنْكُمْ کا معنی من جملتکم بھی ہو سکتا ہے جس کا معنی ہو گا کہ مجموعہ انس و جن سے رسول بھیجے گئے جیسا کہ سورہ رحمٰن میں فرمایا ہے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ[۲۲]۔ اس میں مِنْهُمَا کی ضمیر بحرین کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ لؤلؤ اور مرجان صرف شور سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے مِنْهُمَا بمعنی مِنْ جملتهما ہوا اور رُسُلٌ مِّنْكُمْ سے بھی یہ معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جنات میں رسول نہیں آئے اور اس قول کو مجاہد اور ابن جریج وغیر واحد من الائمہ من السلف والخلف کی طرف منسوب کیا ہے اور روح المعانی ج ۸ ص ۲۸ میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رُسُلٌ مِّنْكُمْ میں جو لفظ رُسُل آیا ہے یہ لفظ عام ہے یعنی حقیقی رسولوں کو اور رسولوں کے رسولوں کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اللہ کے رسول تھے (صلی اللہ علیہم وسلم) وہ اپنے طور پر دین حق کے پہنچانے کے لئے جن افراد کو امتوں کے پاس بھیجا کرتے تھے ان کو بھی رسول فرمایا یعنی جنات کی طرف جنات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبلغ بھیجا کرتے تھے ان پر یہ لفظ رسولوں کا فرستادہ ہونے کے اعتبار سے صادق آتا ہے رسول تو بنی آدم ہی میں سے تھے لیکن رسولوں کے ارسال فرمودہ نمائندے جنات میں سے بھی تھے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بنی آدم سے پہلے اس دنیا میں جنات رہتے اور بستے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ قوم بھی احکام خداوندی کی مکلف ہے۔ جب یہ قوم مکلف ہے تو تبلیغ احکام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسول نہ بھیجے ہوں سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کا عموم اس بات کو بتاتا ہے کہ بنی آدم سے پہلے

(الفاطر: ۲۴)

جنّات میں انہیں میں سے رسُول آتے ہوں گے۔

بنی آدم کے زمین پر آباد ہو جانے کے بعد جنّات کو انہیں انبیاء و رسل کے تابع فرما دیا ہو جو بنی آدم میں سے آتے رہے تو یہ ممکن تو ہے لیکن قطعی ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ سورۃ الجن کے ابتداء میں فرمایا:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ (۱، ۲، ۳)

آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ جنّات کی ایک جماعت نے میری طرف بات سننے کے لئے دھیان دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

جو جنّات ایمان لے آئے سورۃ الاحقاف میں ان کا اجر و ثواب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا اور عذاب سے محفوظ فرما دے گا اس میں داخلہ جنّت کا ذکر نہیں ہے چونکہ مؤمن جنّات کے جنّت میں داخل ہونے کا کسی آیت کریمہ میں واضح اور صریح تذکرہ نہیں ہے اور کوئی حدیث مرفوع صحیح صریح بھی اس بارے میں نہیں ملتی اس لئے مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ جنّت میں داخل ہوں گے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ایمان کا صلہ بس یہی ہے کہ دوزخ سے محفوظ کر دیے جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ جیسا کہ جانوروں کے لئے یہی ارشاد ہوگا لہٰذا وہ مٹی ہو جائیں گے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں توقف فرمایا ہے جنت میں داخل ہونے نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حبشہ کو ہجرت جب مشرکین مکّہ نے بہت زیادہ ستایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور مشورہ سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ چھوڑ کر حبشہ چلے

گئے، حبشہ مکّہ معظمہ سے قریب ترین ملک ہے، اس وقت وہاں کا بادشاہ نصرانی تھا۔ وہ اس کا خیال رکھتا تھا کہ میری حکومت میں کسی پر ظلم نہ ہو، چنانچہ تراسی ۸۳ افراد نے مکّہ معظمہ سے حبشہ کو ہجرت کی ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمان بن عفان بھی تھے اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ رُقیہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) بھی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اللہ کے لئے ہجرت کی ہے، ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ زمانہ پاسپورٹ اور ویزے کا تو تھا نہیں وہاں پہنچ گئے اور رہنے لگے اور مشرکین مکّہ کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچتی تھیں ان سے نجات پائی۔

یہ حضرات حبشہ پہنچ کر امن و امان اور خیریت سے رہنے لگے لیکن کفّار مکّہ نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا، انہوں نے دو آدمی عبداللہ بن ابی ربیعہ (اور بعض روایات میں عمارہ بن الولید آیا ہے) اور عمرو بن العاص کو اس مقصد کے لئے بھیجا کہ جو صحابہ حبشہ میں آکر بس گئے ہیں وہاں سے ان کو واپس لائیں۔ یہ دونوں گئے اور نجاشی (شاہ حبشہ) اور وہاں کے نصاریٰ کے بڑے بڑے پادریوں کے لئے بہت سے تحفے لے گئے (یاد رہے کہ یہ دونوں آدمی جنہیں بھیجا گیا تھا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہو گئے) مشرکین مکّہ نے اپنے دونوں قاصدوں کو اچھی طرح سمجھا بجھا کر بھیجا کہ پہلے وہاں کے ہر پادری کو ہدیہ دینا اس کے بعد نجاشی کے پاس جانا اور اس کو ہدیے پیش کرنا پھر اس سے کہنا کہ اے بادشاہ ہمارے شہر مکّہ میں رہنے والے لوگوں میں سے کچھ ناسمجھ لڑکے یہاں آگئے ہیں انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا اور نیا دین نکالا ہے اس نئے دین کو نہ آپ جانتے ہیں نہ ہم پہچانتے ہیں اور ان لوگوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا ہماری قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ان کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دیں۔ ان دونوں نے حبشہ پہنچ کر مشرکین مکہ کی نصیحت کے مطابق عمل کیا۔

نجاشی (شاہ حبشہ) ان کی باتیں سن کر غصّہ میں بھر گیا اور اس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا کہ انہیں تمہارے حوالے کر دوں انہوں نے میرا پڑوسی ہونا میرے شہروں میں رہنا اختیار کیا ہے اور میرے علاوہ دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر مجھے ترجیح دی ہے۔ میں انہیں بلاتا ہوں۔ اس سے پوچھوں گا کہ دیکھو یہ دونوں آدمی تمہارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں اگر انہوں نے وہی بات کہی جو یہ کہہ رہے ہیں تو ان کے سپرد کر دوں گا اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہوئی تو میں ان کی حفاظت کروں گا اور پڑوسی ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔

اس کے بعد اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بلوایا جب اس کا ایلچی (قاصد) پہنچا تو ان حضرات نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ ہم وہی بات کہیں گے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے آگے جو کچھ ہونا ہو گا ہو جائے گا۔

یہ حضرات نجاشی کے پاس پہنچے اس نے پہلے سے عیسائی پادریوں کو بلا رکھا تھا جو صحیفے کھولے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان حضرات سے دریافت کیا کہ یہ کیا دین تھا جس کو چھوڑ کر تم اپنی قوم سے جُدا ہوئے اور نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ اور کسی دین کو اختیار کیا؟ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے بادشاہ ہم لوگ جاہلیت میں پھنسے ہوئے تھے بُتوں کی پوجا کرتے تھے مردار کھاتے تھے، فحش کام کرتے تھے قطع رحمی کرتے تھے ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو تکلیف پہنچاتا تھا اور جو قوی ہوتا تھا وہ ضعیف کو ہڑپ کر لیتا تھا۔ ہمارا یہی رنگ ڈھنگ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں میں سے ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو اور سچائی کو اور امانت داری کو اور پاکبازی کو ہم جانتے ہیں اس رسول نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام بتائے تاکہ ہم اس کو وحدہٗ لا شریک مانیں اور اس کی عبادت کریں اور جو کچھ ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے پتھروں اور بُتوں کو معبود بنا رکھا تھا اس کو چھوڑیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم سچ بولیں، امانت ادا کریں صلہ رحمی کریں، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، حرام چیزوں سے اور ناحق قتل کرنے سے دور رہیں انہوں نے ہمیں فحش باتوں اور فحش کاموں سے اور جھوٹی باتوں سے اور یتیم کا مال کھانے سے اور پاک عورتوں کو تہمت لگانے سے منع فرمایا اور ہمیں نماز کا اور روزے رکھنے کا حکم دیا (اس وقت یہ نفلی کام تھے بعد میں فرائض کے احکام میں نازل ہوئے) لہٰذا ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے اور اس نے جو کچھ فرمایا اور بتایا اس پر عمل کرنے لگے ہم نے توحید کو اختیار کر لیا اور شرک سے دور ہو گئے۔

جب ہم لوگوں نے سچا دین اختیار کر لیا تو ہماری قوم کے لوگ ہم سے ناراض ہو گئے ہم پر ظلم و زیادتی کرنے لگے ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور سچے دین سے ہٹانے کے لیے ہم پر زور ڈالنے لگے تاکہ ہم پھر سے بُتوں کی عبادت کرنے لگیں اور بُرے اعمال کرنے لگیں اور خبیث چیزیں کھانے لگیں۔

جب ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا اور بہت زیادہ زیادتی کی اور ہم پر جینا تنگ کر دیا اور اس کوشش میں لگ گئے کہ ہمیں دینِ حق سے ہٹا دیں تو ہم آپ کے شہروں میں آ گئے اور ہم نے دوسرے بادشاہوں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ کے پڑوس میں رہنا منظور کیا اس امید پر کہ ہم آپ کے پاس امن و امان کے ساتھ رہیں گے ہم پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہ سب باتیں سن کر نجاشی نے کہا کہ اچھا تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس میں سے تمہیں کچھ یاد ہے۔ حضرت جعفر نے کہا کہ ہاں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ نجاشی نے کہا تو کچھ مجھے سناؤ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کا شروع سے پڑھنا شروع کیا (یہ موقعہ شناسی کی بات ہے کہ چونکہ نجاشی نصرانی یعنی عیسائی تھا اس لئے اسے قرآن مجید میں سے حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہی کا ذکر سنانا وقت کا تقاضا تھا) جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے

سورۂ مریم پڑھنا شروع کیا تو نجاشی نے زار و قطار رونا شروع کر دیا اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اس کے پاس جو نصرانی دین کے علماء موجود تھے وہ جو اپنی کتابیں کھولے ہوئے بیٹھے تھے رو رو کر انہوں نے ان کتابوں کو بھی تر کر دیا نجاشی نے کہا کہ یہ اور وہ کتاب جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے یہ دونوں ایک ہی طاقچہ سے نکل رہے ہیں یعنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ پھر مکّہ والوں کے بھیجے ہوئے دونوں قاصدوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ اللہ کی قسم میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

جب مکّہ والوں کے دونوں قاصدوں نے یہ ماجرا دیکھا اور اپنا سا منہ لے کر نجاشی کے دربار سے باہر نکلے عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل کو ایسی تدبیر کروں گا کہ ان لوگوں کو جو ہری بھری جگہ مل گئی ہے یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا کہ ایسا نہ کرو آخر یہ اپنے ہی رشتہ دار اور عزیز و قریب ہیں اگرچہ دین میں ہمارے مخالف ہو گئے ہیں لیکن عمرو بن العاص نہ مانا صبح کو پھر نجاشی کے دربار میں گیا اور کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں بہت ہی زیادہ غلط بات کہتے ہیں ان کو بلا کر آپ پوچھئے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے۔ نجاشی نے ان کو بلوایا انہوں نے آپس میں کہا کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں کیا بتاؤ گے پھر آپس میں یہی طے ہوا کہ ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے فرمایا اور ہمارے نبیؐ نے بتایا آگے جو ہونا ہوگا ہو جائے گا جب یہ لوگ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ان حضرات سے پوچھا کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ حضرت جعفرؓ نے جواب میں فرمایا ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتایا وہ یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے اور اس کی روح ہے (جو اس نے مریم کی طرف بھیجی) اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا جو بالکل کنواری تھی اور مردوں سے بچ کر رہنے والی تھی۔

یہ سن کر نجاشی نے زمین پر اپنا ہاتھ مارا اور ایک چھوٹا سا لکڑی کا ٹکڑا اٹھایا اور

کہا اللہ کی قسم عیسیٰ ابن مریم بالکل ایسے ہی تھے جیسے انہوں نے بیان کیا ان کی شخصیت اس بیان سے اتنی بھی آگے نہ تھی جتنی میرے ہاتھ میں لکڑی ہے۔

چونکہ نصاریٰ میں یہ عقیدہ چلا آرہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اس لئے پادری لوگ جو وہاں موجود تھے ان کو بہت ناگوار گزرا نجاشی نے کہا کہ بات یہی ہے جو انہوں نے کہی ہے اگرچہ تم کتنا ہی ناک بھوں چڑھاؤ۔ اس کے بعد نجاشی نے صحابہؓ سے کہا کہ آپ لوگ جائیے میری سرزمین میں امن چین کے ساتھ رہیئے جو شخص تمہیں بُرا کہے گا اسے سزا بھگتنی ہوگی مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے اور تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے۔

نجاشی نے یہ کہا اور مکہ والوں کے دونوں قاصدوں کے ہدایا واپس کر دئے اور کہا کہ اللہ نے جب میرا ملک مجھے واپس کیا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی اب میں اللہ کے دین کے بارے میں رشوت کیسے لے سکتا ہوں؟ مجھے لوگوں کو راضی رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں جب یہ ماجرا پیش آیا تو دونوں آدمی (مکہ والوں کے قاصد) بُری طرح بدحالی کی صورت میں واپس آگئے۔

حضرات صحابہؓ جو ہجرت کر کے گئے تھے وہ سب وہاں امن وامان اور خیر و خوبی کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد یہ خبر پہنچی کہ مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں اس لئے بعض صحابہ واپس مکہ معظمہ آگئے اور بعض صحابہ وہیں حبشہ میں رہتے رہے جب حبشہ چھوڑ کر آنے والے حضرات مکہ معظمہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ خبر جھوٹی تھی اور یہاں مسلمانوں پر اور زیادہ سختی ہو رہی ہے۔ پھر ان میں سے بعض حضرات واپس حبشہ چلے گئے اور بعض حضرات مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے اور مصیبتیں برداشت کرتے رہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرما گئے اور پیچھے سے اکثر صحابہ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بعض ضعفاء اور عورتیں بچے رہ گئے تھے ۷ھ میں جب آپ فتح خیبر کے لئے تشریف لے گئے اور ابھی خیبر ہی میں تھے کہ حبشہ میں جو حضرات مقیم تھے وہ وہیں خیبر میں جا کر آپؐ سے مل

لئے پہلے تو وہ مدینہ منورہ آئے جب معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے خیبر تشریف لے گئے ہیں تو یہ حضرات بھی خیبر پہنچ گئے آپؐ نے ان حضرات کو بھی مالِ غنیمت میں سے حصّہ دیا۔

اب سورۃ المائدہ کی آیات ذیل مع ترجمہ پڑھیئے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ	ان کی آنکھوں کو اشکبار دیکھیں گے
تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ	حق کے پہچاننے کی خوشی میں وہ کہتے
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا	ہیں کہ اے رب ہم ایمان لائے ہمیں
مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا	بھی اس کے گواہوں میں لکھ لیجئے
فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۰	اور ہم کیوں نہ اللہ پر ایمان لائیں اور
وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا	جو ہمارے پاس حق آیا ہے ہم اس
جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ	کے آرزومند ہیں کہ ہمارا رب ہمیں
یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ	صالحین کے ساتھ جنّت میں داخل
الصّٰلِحِیْنَ ۰ فَاَثَابَهُمُ	کرے گا تو اللہ نے ان کی طلب کے
اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ	مطابق انہیں جنتوں میں داخل کیا جن
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ	کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اس
فِیْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۰	میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکو کاروں کا
(المائدہ ۸۲-۸۵)	یہی بدلہ ہے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیات حبشہ کے نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئیں بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ حضراتِ صحابہؓ جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے اور بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے بیان دیا اور سورۂ مریم پڑھ کر سنائی۔ اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے، ان آیات میں ان کا ذکر ہے لیکن بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا فرمانا ہے کہ سورۂ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور ہجرت حبشہ کا واقعہ مکہ معظمہ کے قیام ہی میں پیش

آیا تھا لہٰذا یہ آیات دربار کے ابتدائی حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی ملاقات سے متعلق نہیں ہوسکتیں۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس ہونے لگے تو نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا، وفد کے اراکین میں نجاشی کا بیٹا بھی تھا۔

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی خدمت میں تحریر کیا کہ یارسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کرلی اور میں نے اللہ تعالےٰ کی اطاعت قبول کرلی ہیں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور اگر آپ کا فرمان ہو تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں والسلام علیک یارسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی پر سوار ہوئے تھے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں باسٹھ حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وصحبہ وسلم نے اوّل سے آخر تک سورۂ یٰس سنائی۔ قرآن مجید سن کر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ بالکل اس کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوتا تھا۔ اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ "وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى" (المائدۃ: ۸۲) نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی[1]

نصاریٰ نجران کا اسلام قبول کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کا کام جاری تھا مشرکین مکّہ کی مخالفت اور دشمنی اور ایذا رسانی کے باوجود اسلام

---

[1] معالم التنزیل ص ۵۶، ۵۷ ج ۲

پھیل رہا تھا جو لوگ باہر سے آکر مسلمان ہوئے ان میں نجران کے نصاریٰ کا تذکرہ بھی ملتا ہے ۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف رکھتے تھے کہ بیس افراد کے لگ بھگ نصاریٰ کی جماعت حاضر خدمت ہوئی ان لوگوں کو آپؐ کی بعثت کی اطلاع حبشہ سے آنے جانے والی خبروں کے ذریعہ پہنچی تھی ۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے ۔ جب آپؐ نے ان کے سوالات کے جوابات دے دیئے تو آپؐ نے انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور قرآن شریف پڑھ کر سنایا ۔ قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ آپؐ کی تصدیق کی اور آپؐ پر ایمان لائے اور انہوں نے یہ مان لیا کہ ان کی کتابوں میں جو آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی ان کے بیان کردہ اوصاف آپ میں پوری طرح موجود ہیں ۔

جب آپؐ کی خدمت سے رخصت ہو کر روانہ ہونے لگے تو ابوجہل اور اس کے چند ساتھی ان کی طرف آگے بڑھے اور ان سے کہا کہ تم تو بڑے خراب مسافر نکلے تمہارے دین والوں نے تمہیں اس لئے بھیجا تھا کہ تم اچھی طرح اس شخص کی خبر لے کر واپس پہنچو ابھی تم ٹھیک سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور اس آدمی کی تصدیق کر دی ہم نے کوئی ایسا مسافر نہیں دیکھا جو تم سے بڑھ کر احمق ہو یہ سن کر نجران سے آنے والے نئے مسلمانوں نے جواب میں کہا :

سلام علیکم لا نجاھلکم لنا مانحن علیہ ولکم ما انتم علیہ لم نأل انفسنا خیرًا ۔

(تم اپنی جگہ خوش رہو ہم تمہاری جہالت کا جواب نہیں دیتے ۔ ہمیں اپنے دین پر چلنے کا ثواب ملے گا اور تمہیں تمہارے دین پر چلنے کا بدلہ ملے گا ۔ ہم نے جو کچھ کیا سوچ سمجھ کر کیا اور اپنے حق میں خیر کو اختیار کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً

(النساء : ۱۰۰)

*

ہجرت کی ضرورت اور اہمیّت

غیر دینی ماحول میں رہنے والوں کو تنبیہ

اور

مہاجرین کے لئے

مدد کے وعدے

*

ہجرت کی مشروعیت اور اہمیت
اور
احوال حاضرہ کے مطابق اس کے احکام

ابتدائے اسلام میں جبکہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا رہنا دوبھر تھا اور احکام شرعیہ پر عمل نہیں کر سکتے تھے اور مدینہ منورہ امن و امان کی جگہ نصیب ہوگئی تھی اس وقت اہل مکہ کو اور جو لوگ دوسرے علاقوں میں رہتے تھے ان پر ہجرت کرنا فرض تھا۔ پھر جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاھجرۃ بعد الفتح کہ مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت فرض نہ رہی، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ولکن جہاد و نیۃ (لیکن جہاد اور نیت باقی ہے)

واذا استنفرتم فانفروا[1]

اور جب تمہیں فی سبیل اللہ نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل کھڑے ہو۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"الجهاد واجب عليكم مع كل أمير، برًّا كان أو فاجرًا والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم، برًّا كان أو كان فاجرًا، وإن عمل الكبائر، والصلاةُ واجبة على كل مسلم، برًّا كان او فاجرًا، وإن عمل الكبائر[2]"

ترجمہ: جہاد تم پر واجب ہے ہر امیر کے ساتھ نیک ہو یا بد ہو اور نماز باجماعت واجب ہے تم پر ہر مسلمان کے پیچھے نیک ہو یا بد ہو اگرچہ کبیرہ گناہ کرتا ہو اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ واجب ہے نیک ہو یا بد ہو اگرچہ کبیرہ گناہ کرتا ہو۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ ابوداؤد۔

رہی ہجرت کی بات تو ہجرت ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر علاقہ میں فرض نہیں ہوتی البتہ مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ یہ نیت رکھیں کہ جب بھی دینی تقاضوں کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑے گا تو چھوڑ دیں گے، ہر شخص غور کرلے کہ کس ملک میں ہے کس حال میں ہے اسلامی احکام پر چل سکتا ہے یا نہیں یا دینی احکام پر عمل کرنے میں کچھ رکاوٹیں ہیں ہر جگہ حالت یکساں نہیں رہتی، احوال بدلتے رہتے ہیں، جن میں ہجرت کرنا فرض ہوجاتا ہے، انقلابات کے مواقع میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان کافروں کے علاقے میں رہ جاتے ہیں باوجود موقعہ پانے کے، گھر در مال جائیداد یا رشتہ داریوں کی محبت میں اپنے جائے پیدائش ہی میں جمے رہتے ہیں، اذان بھی نہیں دے سکتے، لیکن حُبِّ دنیا ان کو وطن نہیں چھوڑنے دیتی۔ ایسے لوگ ترک ہجرت سے گنہگار ہوتے ہیں، ان پر ہجرت فرض ہوتی ہے جس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

بعض مرتبہ مؤمن بندے کفر کے ماحول سے جان چھڑانے کے لئے خود سے وطن چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بعض مرتبہ اہلِ کفران کو وطن سے نکال دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں پر ہجرت صادق آتی ہے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے ساتھ بہت سے صحابہؓ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور بھی مختلف علاقوں سے صحابہ کرامؓ ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس کے بعد بھی مختلف ادوار اور مختلف ازمان میں ہجرت کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔

۱۳۶۶ھ میں مشرقی پنجاب میں اس طرح کے واقعات پیش آگئے تھے اور اب بھی یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے علاقوں میں ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہوجاتا ہے جب کوئی شخص اللہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کرے گا تو اس کے لئے اللہ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا جیسا کہ آئندہ آیت میں وعدہ فرمایا ہے۔ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ کے لئے ہو۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تمام مؤمنین کے لئے اسوۂ حسنہ

ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے حالات اور معاملات میں ایسی چیزیں پیش آئیں جو آپؐ کے لئے تکلیف کا باعث تھیں یہ تکلیفیں بنفس نفیس آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے برداشت کیں اور بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ چھوڑ گئے، کافروں سے جہاد کرنا ان کے حملوں کا جواب دینا جہاد کے لئے سفر کرنا دشمنوں پر دھاک بٹھانا اسفار میں تکلیفیں پہنچنا بھوک اور پیاس سے دوچار ہونا یہ سب چیزیں احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔

دین اسلام کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے محنتیں کیں اور تکلیفیں اٹھائیں ان میں سے ہجرت بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے آپؐ کا خاندان نسب کے اعتبار سے بلند مانا جاتا تھا اور خاندان کے بڑوں کے پاس بڑے بڑے عہدے بھی تھے جو اہل عرب میں مشہور تھے۔ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ میں بڑے ہی محبوب تھے لیکن جب آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور بتوں کی عبادت چھوڑنے کے لئے فرمایا تو یہ لوگ آپؐ کے دشمن ہوگئے ان کی دشمنی کی تفصیلات مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام کے حالات میں مذکور ہیں (اس کتاب کے باب دوم کا دوبارہ مطالعہ کرلیا جائے)

مشرکین مکہ نے آپؐ کو اور اسلام قبول کرنے والے حضرات کو (خاص کر جو اُن میں دنیا کے اعتبار سے ضعیف تھے) ایذاء دینے اور تکالیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی، اللہ پاک نے مدینہ کے رہنے والے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمادیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ تشریف لانے کی درخواست پیش کی، آپؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لے کر سفر ہجرت کے لئے روانہ ہوئے اور پھر وفات پانے تک وہیں قیام فرمایا۔

ذیل میں چند آیاتِ قرآنیہ درج کی جاتی ہیں جن میں ہجرت کا ذکر ہے اور مہاجرین

کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور غیر معذور کو ہجرت نہ کرنے پر توبیخ ہے اور عذاب کی وعید ہے۔

ہجرت کا ثواب

چونکہ ہجرت میں بہت سخت تکلیف ہوتی ہے آبائی وطن چھوڑنا پڑتا ہے اموال دشمنوں کے قبضہ میں رہ جاتے ہیں، جائیدادوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں، اعزہ و اقربا جدا ہو جاتے ہیں اس لئے اس بڑے عمل کا ثواب بھی بہت بڑا ہے۔

سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں فرمایا:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ؁ (۱۹۵)	سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انہیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انہوں نے قتال کیا اور مقتول ہوئے میں ضرور ان کی خطاؤں کا کفارہ کر دوں گا اور ضرور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ انہیں بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے)۔

اور سورۂ بقرہ میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۱۸)	بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اور سورہ توبہ میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ

وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ. (۲۰)

کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے درجے والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب بامراد ہیں۔

اور سورہ نحل میں فرمایا :

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۱)

جن لوگوں نے اللہ کے لئے ہجرت کی اس کے بعد کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ لیتے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہجرت اور جہاد دونوں کی شریعتِ اسلامیہ میں بڑی اہمیّت ہے۔ پردیس میں نیا نیا پہنچنے کی وجہ سے ابتداءً کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ اور بات ہے لیکن جلد ہی رحمت اور برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی منافع ملنے لگتے ہیں اور معاش میں بھی فراوانی ہو جاتی ہے حضراتِ صحابہؓ نے مکّہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منوّرہ کو ہجرت کی تھی۔ چند سال بعد مکّہ معظمہ بھی فتح ہو گیا۔ خیبر فتح ہوا بہت سے علاقے قبضے میں آئے بڑی بڑی جائیدادیں ملیں، اموالِ غنیمت ہاتھ آئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مصر، شام، عراق فتح ہوئے جو حضرات مکہ میں مجبور اور بے کس تھے ان کو بڑے بڑے اموال ملے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہجرت اور جہاد سے کایا پلٹ جاتی ہے اور مسلمان نہ صرف یہ کہ ثوابِ آخرت کے اعتبار سے (جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی) بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی، ہجرت اور جہاد کی وجہ سے عزت اور شرف اور کافروں پر غلبہ اور مالداری اور غلام اور باندیوں کی ملکیت کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کرلوں۔ آپؐ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ سکیڑ لیا۔ آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میں شرط لگانا چاہتا ہوں فرمایا کیا شرط لگاتے ہو؟ میں نے عرض کیا یہ شرط لگاتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے، آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اسلام ان سب خطاؤں کو ختم کر دے گا جو اس سے پہلے ہوئیں اور بے شک ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بے شک حج ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے (بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کئے ہوں اور حقوق العباد ذمّہ نہ ہوں۔ ہجرت اور حج کے ذریعہ صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد کی ادائیگی حسب سابق لازم رہتی ہے)

اخلاص کی ضرورت

ہر عمل میں اخلاص کی ضرورت ہے یعنی جو بھی عمل کیا جائے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو، جہاد اور ہجرت دونوں بڑے اعمال ہیں ان کے لئے بھی اخلاص کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا مدار نیّتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیّت کی سو جس کی نیّت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے (سو اللہ کے نزدیک بھی) اس کی ہجرت اللہ اور رسولؐ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہے تاکہ اس میں سے کچھ مل جائے یا کسی عورت کی طرف ہے تاکہ اس سے نکاح کرلے (تو اللہ کے نزدیک بھی) اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کی اس نے ہجرت کی۔

(رواہ البخاری ومسلم وآخرون)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے سوال کیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لئے لڑائی لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے اس کی شہرت ہو اور ایک شخص اس لئے لڑتا

ہے کہ لوگوں کو اس کی بہادری کا پتہ چل جائے ان میں فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا فی سبیل اللہ لڑنے والا وہ ہے جو اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۴)

احادیث میں صاف بتادیا گیا ہے کہ ہر عمل اللہ کی رضا کے لئے ہو اگر بظاہر عمل صالح ہو لیکن اس میں نیت اللہ کی رضا نہ ہو تو وہ وبال ہوگا بلکہ آخرت میں عذاب کا سبب بنے گا۔ عورت کا ذکر بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا جسے ام قیس کہا جاتا تھا اس عورت نے انکار کیا اور نکاح ہونے کے لئے ہجرت کرنے کی شرط لگائی۔ اس شخص نے ہجرت کرلی۔ اس عورت سے نکاح کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ اسے مہاجر ام قیس سے یاد کرتے تھے [1]

اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں

ہجرت کس لئے کی جائے، اس لئے کہ اللہ کے دین پر چل سکیں،

احکام اسلام بجالانے میں جو دشمن رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ رکاوٹ دور ہو جائے اور اہل ایمان میں پہنچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ دینی کاموں میں لگ سکیں۔ صرف وطن چھوڑ دینا ہی ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کو شعار بنایا جائے۔ صحیح بخاری ص ۶ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المهاجر من هجر مانهى الله عنه (حقیقی مہاجر وہ ہے جو اُن چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے)۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ای الهجرة افضل (کون سی ہجرت افضل ہے) آپؐ نے فرمایا اَنْ تَهْجُرَ مَاكَرِهَ رَبُّكَ کہ تُو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناگوار ہوں [2]۔ کافروں سے جہاد تو کرلیا

---

[1] رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر باسناده رجاله ثقات کمافی حاشیة البخاری ص ۲

[2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶ -

خود گناہوں میں مبتلا ہیں نفس سے مقابلہ نہیں کر سکتے، وطن چھوڑ کر مہاجر تو بن گئے لیکن گناہ نہیں چھوڑتے اس سے ایمانی تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب[1] (مجاہد وہ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں کو اور خطاؤں کو چھوڑ دے)

فی سبیل اللہ ہجرت کرنیوالوں کے لئے وعدے

وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	اور جو شخص اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے
یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا	وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا
وَّ سَعَۃً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ	اور اُسے بہت کشادگی ملے گی اور جو شخص
بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ	اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف
وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ	ہجرت کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہو پھر
فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ	اس کو موت آپکڑے تو یقینی طور پر اس
وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝	کا ثواب اللہ کے ذمّہ ثابت ہو گیا اور
(النساء : ۱۰۰)	اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

لباب النقول ص ۹۰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب نے ہجرت کی نیّت سے نکلنے کا ارادہ کیا اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے سواری پر سوار کر دو اور مشرکین کی سرزمین سے نکال دو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاؤں۔ جب وہ روانہ ہو گئے تو راستہ میں موت آ گئی آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکے آپؐ پر وحی کا نزول ہوا اور آیت بالا نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ ابو ضمرہ زرقی کا نقل کیا ہے وہ مکّہ معظمہ میں مشرکین میں پھنسے ہوئے تھے۔ جب آیت کریمہ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵

(النساء:۹۹)

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں میں نکلنے کی تدبیر کر سکتا ہوں لہٰذا انہوں نے ہجرت کا سامان تیار کیا اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ان کو مقام تنعیم میں موت آگئی (جو حرم سے قریب تر جگہ ہے) اس پر آیتِ بالا وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ نازل ہوئی اور ایک واقعہ خالد بن حزام کا لکھا ہے وہ حبشہ سے (مدینہ منورہ آنے کے لئے) روانہ ہوئے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس کی وجہ سے موت ہوگئی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب لباب النقول نے اسی طرح کا ایک واقعہ اکثم بن صیفی کا بھی نقل کیا ہے۔ کسی آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ سبب نزول اگرچہ وہ واقعات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے لیکن آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس میں واضح طور پر یہ اعلان فرما دیا کہ جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لئے نکل کھڑا ہو اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو دین ایمان کو بچانا چاہتا ہو تو اس کا یہ سچی نیّت سے نکل کھڑا ہونا ہی باعث اجر و ثواب بن گیا اگرچہ وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اس کو پہنچنا تھا۔ راستے میں موت ہو جانے کی وجہ سے مقصد ظاہری تک تو نہ پہنچ پایا لیکن حقیقی مقصد حاصل ہوگیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب لکھ دیا گیا اور اس کی ہجرت منظور ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مغفرت والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

کافروں کے درمیان رہنے والوں کو تنبیہ

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ	بے شک فرشتے جن لوگوں کی جان
الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ	ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ انہوں
قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا	نے اپنی جان پر ظلم کر رکھا تھا ان سے
مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ط	فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ (النساء : ۹۷، ۹۸، ۹۹)

وہ کہتے ہیں کہ ہم بے بس تھے زمین میں، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ترک وطن کرکے دوسری جگہ چلے جاتے، سو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ کوئی تدبیر کرسکیں اور نہ راستے سے واقف ہوں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

صحیح بخاری ص ۶۶۱ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا (انہوں نے ہجرت نہ کی تھی) وہ مشرکین ہی کے ساتھ رہتے تھے، مشرکین کی جماعت کی تکثیر کرتے تھے (مشرکین کہیں جنگ کرنے جاتے تو یہ بھی ساتھ چلے جاتے تھے جس سے مشرکین کی جماعت میں اضافہ ہو جاتا تھا)۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو بعض مرتبہ تیر لگ جاتا تھا جس سے قتل ہو جاتے تھے یا تلوار وغیرہ سے مقتول ہو جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

لباب النقول ص ۶۹ میں نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو ان لوگوں کو ہجرت کرنا گوارا نہ ہوا (اور اپنے جان و مال پر) خوف کھانے لگے اس پر اللہ تعالےٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ دونوں باتیں سبب نزول ہوسکتی ہیں۔ آیت شریفہ میں اس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہجرت کے مواقع میسر ہونے کے باوجود ہجرت نہ کرے اپنے دین و ایمان اور اعمالِ اسلام کے لئے فکرمند نہ ہو اور کافروں ہی میں گھسا رہے۔ اوّل تو ایسے لوگوں کو ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ فرمایا کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم

کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے۔ دین کے ضروری کام کیوں نہیں بجالاتے تھے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارا رہنا سہنا ایسی سرزمین میں تھا جہاں ہم مغلوب تھے اس لئے بہت سی ضروریات دین پر عمل نہ کرسکتے تھے۔ فرشتے جواب میں کہتے ہیں اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا کیا اللہ کی زمین وسیع اور کشادہ نہ تھی، تم ترک وطن کرکے کسی دوسری جگہ چلے جاتے وہاں فرائض ادا کرتے۔ مزید فرمایا کہ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ (ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) یہ وعید ترک فرض کی وجہ سے ہے۔

پھر ضعفاء کے بارے میں فرمایا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ اس میں یہ بتایا کہ جو مرد اور عورتیں اور بچے کافروں میں پھنس جائیں وہاں مغلوب ہوں ہجرت سے عاجز ہوں کوئی تدبیر سامنے نہ ہو اور راستہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں جائیں اور کیا کریں تو ایسے لوگ مواخذہ سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا (ص۶۶۰ صحیح بخاری) ان کے علاوہ اور متعدد صحابہ تھے جو مکہ مکرمہ میں پھنسے ہوئے تھے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اور کافروں کے ماحول میں مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قنوت نازلہ میں دعا کیا کرتے تھے اُن میں عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کے اسماء گرامی روایات میں آتے ہیں۔

آخر میں فرمایا فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا کہ اللہ جل شانہٗ ان مستضعفین مغلوبین پھنسے ہوئے لوگوں کو معاف فرمادے گا وہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ صاحب روح المعانی ص۱۲۶ ج۵ لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ ہجرت کا چھوڑ دینا بڑے خطرہ کی چیز ہے یہاں تک کہ مجبور حال جس پر ہجرت فرض نہیں اس کا ہجرت چھوڑ دینا بھی اس درجے میں ہے کہ اس کو گناہ شمار کرلیا جائے کیونکہ معافی گناہ سے متعلق ہوتی ہے۔ ایسے مجبور حال کو بھی چاہیئے کہ موقعہ کی تلاش میں رہے اور اس کا دل ہجرت کے خیال میں لگا رہے۔ جیسے ہی موقعہ ملے روانہ ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً
عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ

حج کے موقع پر
انصارِ مدینہ کا آپ سے بیعت کرنا
اور
آپ کو مدینہ منورہ میں
تشریف لے جانے کی دعوت دینا

ہجرت کے اسباب اور دواعی ،
مدینہ طیبہ کا انتخاب ، سفرِ ہجرت کے واقعات
قبار میں قیام ، مسجد قبار کی تعمیر
شہر مدینہ کے لئے روانگی
حضرت ابو ایوب رضؓ کے مکان میں قیام
مسجد نبوی کی تاسیس
اور حجرات شریفہ کی تعمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں حج کے لئے آنے والے افراد اور جماعتوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں دو قبیلے رہتے تھے، ایک اوس اور ایک خزرج اور دو بڑے قبیلے یہود کے رہتے تھے بنی نضیر اور بنی قریظہ، آپس میں چشمک رہتی تھی، لڑائی بھی ہو جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا جو سلسلہ جاری تھا اسی سلسلہ میں آپؐ نے حج میں آئے ہوئے خزرج کے چند افراد سے ملاقات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی، یہ چھ افراد تھے، ان لوگوں نے آپس میں کہا ارے میاں ہم کو تو یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں یہودی کہتے رہتے ہیں کہ اگر وہ آجائیں گے تو ہم اُن سے مل کر تم سے جنگ کریں گے، بہتر یہی ہے کہ ہم آپؐ کی بات مان لیں اور آپؐ کا دین قبول کرلیں، ایسا نہ ہو کہ یہودی دینِ حق کے قبول کرنے میں تم سے آگے بڑھ جائیں، انہوں نے باہمی مشورہ کیا اور اسلام قبول کرلیا، جب مدینہ منورہ واپس پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دی، حتیٰ کہ وہاں اسلام کا خوب چرچا ہوگیا اور انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا خالی نہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔

العقبۃ الأولیٰ

آئندہ سال بارہ افراد نے حج کے موقع پر منیٰ کی گھاٹی میں آپؐ سے ملاقات کی اور آپؐ سے بیعت کی اس کو "بیعۃ العقبۃ الأولیٰ" کہا جاتا ہے۔ ان بارہ افراد

کے نام سیرت ابن ہشام میں لکھے ہیں جن میں قبیلہ خزرج کے افراد بھی تھے اور بنی اوس کے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان امور پر بیعت لی جو سورۃ الممتحنہ کی آیت "یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ" میں مذکور ہیں جس میں مندرجہ ذیل امور پر بیعت کا ذکر ہے۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔
(۲) چوری نہیں کریں گے۔
(۳) زنا نہیں کریں گے۔
(۴) اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
(۵) کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھیں گے۔
(۶) اور نیک کام میں آپؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی کہ ہم تنگ دستی و آسانی میں اور خوشی میں اور ناگواری میں بات سنیں گے اور فرماں برداری کریں گے اور اس بات میں بھی فرمانبرداری کریں گے کہ ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے، اور اس بات پر بھی ہم بیعت کرتے ہیں کہ جو لوگ امیر ہوں اُن سے امارت نہیں چھینیں گے اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق بات کہیں گے اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ از بخاری و مسلم)

یہ بارہ حضرات بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیج دیا وہ انہیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور احکامِ اسلام سکھاتے تھے، دینی مسائل سمجھاتے اور نماز باجماعت پڑھاتے تھے، مدینہ منورہ میں ان کا لقب المقریٔ مشہور ہو گیا تھا، ان کا قیام اسد بن زرارہؓ کے پاس تھا، اہلِ مدینہ کو سب سے پہلا جمعہ

بھی حضرت مصعب بن عمیرؓ نے پڑھایا تھا۔

العقبة الثانية

آئندہ سال جو لوگ مدینہ منورہ سے حج کے لئے آئے وہیں منیٰ کی گھاٹی (عقبہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، انہوں نے عرض کیا کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں، یہ حضرات تہتر ۷۳ افراد تھے اور دو خواتین تھیں۔ آپؐ کے چچا عباسؓ بھی اس وقت وہاں موجود تھے، انہوں نے محسوس کر لیا کہ آپؐ انصارِ مدینہ کی دعوت پر مدینہ منورہ جانا منظور کر چکے ہیں اس لئے ایک چچا ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ایک ہمدردانہ بات کی، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہمارے یہاں جو مرتبہ ہے اور جو حیثیت ہے وہ تم جانتے ہو، لوگ ان کے مخالف ہیں، لیکن پھر بھی، ہمارے اندر رہتے ہوئے وہ محفوظ ہیں انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہارے پاس پہنچ جائیں، اب تم دیکھ لو اپنے وعدہ کے مطابق ان کی حفاظت کر سکتے ہو؟ اس سلسلہ میں تکلیف اٹھا سکتے ہو تو لے جاؤ، اور اگر تم حفاظت نہیں کر سکتے تو ان کو ابھی سے یہیں چھوڑ دو، کیونکہ وہ اپنے شہر میں اپنی قوم میں محفوظ ہیں۔ انصار نے جواب میں کہا ہم نے تمہاری بات سن لی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔ بہرحال آپؐ نے قرآن مجید کی تلاوت کی اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی رغبت دی اور فرمایا میں تم سے بیعت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، وہاں براء بن معرور بھی تھے انہوں نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیعت فرمائیے، ہم آپؐ کی پوری طرح حفاظت کریں گے، ہم لڑائیوں کے میدانوں میں اترنے والے ہیں، ہتھیار والے ہیں، یہ چیزیں ہمیں اپنے بڑوں کی میراث میں ملی ہیں۔ ابھی براء

ابن معرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان بول پڑے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان معاہدے ہیں (اس سے یہود کے معاہدے مراد تھے) ہم آپ سے بیعت ہوکر آپ کو بلاکر اُن سب سے کٹ جائیں گے ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ دے دے تو آپ اپنی قوم میں چلے جائیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔ یہ سن کر آپؐ مسکرائے اور آپؐ نے فرمایا میں پوری طرح تمہارے ساتھ رہوں گا۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو جس سے تمہاری لڑائی اس سے میری لڑائی اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری بھی صلح ہوگی۔[1]

اس سلسلہ میں عباس بن عبادہ انصاری کا سوال جواب بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ جب انصار مدینہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے جمع ہوئے تو عباس بن عبادہ نے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ تم کن چیزوں پر بیعت کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کس بات پر بیعت کر رہے ہیں، عباس بن عبادہ نے کہا کہ دیکھو تم لوگ جو اس شخص سے بیعت ہو رہے ہو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمہیں گوروں سے اور کالے لوگوں سے جنگ کرنی پڑے گی، سو اگر تم سمجھتے ہو کہ جب تمہارے اموال ختم ہو جائیں اور بڑے لوگ قتل ہو جائیں تو اس وقت ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دو گے، تو ابھی سے سمجھ لو اور بیعت ہونے کا خیال چھوڑ دو، اگر تم نے بیعت ہونے کے بعد آپ کو بے یار و مددگار چھوڑا تو تمہیں دنیا و آخرت کی رسوائی بھگتنی پڑے گی، اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اپنی بیعت کو پورا کر دو گے خواہ اموال ختم ہوں خواہ اشراف قتل ہوں تو بیعت کر لو، اللہ کی قسم اس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، انصار نے جواب میں کہا کہ ہم ہر بات کو سمجھتے ہوئے اور ہر مصیبت کو سمجھتے ہوئے بیعت ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۴۲۸، ۴۲۹ الی ۴۴۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمیں کیا ملے گا اگر ہم نے بیعت والی باتوں کو پورا کر دیا، آپؐ نے فرمایا تمہیں جنّت ملے گی، اس پر انہوں نے کہا لائیے ہاتھ بڑھائیے ہم بیعت ہوتے ہیں، چنانچہ آپؐ نے اپنا مبارک ہاتھ بڑھایا اور انصار نے آپؐ سے بیعت کر لی [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارادۂ ہجرت

مشرکین مکّہ کی دشمنی اور دشمنی کے واقعات سے پریشان ہو کر بہت سے حضرات نے حبشہ کو ہجرت کی تھی، اسی اثنار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حبشہ جانے کی نیّت سے روانہ ہو گئے تھے مکّہ معظمہ سے باہر نکل کر برک الغماد تک پہنچنے پائے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی وہ اس علاقہ کے سرداروں میں سے تھا دریافت کیا کہ اے ابوبکر کہاں جارہے ہو، فرمایا میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے لہٰذا میں مکہ معظمہ کی سرزمین چھوڑ کر جارہا ہوں جہاں کہیں مجھے موقع ملے گا قیام کر لوں گا اور اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ تمہارے جیسا شخص نہیں نکالا جاسکتا اور نہ اسے خود نکلنا چاہیئے تم غریب آدمی کے لئے محنت کر کے مال کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، مشکلات میں پریشان حال کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمانداری کرتے ہو حق کے بارے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو دور کرنے میں صاحب حق کی مدد کرتے ہو واپس چلو میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں، آؤ اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔ شام کو ابن الدغنہ نے قریش کے سرداروں میں گشت کیا اور ان سے کہا کہ ابوبکر جیسا شخص نہیں نکالا جا سکتا اور نہ اسے خود نکلنا چاہیئے (اس کے بعد ان کی وہی صفات بیان کیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا) قریش نے ابن الدغنہ سے کہا کہ ہمیں یہ منظور ہے کہ ابوبکرؓ تمہاری

---

[1] سیرت ابن ہشام

پناہ میں رہیں لیکن تم ان سے کہہ دو کہ وہ اپنے گھر ہی میں اپنے رب کی عبادت کریں۔ گھر میں نماز ادا کریں اور جو چاہیں پڑھیں ہمیں تکلیف نہ دیں اور علی الاعلان عبادت نہ کریں، ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور ہمارے لڑکے اس سے متاثر ہو کر فتنہ میں پڑ جائیں (ہدایت کا نام ان لوگوں نے فتنہ رکھ لیا)۔

ابن الدغنہ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ دیکھو بھئی ان شرطوں کے ساتھ آپ کو مکہ معظمہ میں رہنے اور عبادت کرنے کی گنجائش دی جا رہی ہے آپ مکہ معظمہ میں رہتے رہیں جو شرط لگائی ہے اس کا خیال رکھیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ دن تو ان باتوں کی پابندی کی، پھر اپنے گھر کے باہر والے حصّہ میں مسجد بنا لی اسی میں نماز ادا کرتے اور قرآن شریف پڑھتے تھے جب آپ مشغول عبادت ہوتے تو مشرکین کی عورتیں اور ان کے لڑکے وہاں کھڑے ہو کر غور سے دیکھتے تھے اور ان کے طریق عبادت کو پسند کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے والے آدمی بھی تھے جب قرآن پڑھتے تھے تو خوب روتے تھے۔ قریش کے سرداروں کو یہ بات کھل گئی انہوں نے ابن الدغنہ کو بلایا اور کہا کہ ہم نے ابو بکرؓ کو تمہاری ذمّہ داری پر اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں عبادت کرے اب تو اس نے گھر کے باہر مسجد بنا لی اس میں علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا، ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور لڑکے فتنے میں پڑ جائیں لہٰذا تم ان کو منع کر دو وہ اگر اپنے گھر ہی میں عبادت کرے تو یہ منظور ہے ورنہ وہ علی الاعلان تمہاری ذمّہ داری سے براءت کا اعلان کر دے، ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ تمہاری ذمّہ داری خراب کریں اور یہ بھی منظور نہیں کہ ابو بکر علی الاعلان نماز و قرآن پڑھتے رہیں۔

یہ سُن کر ابن الدغنہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ دیکھو وعدہ کے مطابق اندرون خانہ عبادت کرو ورنہ میری ذمّہ داری واپس کر دو، مجھے یہ گوارا نہیں کہ عرب کے لوگ یوں کہیں کہ ایک شخص کے بارے میں میں نے اپنی

ذمہ داری کی خلاف ورزی کر دی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَاِنِّیْ اَرُدُّ اِلَیْكَ جِوَارَكَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰهِ ۔

(میں تمہاری پناہ کی ذمہ داری واپس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں رہنے پر راضی ہو جاتا ہوں)۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تم ٹھہرو مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی جائے گی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے تاکہ آپ کے ساتھ روانہ ہوں۔ دو اونٹنیوں کو چار ماہ تک ببول کے پتے کھلائے اور سواری کے لئے تیار کیا[1]

قریشِ مکہ کا مشورہ، اس میں شیطان کی شرکت

قریشِ مکہ مشورہ کر رہے تھے کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کریں؟ سورۃ الانفال میں یوں ہے:۔

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاكِرِیْنَ (۳۰)

اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں، اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

اس آیت میں سفرِ ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضراتِ انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریشِ مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دار الندوہ

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۲

(پنچایت گھر) میں جمع ہوئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور کریں کہ اب آپؐ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس موقع پر ابلیس ملعون بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہوگیا۔ ان لوگوں نے پُوچھا کہ تُو کون ہے۔ کہنے لگا کہ میں شیخ نجدی ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں اور اپنی خیرخواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں۔ ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کر لیا۔ مکہ والوں میں سے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالبختری ابن ہشام بھی تھا۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی گھر میں محبوس کر کے دروازہ بند کر دو صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا ہے جس میں سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اس کی موت کا انتظار کرو جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سُنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا، اور اس نے کہا یہ تو بُری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آجائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ یہ سُن کر سب کہنے لگے شیخ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو۔ آگے کہاں جائے کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا جب تمہارے یہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا، یہ سن کر ابلیس ملعون بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سُن کر اہلِ مجلس کہنے لگے کہ شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔

اس کے بعد ابوجہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دُوں گا

کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب تگڑا نوجوان لیا جائے، اور ہر ایک کو تلوار دے دی جائے۔ پھر یہ نوجوانوں کی جماعت یکبارگی مل کر حملہ کرکے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر اُن کے خون کی ذمّہ داری آجائے گی اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کر سکیں گے، لہٰذا دیت قبول کرلیں گے اور سارے قریش مل کر دیت ادا کر دیں گے، یہ سُن کر ابلیس بولا، اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے اور یہ شخص تم میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا ہے۔ اس نے جو رائے دی ہے میرے خیال میں بھی اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے درست نہیں ہے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت جبریلؑ کی آمد

اِدھر تو یہ لوگ متفرق ہوئے اور اُدھر حضرت جبریل علیہ السّلام حاضر خدمت ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے مشورہ سے باخبر کر دیا اور عرض کیا کہ آپ جس گھر میں رات گزارہ کرتے ہیں اس میں رات کو نہ رہیں ساتھ ہی انہوں نے مشرکین کے مشوروں سے آپؐ کو باخبر کر دیا۔ آپؐ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنی جگہ رات گزارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد آپؐ سفرِ ہجرت کے لئے روانہ ہوگئے، اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دی جو اُن کے سَروں میں بھر گئی اور آپؐ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (یٰسٓ: ۹) پڑھتے ہوئے روانہ ہوگئے، آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ دونوں حضرات راتوں رات غارِ ثور میں پہنچ گئے (آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ امانتیں ادا کر دیں جو آپؐ کے پاس رکھی رہتی تھیں۔ سچائی اور امانت داری ایسی ہی چیز ہے جو سچّے اور امانت دار شخص کا لوہا خود منوا

دیتی ہے، اہلِ مکہ آپؐ سے دشمنی بھی کرتے تھے، لیکن ساتھ ہی اپنی امانتیں رکھنے کے لئے آپؐ ہی کو منتخب کر رکھا تھا۔)

مُشرکین کی ناکامی

جب آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے تو مشرکینِ مکہ اس خیال میں رہے کہ صبح اُٹھ کر باہر تشریف لائیں گے، صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے، ارادہ تھا کہ حملہ کریں لیکن جب دیکھا کہ جسے قتل کرنا تھا وہ موجود نہیں۔ لہٰذا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں۔ لہٰذا قدموں کے نشانوں پر چلتے رہے یہاں تک کہ غارِ ثور تک پہنچ گئے۔ وہاں دیکھا کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا بُن رکھا ہے یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کے اندر گئے ہوتے تو مکڑی کا جالا غار کے دروازہ پر کیسے ہوتا؟

یہ حضرات جب غارِ ثور کے منہ پر پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرلے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا (التوبۃ: ۴۰) (غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) آپؐ نے تین دن غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہؓ روزانہ رات کو دودھ لے جاکر پیش کردیتا تھا۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی جاں نثاری

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپؐ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بَل چلے یہاں تک کہ

اُن کی اُنگلیاں چِھل گئیں۔

پھر جب غارِ ثور پہنچے تو عرض کیا یا رسُول اللہ! آپ ابھی باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف دہ صورتِ حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر انہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ملا لہٰذا انہوں نے اس پر ایڑی لگا دی اور آنحضرت سرورِ عالم کو اندر بُلا لیا۔ آپؐ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سرِ مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں آپؐ کی آنکھ نہ کُھل جائے سُوراخ کے مُنہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذرا سی حرکت کی تکلیف کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی اور آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے تو کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپؐ نے اپنا لعابِ مبارک ڈال دیا جس کی وجہ سے اُن کی تکلیف جاتی رہی۔ (درمنثور ص ۲۴۱ ج ۳ و مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۶)

اس جاں نثاری اور فداکاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سفرِ ہجرت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمراہی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ ایک دن ہم (حضرت ابوبکر کے اہلِ خانہ) عین دوپہر کے وقت گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک آدمی آیا۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ دیکھو وہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کپڑا ڈالے

ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف نہیں لایا کرتے تھے عموماً آپؐ کا تشریف لانا صبح وشام ہوتا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اس وقت تشریف لانا کسی خاص ہی مقصد کے لئے ہے آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے دروازہ پر پہنچ گئے اجازت طلب کی آپؐ کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی گھر میں داخل ہو کر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تنہائی میں بات کرنا ہے تمہارے پاس جو لوگ ہیں ان کو ذرا علیحدہ کر دو۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ لوگ آپ ہی کے آدمی ہیں (ان سے کوئی خطرہ نہیں) آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان میں سفر میں آپ کا ساتھی رہوں گا، میں نے دو سواریاں تیار کی ہیں ایک سواری آپ لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا قیمت سے لوں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے بیان کیا کہ ہم نے جلدی جلدی سفر کا سامان تیار کر دیا اور ایک تھیلی میں کھانے پینے کا سامان رکھ دیا۔ اس تھیلے کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ نہ تھا لہٰذا بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی کمر میں باندھنے کا پٹکا پھاڑ کر کے ایک ٹکڑے سے تھیلے کا منہ باندھ دیا۔ پٹکے کو عربی میں نطاق کہتے ہیں اس وجہ سے اسماء بنت ابی بکر کا لقب ذات النطاقین ہو گیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ روانہ ہو گئے اور غار ثور میں جا کر قیام فرمالیا، اس میں تین دن پوشیدہ رہے۔ عبداللہ بن ابی بکر رات کو ان کے پاس پہنچ جاتا تھا، وہ بہت ہوشیار نوجوان تھا یہ رات کو ان حضرات کی خدمت میں پہنچتا اور صبح صبح واپس ہو کر مکہ معظمہ پہنچ جاتا تھا ان دونوں حضرات کے بارے میں مکہ والوں کے جو مشورے ہوتے تھے رات کو جا کر بتا دیتا تھا۔ عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا وہ بکریاں چراتا تھا اور رات کو ان حضرات کے پاس دودھ لے کر حاضر ہو جاتا تھا، دونوں حضرات دودھ پی کر

رات گزارتے تھے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر ہجرت کے لئے روانہ ہونے لگے تو ان کے پاس جو کچھ بھی مال تھا یعنی پانچ چھ ہزار درہم وہ بھی ساتھ لے لئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نابینا تھے وہ آئے اور گھر والوں سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکرؓ نے تم لوگوں کے لئے مال نہیں چھوڑا سارا مال ساتھ لے گئے اس سے تم لوگوں کو تکلیف ہوگی ؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسمار رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابا جان ایسا نہیں ہے انہوں نے ہمارے لئے خیر کثیر چھوڑی ہے (مال کثیر نہیں کہا تا کہ بات سچ رہے) وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کچھ پتھروں کے ٹکڑے لئے اور گھر کے اسی گوشہ میں رکھ دیئے جہاں والد صاحب اپنا مال رکھتے تھے پھر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا اور دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر اس پر رکھ دیا اور کہا کہ دیکھئے یہ مال ابا جان نے چھوڑا ہے، اس پر وہ کہنے لگے کہ جب اتنا مال چھوڑ دیا تو کوئی بات نہیں یہ تمہارے گزارے کے لئے ایک عرصہ تک کافی ہے۔ حضرت اسمارؓ نے بیان کیا کہ چھوڑا تو کچھ بھی نہ تھا میں نے دادا جان کی تسکین کے لئے ایسا کیا تھا۔

حضرت اسمار بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے تو ہمارے پاس قریش کے چند افراد آئے جن میں ابوجہل بھی تھا یہ لوگ دروازہ پر کھڑے ہو گئے میں اندر سے نکلی تو سوال کیا کہ تمہارے والد کہاں ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم مجھے تو معلوم نہیں یہ جواب سن کر ابوجہل نے مجھے ایک طمانچہ مارا جس سے میرے کان کی بالی بھی گر گئی، ابوجہل بڑا خبیث تھا۔[2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو دو سواریاں تیار کر رکھی تھیں وہ دونوں مکّہ سے روانگی سے پہلے ایک شخص کے حوالہ کر دی تھیں جو راستوں کو جاننے والا اور مسافروں کو راہ بتانے والا تھا اس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا اس سے یہ طے ہو گیا تھا کہ تین دن

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۳ [2] سیرت ابن ہشام

کے بعد وہ غارِ ثور پر دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچ جائے گا (وہ شخص اگرچہ مشرک تھا لیکن پیسوں کے لالچ میں اس نے یہ بات گوارا کر لی تھی کہ مشرکین کو نہ بتائے گا اور تین دن کے بعد ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ جائے گا) جب یہ شخص صبح صبح چوتھے دن غارِ ثور پر پہنچ گیا تو دونوں حضرات اونٹنیوں پر سوار ہو گئے اور وہ شخص انہیں سمندر کے کنارہ کنارہ مدینہ کی طرف لے کر روانہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ بھی ساتھ تھا۔

چلتے چلتے دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سایہ میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اُتر کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھا دی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لے جائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا اس سے کہا، ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کر دے، پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا۔ برتن کے مُنہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے، دُودھ لے کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپؐ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا"؟ آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اس کے بعد آپؐ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سراقہ کا پیچھے لگنا قریش مکہ تین دن تلاش کر کے عاجز تو ہو چکے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص ان دونوں حضرات کو قتل کر دے یا قید کر کے لے آئے اسے اتنا مال دیں گے۔ سراقہ بن مالک ایک شخص تھا جو بڑا ہوشیار سمجھا جاتا تھا اسے ایک شخص نے آ کر بتایا کہ دیکھو میں نے دریا کے کنارے جاتے ہوئے کچھ لوگوں کو دور سے دیکھا ہے بظاہر یہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہیں سراقہ نے بیان کیا (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) کہ میرے دل میں کبھی تو یوں آتا تھا کہ یہ وہی حضرات ہوں گے اور کبھی

آتا تھا کہ نہیں وہ نہیں اسی طرح سوچ بچار کرتے ہوئے بالآخر میں نے اپنا نیزہ لیا اور اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور ان حضرات کے قریب تک پہنچ گیا وہاں جو پہنچا تو میرا گھوڑا پھسل گیا اور میں نیچے گر گیا۔ میں نے اپنے تیروں کے ذریعہ فال نکالی تو یہی سمجھ میں آیا کہ میں ان حضرات کو نہیں پکڑ سکتا تاہم میں پھر بھی گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی آواز آنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی طرف توجہ نہیں فرما رہے تھے ہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ اِدھر اُدھر دیکھتے جاتے تھے ان حضرات کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے یہ ہوا کہ میرے گھوڑے کے سامنے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے چنانچہ میں گھوڑے سے گر گیا پھر گھوڑے کو میں نے جھڑکا وہ اٹھا تو سہی لیکن حال یہ تھا کہ اس کی دونوں ٹانگیں زمین سے بآسانی نہیں نکلیں، میرا گھوڑا سیدھا کھڑا ہو گیا تو دیکھتا ہوں کہ آسمان پر دھوئیں کی طرح سے بہت زیادہ غبار ہے میں نے پھر فال نکالی تو یہی نکلا کہ یہ کام کرنا میرے بس کا نہیں ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ ان کا پیچھا کرنا اور ان پر قابو پانا میرے قابو سے باہر ہے۔ میں نے ان کو آواز دی کہ آپ لوگ ٹھہر جائیے میری طرف سے امان ہے، وہ حضرات ٹھہر گئے اور میرے دل میں یہ آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ظاہر ہو کر رہے گا میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے آپ کو واپس لانے والوں کے لئے دیت (یعنی سو اونٹ) دینا طے کیا ہے (جو شخص آپ حضرات کو ان تک واپس پہنچا دے وہ اسے بہت سامان دیں گے) میں نے ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہیں آپ جو چاہیں لے لیں آپ نے نہیں لیا اور صرف اتنا فرمایا کہ تم پوشیدہ رکھنا اور ہماری خبر نہ دینا، سُراقہ نے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی پرچہ لکھ دیجئے جس میں میرے لئے امان ہو (اور اس بات کی نشانی ہو کہ میں آپ کے پیچھے لگا تھا اور آپ تک پہنچ گیا تھا) آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا انہوں نے چمڑہ کے ٹکڑا پر ایک پرچہ لکھ دیا۔[1] آٹھ سال کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طائف

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۳، ۵۵۴،

سے واپس ہوتے ہوئے جعرانہ (ایک جگہ کا نام ہے) میں مقیم تھے تو آپؐ کی خدمت میں وہ رقعہ پیش کردیا اور اسلام قبول کرلیا۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ جو لوگ قریش مکہ سے مال لینے کی لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے ان میں سے جو بھی کوئی ملتا سراقہ اسے آگے بڑھنے سے روک دیتا اور کہتا کہ ادھر کہاں جارہے ہو میں سب دیکھ آیا ہوں ادھر نہیں ہیں۔

کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھوں میں

روایت کیا گیا ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سراقہ کی ملاقات ہوئی تھی تو آپؐ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ دیکھو ایک وہ وقت آئے گا جب تم کسریٰ (فارس کے بادشاہ) کے کنگن پہنو گے۔ فارس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن ان کی خدمت میں پیش کئے گئے ان کے ساتھ کسریٰ کی کمر کا پٹکا اور سر کا تاج بھی تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سراقہ کو بلا کر یہ سب کچھ پہنا دیا اور فرمایا کہ ہاتھ اٹھاؤ اور یوں کہو الحمد للہ الذی سلبہما من کسری بن ھرمز والبسھما سراقۃ الأعرابی [1]

(سب تعریف اللہ کے لئے جس نے ان کو ہرمز کے بیٹے کسریٰ سے چھین لیا اور عرب کے ایک دیہاتی سراقہ کو پہنا دیا)

ام معبد کے خیمے کے پاس قیام فرمانا

سفر ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ام معبد پر گزر ہوا یہ قبیلہ بنی خزاعہ کی عورت تھی اس کے خیمہ پر آپؐ کا گزر ہوا تو وہاں قیام فرمالیا۔ آپؐ نے سوال فرمایا کیا تمہارے پاس کھانے پینے کو کچھ ہے؟ ہم قیمت سے لے لیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم نہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ ہے نہ کوئی دودھ والی بکری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو اپنے پاس بلایا اور اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیر دیا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

---

[1] الاستیعاب، الاصابہ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ (اے اللہ اس کی بکری میں برکت دے)

پھر ایک پیالے میں دودھ دوہا یہاں تک کہ اس میں جھاگ آ گئے۔ فرمایا اے ام معبد لے یہ دودھ ہے، ام معبد نے کہا کہ آپ ہی پیجئے آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں آپؐ نے دوبارہ ام معبد کے پاس بھیج دیا اور اس نے پی لیا پھر آپؐ نے دوسری بکریوں کے تھنوں پر بھی اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور عبداللہ بن اُریقط کو پلایا اور آپؐ کے ساتھیوں نے بھی نوش جان کیا، سب سے آخر میں آپ نے پیا اور فرمایا ساقی القوم آخرھم شربا (جو لوگوں کو پلائے وہ سب سے آخر میں پیئے)

ام معبد کے شوہر اُبو معبد آئے تو انہوں نے دودھ دیکھا تو سوال کیا کہ دودھ کہاں سے آیا جب کہ گھر میں دودھ دینے والی کوئی بکری نہیں، ام معبد کہنے لگی کہ اللہ کی قسم ایک مبارک شخص تشریف لائے تھے ان کے دودھ دوہنے سے بکری دودھ دینے لگی، ابو معبد نے کہا کہ جس مہمان کی وجہ سے ہمارے گھرانے میں یہ برکت ہوئی ان کی صفت بیان کرو تو ام معبد نے آپؐ کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

رأیت رجلاً ظاھر الوضاءة، أبلج الوجه، حسن الخلق، لم تعبه نحلة، ولم تُزربه صعلة، وسيم قسيم۔ وقال محمد بن موسى: وسيماً قسيماً۔ في عينه دَعَج، وفي اشفاره غطف، وفي صوته صهل، وفي عنقه سطع وفي لحيته كَثَاثَةٌ، أزجُّ أقرن۔ إن صَمَتَ فعليه الوقار وإن تكلم سما وعلاه البهاءُ، أجمل الناس وأبهاه من بعيد، واحلاه واحسنه من قريب۔ حلو المنطق، فصل لا نزر ولا هزر۔ كان منطقه خرزات نظم ينحدرن ربعةٌ لا بائن من طول، ولا تقتحِمُه عين من قصر، غصناً بين غصنين فهو انضر الثلاثة منظراً، وأحسنهم قدراً، له رفقاء يَحُفُّون به، إن قال

أنصتوا لقوله، وإن أمر تبادروا إلى أمره، محفود محشود لا عابس ولا مفند۔

ترجمہ: میں نے ایسے آدمی کو دیکھا جو بہت خوبصورت تھا اس کا چہرہ روشن تھا خلقی طور پر حسین تھا، دبلا پتلا نہیں تھا، اس کی کمر نہ پھولی ہوئی تھی اور نہ اس میں دُبلا پن تھا، اس کے اعضاء میں شکستگی نہیں تھی اور سر بھی اس کا چھوٹا نہیں تھا وہ حسن ظاہری سے موصوف تھا، آنکھوں کی پتلیاں سیاہ تھیں اور پلکیں دراز تھیں، آواز میں بھاری پن نہیں تھا اور گردن میں بلندی تھی ڈاڑھی گھنی تھی بھویں باریک تھیں، یہ شخص اگر خاموش ہوتا تو اس پر وقار ظاہر ہوتا تھا اور بات کرتا تو خوبصورتی ظاہر ہوتی تھی۔ دور سے دیکھنے ہی سے جمال ظاہر ہوتا تھا، قریب سے دیکھو تو مٹھاس اور حُسن ظاہر ہوتا تھا، بات میں مٹھاس تھی، جملہ اور کلمات الگ الگ تھے، نہ بات اتنی مختصر کہ سمجھ میں نہ آئے اور نہ ضرورت سے زیادہ، کلمات ایسے تھے جیسے پروئے ہوئے موتی گر رہے ہیں، دیکھنے میں قد زیادہ دراز معلوم نہیں ہوتا تھا اور قد مختصر بھی نہیں تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ٹہنی دو ٹہنیوں کے درمیان ہے، تین اشخاص جو آئے تھے یہ شخص خوبصورتی کے اعتبار سے سب سے زیادہ نظر میں بھلنے والا تھا اور سب سے اچھی شان والا تھا اس کے ساتھی اُسے ہر وقت گھیرے ہوئے تھے اگر وہ بات کرتا تو خاموشی کے ساتھ سنتے تھے، اگر کوئی حکم دیتا تھا تو جلدی سے اس پر عمل کر لیتے تھے، وہ شخص مخدوم تھا، اس کے رفقار ساتھ لگے رہتے تھے اس کے چہرہ میں کوئی تُرشی نہ تھی اور اس پر بڑھاپے کے آثار نہ تھے۔

ام معبد (معبد کی والدہ) کا نام عاتکہ تھا اور والد کا نام خالد تھا۔ مؤرخ واقدی نے بیان کیا ہے کہ ام معبد نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کے شوہر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جب ان سے ام معبد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف نقل

کئے تو برجستہ کہنے لگے کہ واللہ یہ تو وہی شخص معلوم ہوتا ہے جس کا تذکرہ میں نے مکہ معظمہ میں قریش سے سنا ہے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں ان کی صحبت اختیار کروں گا۔ اس موقعہ پر مکہ معظمہ میں مندرجہ ذیل اشعار سُنے گئے، کسی کے پڑھنے کی بلند آواز آ رہی تھی لیکن پڑھنے والے کا پتہ نہ تھا ؎

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ رفیقین حلاّ خیمتی ام معبد
هما نزلا بالبر وارتحلا بہ فافلح من امسی رفیق محمّدٌ
فیال قصیّ ما زوی اللہ عنکم بہ من فعال لا تجازی وسودد
سلوا اختکم عن شاتها وانائها فانکم ان تسالوا الشاۃ تشہد
دعاها بشاۃ حائل فتحلبت لہ بصریح ضرۃ الشاۃ مزبد
فغادرہ رهنا لدیها لحالب بدرتها من مصدر ثم مورد

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ بہتر جزا عطا فرمائے جو لوگوں کا رب ہے ان دو ساتھیوں کو جو ام معبد کے خیمہ کے قریب قیام پذیر ہوئے (۲) وہ دونوں نیکی کے ساتھ نازل ہوئے اور نیکی کے ساتھ روانہ ہوئے سو وہ شخص کامیاب ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رفیق بنا (۳) ارے بنی قصی! تمہاری محرومی ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے کیسی ہستی کو جدا فرما دیا جس کے افعال بے مثال ہیں اور جس کی سرداری کے برابر کوئی سرداری نہیں (۴) اپنی بہن (ام معبد) سے دریافت کر لو اس کی بکری اور برتن کا حال اور اگر بکری سے پوچھو گے تو وہ یہی گواہی دے گی (۵) اس مہمان نے بکری کو بلایا جو بے دودھ والی تھی تو اس بکری کے تھن سے خالص جھاگ مارتا ہوا دودھ لے لیا (۶) پھر اس بکری کو اس عورت ام معبد کے پاس ہی چھوڑ دیا جو دوہنے والے کو دودھ دیتی رہے گی اول میں بھی اور دوسری بار بھی۔

ام معبد کا گھر مقام قُدید میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے

لہ صفۃ الصفوہ ص ۵۳، ۵۴ ج ۱

بڑھے، منزلیں طے فرماتے ہوئے بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل کو چاشت کے وقت مدینہ منورہ کے محلہ قبا میں پہنچ گئے۔ اہلِ مدینہ کو آپؐ کی تشریف آوری کی خبر مل چکی تھی روزانہ صبح کو آبادی سے باہر جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے تھے، سخت گرمی کا زمانہ تھا جب کسی آنے والے سے ملاقات نہ ہوتی تو واپس آجاتے جس دن آپؐ پہنچے ہیں اس دن بھی انتظار کرکے واپس آگئے تھے جب آپؐ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے تو ایک یہودی کی نظر پڑگئی اس نے زور سے پکار کے آواز دی کہ اے بنی قیلہ تم لوگ جس شخص کے انتظار میں تھے وہ پہنچ گیا۔ حضرات انصار رضی اللہ عنہم اپنے گھروں سے نکلے اور آپ کا استقبال کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ تھے، دونوں شہر میں تشریف لائے اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوگئے جو بنی عمرو بن عوف کے قبیلہ سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق بھی ساتھ تھے حاضرین نے ان کے بارہ میں یہ تصور کرلیا کہ یہ رسول اللہؐ ہیں۔ پھر جب دھوپ آئی تو حضرت ابوبکرؓ اپنی چادر لے کر سایہ کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ حاضرین کو اب پتہ چلا کہ کون خادم ہے اور کون مخدوم ہے، حاضرین نے حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ کی ذات گرامی اس لئے سمجھا کہ ان کی ڈاڑھی میں خضاب لگا ہوا تھا، سرخ ڈاڑھی ہونے کی وجہ سے ان کو عمر میں بڑا سمجھ کر مرتبہ میں بھی بڑا سمجھ لیا۔ آپؐ نے حضرت کلثوم بن ہدم کے دولت کدہ پر ابتدائی قیام فرمایا تھا پھر لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے سعد بن خیثمہ کے گھر میں تشریف فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اہل و عیال نہ تھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ میں چھوڑ کر روانہ ہوگئے تھے تاکہ لوگوں کی امانتیں ادا کر دی جائیں جو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رکھوائی تھیں، حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے تین دن مکہ معظمہ میں قیام کیا اور امانتیں ادا کیں۔ پھر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ابھی آپؐ کلثوم بن ہدم کے مکان پر ہی تھے کہ آپؐ کے پہنچنے کے ایک دو دن بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔

مسجد قباء کی بنیاد

قیام قباء کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد قباء کی بنیاد ڈالی یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام کی تاریخ میں تعمیر کی گئی۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب پتھر رکھا پھر حضرت ابوبکرؓ نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے ایک ایک پتھر رکھا اس کے بعد تعمیر شروع ہوئی۔ منافقین نے بھی قباء میں اپنی مجرمانہ حرکتیں جاری رکھنے کے لئے ایک مسجد بنالی تھی جو مسجد ضرار کے نام سے موسوم کی گئی اس مسجد کو گرادیا گیا اور مسجد قباء اب تک باقی ہے، مسجد ضرار کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

(لَا تَقُمْ فِيهِ اَبَدًا) ترجمہ: آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہو۔

اور مسجد قباء کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

(لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ) (التوبة: ۱۰۸)

ترجمہ: البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپؐ اس میں کھڑے ہوں۔

جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی اس سے کون سی مسجد مراد ہے؟ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مسجد قباء مراد ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے دونوں مسجدیں (مسجد قباء، مسجد نبوی) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بنائی ہوئی ہیں اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ پھر فرمایا:

(فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ) (التوبہ ۱۰۸)

ترجمہ: "اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے انصار کی جماعت بے شک اللہ نے پاکی اختیار کرنے کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ تمہاری کیا پاکیزگی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت ہو جائے تو غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ یہی بات ہے لہٰذا تم اس کے پابند رہو (لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ قانون ہو گیا کہ پتھر یا ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھویا کریں۔)

قبا سے شہر مدینہ کو روانگی اور حضرت ابو ایوبؓ کے گھر میں قیام

قبار میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے قبار میں چند دن قیام فرمایا پھر جمعہ کے دن آپؐ شہر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں بنی سالم بن عوف کا محلہ پڑتا تھا اس محلہ میں آپؐ نے نماز جمعہ ادا فرمائی یہ جگہ وادی رانوناء کے نام سے معروف ہے۔ یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو آپؐ نے ہجرت کے بعد ادا فرمایا جمعہ پڑھ کر جب شہر کی طرف روانہ ہوئے تو مدینہ منورہ کے رہنے والے اپنی درخواست پیش کرتے رہے اور عرض کرتے رہے کہ یارسول اللہ ھلم الینا الی العدد والعدّة والمنعة (یارسول اللہ تشریف لائیے ہمارے پاس قیام فرمائیے ہماری تعداد بھی اچھی خاصی ہے ہر طرح کا سامان بھی ہے حفاظت کا انتظام بھی ہے) آپؐ آگے بڑھتے رہے اور پیش کش کرنے والے اصحاب سے فرماتے رہے خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ (اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے آگے بڑھنے دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے) چلتے چلتے اونٹنی بنی مالک بن النجار کے گھرانہ

کے پاس پہنچ کر بیٹھ گئی، یہ جگہ اس جگہ کے قریب تھی جہاں اب مسجد نبوی ہے ۔ اونٹنی بیٹھ تو گئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے نہیں اترے، اس کے بعد اونٹنی اٹھی تھوڑی دور چلی پھر پیچھے کو مڑی اور اسی جگہ آکر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی باگ کو ڈھیل دے رکھی تھی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا کیونکہ آپؐ نے فرما دیا تھا کہ ماموره ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاں اس کو بیٹھنے کا حکم ہوا ہے وہیں بیٹھے گی ۔ جب دوسری بار بیٹھ گئی اور اپنی گردن کو وہیں رکھ دیا تو آپؐ اونٹنی سے اترے، یہ جگہ حضرت أبو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب بھی تھی جن کا اسم گرامی خالد بن زید تھا ۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا سامان اونٹنی سے اتارا اور اپنے گھرلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کے گھر میں تشریف فرما ہو گئے ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹنی پر بات چھوڑ دی کہ جہاں بیٹھے گی وہاں اتر جائیں گے خود سے کسی کے گھر قیام فرمانا مناسب نہیں جانا بہت سے صحابہ نے پیش کش کی اور اپنے گھر قیام کرانا چاہا لیکن آپؐ نے عذر فرما دیا اور اونٹنی پر بات رکھ دی اگر آپؐ کسی ایک شخص کے ہاں اقامت فرماتے تو دوسروں کی دل شکنی کا اندیشہ تھا اس لئے آپؐ نے اونٹنی پر معاملہ رکھ دیا پھر وہ جہاں خود سے بیٹھی تو آپؐ اونٹنی سے اتر آئے ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوئے تو نیچے کی منزل میں قیام فرمایا ۔ میں اور میری اہلیہ ام ایوب اوپر کی منزل میں رہنے لگے ۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ تو مجھے بہت ہی ناگوار ہے کہ ہم آپؐ کے اوپر کی منزل میں رہیں اور آپ نیچے کی منزل میں ہوں آپ اوپر کی منزل میں تشریف لے آئیں ہم نیچے کی منزل میں رہیں گے ۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو ایوب ہم پر اور ہمارے پاس آنے والوں پر رحم کھاؤ ہمارا نیچے کی ہی منزل پر رہنا

ہی مناسب ہے۔ چنانچہ ہم اوپر ہی کی منزل میں رہتے رہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ہمارا پانی کا مٹکا ٹوٹ گیا پانی بہنے لگا ہمیں ڈر ہوا کہ پانی بہہ کر آپ تک نہ پہنچ جائے لہٰذا میں نے اور ام ایوب نے ایک چادر لی جس سے پانی کو پونچھتے رہے اور چھت کو صاف کرتے رہے اس وقت ہمارے پاس یہی ایک چادر تھی۔

پیاز لہسن کھانے سے پرہیز

حضرت ابو ایوب انصاری نے مزید بیان فرمایا کہ ہم رات کا کھانا تیار کر کے آپؐ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے اس میں سے جو کھانا بچ کر آتا تھا میں اور ام ایوب اسے کھا لیتے تھے اور اسی جگہ ہاتھ ڈالتے تھے جہاں سے آپؐ نے کھایا تھا۔ ایک دن ہم نے آپؐ کے لئے کھانا بھیجا تو جیسا تھا ویسا ہی واپس آگیا میں گھبرایا ہوا خدمت عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے پورا کھانا واپس فرما دیا آپ کے دستِ مبارک کا اس میں کوئی نشان نہیں اب تک ہمارا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب آپ کا بچا ہوا کھانا واپس جاتا تھا تو میں اور ام ایوب اسی جگہ سے کھاتے تھے جہاں سے آپؐ نے تناول فرمایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اس کھانے میں بدبو والے درخت (پیاز یا لہسن) کی بُو محسوس ہوئی اس لئے میں نے نہیں کھایا کیونکہ میری بات چیت اس مخلوق سے ہوتی ہے جس سے تمہاری بات چیت نہیں ہوتی لہٰذا تم کھالو اس کے بعد ہم نے جب کبھی آپؐ کے لئے کھانا تیار کیا اس میں پیاز یا لہسن نہیں ڈالا (وروی جابر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بقدر فیہ خضرات من بقول نوجدلھا ریحًا فقال قربوھا الی بعض اصحابہ و قال کل فانی اناجی من لا تناجی (رواہ البخاری ومسلم)

مسجد نبویؐ کی تعمیر

شہر مدینہ منورہ میں قیام فرمانے کے بعد ہی حضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد بنانے کی فکر ہوئی جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی وہاں ایک جگہ خالی تھی جس

پر کوئی عمارت بنی ہوئی نہ تھی آپؐ نے چاہا کہ یہاں مسجد بنالی جائے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی جگہ ہے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ سہل بن عمرو اور سہیل بن عمرو کی زمین ہے اور یہ دونوں بھائی یتیم ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ مسجد تعمیر فرمالیں میں ان دونوں کو راضی کرلوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں یتیم لڑکوں سے خریداری کا معاملہ کیا۔ وہ دونوں کہنے لگے یارسول اللہ ہم بلاقیمت ہی پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم قیمتاً لیں گے چنانچہ وہ فروخت کرنے پر راضی ہوگئے، آپؐ نے ان سے خرید کر مسجد کی تعمیر فرمادی۔ کچھ خراب جگہ تھی جس میں نشیب وفراز تھا۔ کچھ کھجور کے درخت تھے کچھ مشرکین کی قبریں تھیں، کھجوروں کو کاٹ دیا گیا اور اونچے نیچے حصّہ کو برابر کردیا گیا اور مشرکین کی قبروں میں جو کچھ تھا اس کو علیحدہ کرکے پھینک دیا گیا۔ حضرات صحابہ کرام نے مسجد بنانی شروع کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شریک عمل تھے جو کھجور کے درخت کاٹے تھے ان کو قبلہ کی طرف برابر برابر لگادیا اور کچھ درختوں کے ستون کھڑے کردئے اور دروازہ کے دونوں جانب پتھروں کی چوکھٹ بنادی اور چھت میں کھجور کی ٹہنیاں لگادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مشغول عمل تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

هذا الحمال لا حمال خيبر　　　هذا أبر ربنا واطهر

اللهم ان الأجر أجر الآخرة　　　فارحم الانصار والمهاجرة

ترجمہ: یہ بوجھ اٹھانا خیبر کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے (جہاں سے کھجوریں آتی ہیں)

اے ہمارے رب یہ سب سے بڑی نیکی ہے سب سے زیادہ پاکیزہ عمل ہے اے

اللہ بے شک اصل اجر آخرت کا اجر ہے سو انصار و مہاجرین پر رحم فرمائیے[1]

جو حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد بنارہے تھے ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے دوسرے حضرات ایک ایک اینٹ اٹھا

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۵ و ۵۶۰

کرلاتے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے بدن سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا کہ عمار کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی، عمار ان کو جنّت کی طرف اور وہ لوگ عمار کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے [1] اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اچھی خاصی عمر پائی، اور حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ میں شہید ہوئے اس وقت وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف داروں میں سے تھے [2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا میں قیام فرماتے ہی مسجد بنانے کی طرف توجہ فرمائی اس میں یہ بتا دیا کہ مسجد اہلِ اسلام کی سب سے پہلی ضرورت کی چیز ہے جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہوں مسجد بنانے کی طرف توجہ دیں، رواجی پختہ اینٹ پتھر کی مسجد ہونا ضروری نہیں کچی زمین پر چھپر ڈال دیں شرعی مسجد ہوگئی بعد میں آنے والے مسلمان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے اس کی توسیع کرتے رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا کے زمانہ قیام ایک مسجد کی تعمیر فرمائی پھر جب مدینہ منورہ میں اندرون شہر تشریف لے آئے تو وہاں بھی مسجد بنانے کی طرف توجہ فرمائی اور اس کام میں جلدی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مسجد اپنی اسی حالت پر رہی جیسی آپؐ نے بنائی تھی آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا حضرت عمرؓ نے اضافہ تو کیا لیکن دیواروں کی جگہ نہیں بدلی پرانی ہی بنیاد پر مسجد کو باقی رکھتے ہوئے ستونوں کو بدل دیا تھا اور کھجوروں کی جگہ لکڑیاں لگا دی تھیں، کیونکہ بنائے اوّل میں جو کھجوروں کے ستون لگائے گئے تھے اُن میں گھُن لگ گیا تھا پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے مسجد میں بہت سا اضافہ کر دیا اور دیواریں پتھر کی پختہ بنا دیں اور ستون بھی پتھر کے بنا دیئے اور چھت بھی سال کی لکڑی کی بنا دی [3]

---

[1] صحیح بخاری ص ۶۱ [2] سیرت ابن ہشام [3] صحیح بخاری ص ۶۴

اہل وعیال کا مکہ معظمہ سے طلب فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوّت سے سرفراز ہونے سے پہلے ہی مکہ معظمہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تھا اس وقت آپؐ کی عمر پچیس ۲۵ سال تھی ان سے جو دو تین صاحبزادے پیدا ہوئے تھے ان کی بچپن ہی میں وفات ہو گئی تھی، البتہ حضرت خدیجہؓ سے جو چار صاحبزادیاں پیدا ہوئی تھیں وہ ہجرت فرمانے کے وقت موجود تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپؐ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپؐ کے نکاح پُر فلاح میں آگئی تھیں لیکن وہ چھوٹی تھیں اس لئے ان کی رخصتی مکہ معظمہ میں نہیں ہوئی تھی، جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ آئے تھے اور آپؐ کی صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن بھی مکہ معظمہ میں رہ گئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد چند دن قبا میں قیام فرمایا، امانتیں ادا کرنے کے لئے آپ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مکہ معظمہ میں چھوڑ آئے تھے، پھر تین دن کے بعد وہ بھی قبا پہنچ گئے۔ قبا میں قیام فرمانے کے بعد آپؐ شہر مدینہ میں تشریف لائے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں قیام فرمایا، مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور اپنی رہائش کے لئے بھی دو حجرے بنوالئے، آپؐ اور آپؐ کے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے، مدینہ منوّرہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد اہل وعیال کو بلانے کے لئے فکر مند ہونا ضروری تھا لہٰذا آپؐ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچ سو درہم عنایت فرمائے اور ان سے فرمایا کہ جاؤ مکہ معظمہ سے ہمارے اہل وعیال کو لے آؤ، حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ آپؐ نے اپنے غلام

ابو رافع کو بھیجا۔

یہ دونوں حضرات مکہ معظمہ پہنچے اور کسی طرح تدبیر کر کے حضرت سودہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام ایمن اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو اونٹوں پر بٹھا کر مدینہ منورہ لے آئے، آپؐ نے جو حجرے پہلے سے بنوا رکھے تھے ان میں قیام کرا دیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والے بھی ان حضرات کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس قافلہ کے ساتھ نہ آ سکیں، کیونکہ وہ اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں جو اُن کے خالہ زاد بھائی بھی تھے اور ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے حضرت زینبؓ کو اس قافلہ کے ساتھ نہ آنے دیا پھر ۲ھ ہجری میں حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کو حالتِ کفر میں چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی، یہ غزوۂ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔

ہجرت کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ دردناک واقعہ پیش آیا کہ جب وہ ہجرت کے ارادہ سے نکلیں تو ہبار بن اسود اور اس کے ایک اور ساتھی نے ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا ان دونوں میں سے کسی ایک نے دھکا دے دیا جس کی وجہ سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور ایسی تکلیف پہنچی کہ ان کا حمل ساقط ہو گیا اس حادثہ کی تکلیف ان کو آخری دم تک رہی جو ان کی وفات کا سبب بن گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب وہ ہجرت کے لئے گھر سے نکلیں تو ہبار اور اس کے ساتھی نے ان کو روکا اور گھر میں واپس کر دیا۔ ابوالعاص کی اجازت دینے کے باوجود ان لوگوں نے یہ حرکت کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ہمراہ لانے کے لئے مدینہ منورہ سے آدمی بھیجا جس کے ساتھ وہ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو تکلیف پہنچی تھی اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

اس کے بعد ان کے شوہر حضرت ابوالعاص نے بھی اسلام قبول کر لیا اور مدینہ منورہ آ گئے۔ آپؐ نے اپنی صاحبزادی زینبؓ کا ان سے دوبارہ نکاح فرما دیا[1]

[1] وقیل ردھا الیہ بالنکاح الأول واختلفت الروایات فی ذلک ۱۲

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ ان کو ساتھ لے کر حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے ان کے ساتھ چند دیگر مسلمان بھی تھے جو سفرِ ہجرت میں شریک تھے۔ یہ حضرات حبشہ پہنچے تو وہاں خبر ملی کہ قریشِ مکہ مسلمان ہوگئے ہیں اور اسلام کا غلبہ ہوگیا ہے اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن کو واپس لوٹ آئے لیکن مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے پھر اُن میں سے بعض حضرات وہیں سے حبشہ کو واپس ہوگئے اور بعض حضرات مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے جن حضرات نے دوبارہ حبشہ کو ہجرت کی ان میں حضرت عثمانؓ اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، بعد میں یہ دونوں حبشہ سے مکہ معظمہ آگئے اور وہاں سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی جو اُن حضرات کی تیسری ہجرت تھی ان دونوں نے بعد میں مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی اور حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ ہی میں رہ گئی تھیں، پھر خود ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچی تھیں اس لئے حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ آنے والوں میں صرف حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کی تشریف آوری کا تذکرہ کیا گیا ہے [1]

---

[1] البدایہ، الاستیعاب، الاصابہ

مَدِینہ مُنوّرہ پہنچ کر ضروری اعمال واشغال

مدینہ منورہ پہنچ کر دو خطبے

اوّل خطبة خطبها رسول اللہ حين قدم المدينة

عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰن بن عوف، قال: "كانت أول خطبة خطبها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة أنه قام فيهم فحمد اللہ وأثنى عليه بما هو أهله ثم قال: أما بعد أيها الناس فقدموا لأنفسكم، تعلمنّ واللہ ليُصعقنّ احدكم، ثم ليدعنّ غنمه ليس لها راع، ثم ليقولنّ له ربه ليس له ترجمان ولا حاجب يحجُبُه دونه: ألم يأتك رسولى فبلّغك، وآتيتك مالا، وأفضلت عليك، فما قدّمت لنفسك فلينظُرَنّ يَمِينًا و شمالاً فلا يرى شيئاً، ثم لينظرنّ قدامه فلا يرى غير جهنم، فمن استطاع أن يقي وجهه من النار ولو بشق تمرة (۱) فليفعل، ومن لم يجد فبكلمة طيبة فإن بها تُجزى الحسنة عشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف والسلام عليكم وعلى رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ورحمة اللہ وبركاته .[۱]

پہلا خطبہ

امابعد، اے لوگو تم اپنی جانوں کے لئے آگے (اچھے اعمال واموال) بھیجو اور اس بات کو سمجھ لو کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ انسان

(موت کے وقت بے ہوش ہو جائے گا پھر مر جائے گا) اپنی بکریوں کو اس حال میں چھوڑ دے گا کہ کوئی شخص ان کو چرانے والا نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے سوال فرمائے گا اور درمیان میں کوئی ترجمان یا حاجب نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا اے شخص کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا جس نے تجھے حق بات پہنچائی اور میں نے تجھے مال دیا اور تجھ پر فضل کیا، اس میں سے تُو نے اپنی جان کے لئے کیا بھیجا (جس سے سوال ہوگا) وہ دائیں بائیں دیکھے گا تو کوئی عمل نظر نہیں آئے گا پھر آگے دیکھے گا تو جہنم کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا، تم میں سے جو شخص اپنی جان کو دوزخ سے بچا سکتا ہو بچالے اگرچہ کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی اللہ کے لئے خرچ کرے اور جس کے کچھ بھی نہ ہو تو اچھی بات ہی بول دے (جس سے سامع کا دل خوش ہو جائے) کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے اور سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ والسلام علیکم و علی رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

ثم خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ اُخری فقال:

ان الحمد للہ احمدہ و أستعینہ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ و أشھد أن لا إلہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ۔ ان أحسن الحدیث کتابُ اللہ قد افلح من زینہ اللہ فی قلبہ و أدخلہ فی الاسلام بعد الکفر و اختارہ علی ما سواہ من احادیث الناس انہ احسن الحدیث و ابلغہ أحبوا من أحب اللہُ احبوا اللہ من کل قلوبکم ولا تملّوا کلام اللہ تعالیٰ وذکرہ ولا تقس عنہ قلوبکم فانہ من کل یختار اللہ

ویصطفی فقد سماه خیرته من الاعمال، ومصطفاه من العباد، والصالح من الحدیث، ومن کل ما اتی الناس من الحلال والحرام، فاعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئاً واتقوه حق تقاته، وأصدقوا الله صالح ما تقولون بأفواهکم، وتحابوا بروح الله بینکم. ان الله یغضب أن یُنکث عَهْدُهُ ۔

دُوسرا خطبہ

دوسری بار آپؐ نے ایک اور خطبہ دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

بے شک سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں میں اسی کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں اپنے نفسوں کے شرور سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بلاشبہ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے وہ شخص کامیاب ہوا جس کے دل میں اللہ نے اپنی کتاب کو مزین کر دیا، اور کفر کے بعد جسے اللہ نے اسلام میں داخل فرمالیا اور جسے اللہ نے اپنی کتاب کے لئے چُن لیا، وہ لوگوں کی باتوں میں مشغول نہیں رہتا بیشک قرآن سب سے اچھی بات ہے اور سب سے زیادہ دلوں میں اثر کرنے والی ہے جو اللہ سے محبّت کرے تم اس سے محبّت کرو۔ اپنے دلوں میں اللہ کی محبّت بٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے اور اس کے ذکر سے ملول یعنی تنگ دل نہ ہو جاؤ اور تمہارے دلوں میں اللہ کے ذکر کی طرف سے سختی نہ آجائے (یعنی دل غافل نہ ہو جائیں) اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں

سے چن لیتا ہے ۔ اس نے کلام اللہ اور ذکر اللہ کو بہترین اعمال بتایا ہے
اس نے کلام اللہ کو اور اچھی بات کو اپنے بندوں کے لئے انتخاب فرما
لیا ہے اور جو لوگ اپنی زندگی میں کام کرتے ہیں اس کی تفصیل بتا دی
ہے کیا حلال ہیں کیا حرام ہے سو تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے
ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے
اور جو باتیں تم کرتے ہو ان باتوں میں نیک بات کو اختیار کرو اور اللہ
تعالیٰ سے سچّا معاہدہ اور معاملہ کرو، اللہ نے جو تمہارے درمیان رحمت
پیدا فرمائی ہے اس کے ذریعہ ایک دوسرے سے محبت کرو، بے شک
اللہ تعالےٰ اس بات سے ناراض ہوتا ہے کہ اس سے عہد کرکے توڑ دیا جائے"۔

مُعاھدہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان ایک
معاہدہ بھی کروایا اور اس میں یہودیوں کو بھی شامل فرمالیا جو یہودی اپنی یہودیت
پر باقی رہ گئے تھے وہ اس معاہدہ میں شریک کرلئے گئے اور جو مسلمان ہو گئے تھے
یا آئندہ ہوئے وہ مسلمانوں کی فہرست میں آگئے ۔ معاہدہ کا متن یہ ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بین
المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعھم
فلحق بھم وجاھد معھم انھم امۃ واحدۃ من دون
الناس، المھاجرون علی ربعتھم یتعاقلون بینھم، وھم
یفدون عانیھم بالمعروف والقسط بین المؤمنین، وبنو عوف
علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الأولی، کل طائفۃ تفدی
عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین، وبنو ساعدۃ علی ربعتھم

يتعاقلون معاقلهم الاولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنوا الحارث على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المومنين، وبنوجُشَم على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنو النجّار على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنو عمرو بن عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهما الأولى، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنو النَّبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنوا الأوس على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وإن المؤمنين لايتركون مُفرَحا بينهم ان يعطوه بالمعروف فى فداء او عقل۔

وأن لا يحالف مؤمن مولى مؤمن دونه، وان المؤمنين المتقين على من بغى منهم، او ابتغى دسيعة ظلم، أو إثم، اوعدوان أو فساد بين المؤمنين، وان ايديهم عليه جميعا، ولو كان وَلَدَ احدهم، ولا يقتل مومن مومنا فى كافر، ولا ينصر كافرا على مؤمن، وان ذمة الله واحدة، يُجير عليهم أدناهم، وان المؤمنين بعضهم موالى بعض دون الناس، وإنه من تبعنا من يهود فان له النصر والأسوة، غير مظلومين ولا متناصرين عليهم، وإنَّ سلم المؤمنين واحدة، لايسالم مؤمن دون

مؤمن فی قتال فی سبیل اللّٰہ، إلا علی سواء وعدل بینهم، وان کل غازیة غزت معنا یعقب بعضها بعضا، وإن المؤمنین یُبیء بعضهم علی بعض بمانال دماءهم فی سبیل اللّٰہ، وان المؤمنین المتقین علی أحسن هدی وأقومه، وانه لا یجیر مشرك مالا لقریش ولا نفسا، ولا یحول دونه علی مؤمن، وإنه من اعتبط مؤمنا قتلا عن بینة فانه قود به الا أن یرضی ولی المقتول، وان المؤمنین علیه کافة، ولا یحل لهم الا قیام علیه، وانه لا یحل لمؤمن اقرّ بما فی هذه الصحیفة، وآمن باللّٰہ والیوم الآخر، ان ینصر محدثا ولا یؤویه، وأنه من نصره او آواه، فان علیه لعنة اللّٰہ وغضبه یوم القیامة، ولا یؤخذ منه صرف ولا عدل، وانکم مهما اختلفتم فیه من شیء، فان مردّه إلی اللّٰہ عز وجل، وإلی محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم، وان الیهود ینفقون مع المؤمنین ماداموا محاربین، وان یهود بنی عوف امّة مع المؤمنین، للیهود دینهم، وللمسلمین دینهم، موالیهم وانفسهم، الا من ظلم واثم، فانه لا یوتغ الا نفسه واهل بیته، وان لیهود بنی النجّار مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی الحارث مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی ساعدة مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی جُشَم مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی الأوس مثل مالیهود بنی عوف، وإن لیهود بنی ثعلبة مثل مالیهود بنی عوف، إلا من ظلم واثم، فانه لا یوتغ الا نفسه وأهل بیته، وإن جفنة بطن من ثعلبة کانفسهم، وان لبنی الشطَیبة مثل مالیهود بنی عوف، وان البرّ دون الاثم، وان موالی ثعلبة کانفسهم، وان بطانة یهود کانفسهم، وانه لا یخرج منهم احد الا باذن محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم، وإنه لا ینحجز علی ثار جُرح، وإنه من فتك فبنفسه فتك، واهل بیته، الا

من ظلم، وان الله على ابر هذا؛ وان على اليهود نفقتهم وعلى المسلمين نفقتهم؛ وان بينهم النصر على من حارب اهل هذه الصحيفة؛ وان بينهم النصح والنصيحة، والبر، دون الاثم؛ وإنه لم ياثم امرو بحليفه؛ وان النصر للمظلوم؛ وان اليهود ينفقون مع المومنين ماداموا محاربين؛ وان يثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحيفة؛ وان الجار كالنفس غير مضارّ ولا آثم؛ وانه لا تجار حُرمة الا باذن أهلها؛ وانه ما كان بين أهل هذه الصحيفة من حدث أو اشتجار يخاف فساده. فان مرده الى الله عزوجل، والى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ وان الله على اتقى ما فى هذا الصحيفة وأبرّه؛ وانه لا تجار قريش ولا من نصرها؛ وان بينهم النصر على من دهم يثرب وإذا دعوا إلى صلح يصالحونه ويلبسونه، فانهم يصالحونه ويلبسونه؛ وانهم اذا دُعوا إلى مثل ذلك فانه لهم على المؤمنين الا من حارب فى الدين، على كل اناس حصتهم من جانبهم الذى قبلهم؛ وان يهود الأوس، مواليهم وانفسهم، على مثل ما لاهل هذه الصحيفة. مع البر المحض؟ من أهل هذه الصحيفة

قال ابن اسحاق: وإن البرّ دون الاثم، لا يكسب كاسب الا على نفسه؛ وأن الله على اصدق ما فى هذه الصحيفة وابرّه؛ وانه لا يحول هذا الكتاب دون ظالم وآثم، وانه من خرج آمن، ومن قعد آمن بالمدينة، إلا من ظلم او اثم؛ وان الله جار لمن برّ واتقى، (محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم)[1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ص البدایہ ص ۲۲۴ ج ۳

"ترجمۂ معاہدہ"

"یہ کتاب ہے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (جو ایک معاہدہ ہے) قریشِ مکہ جو مسلمان ہو کر آئے اور جو یثرب یعنی مدینہ کے رہنے والے مسلمان ہیں اور جو ان سے آ کر مل جائے اور جو ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کرے یہ سب امتِ واحدہ ہیں دوسرے لوگوں سے علیحدہ ہو کر۔

مہاجرین قریش آپس میں ایک دوسرے کی عقل، دیت ادا کریں گے اور اپنے قیدی کو مال کا فدیہ دے کر بھلائی اور ایثار کے ساتھ چھڑائیں گے اور بنو عوف اپنی حالت پر باقی رہیں گے، پرانے طریقہ پر آپس میں دیتیں ادا کریں گے، اور ہر جماعت اپنے قیدیوں کو بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی، مؤمنین کے درمیان انصاف کرتے ہوئے۔ بنو ساعدہ اپنی سابقہ حالت پر رہیں گے اپنی دیتیں آپس میں ادا کریں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا اور بنو حارث اپنی حالت پر قائم رہیں گے، اپنی سابقہ دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا اور بنو جشم اپنی حالت پر رہیں گے اپنی سابقہ دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا اور بنو نجار اپنے طور طریقہ پر رہیں گے اپنی سابقہ دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا، اور بنی عمرو بن عوف بھی اپنے طریقہ پر رہیں گے اپنی پرانی دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو بھلائی کے

ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا، اور بنی نبیت اپنی حالت پر رہیں گے، اپنی پرانی دیتیں ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو بھلائی کے ساتھ رہا کرائے گی اور مؤمنین کے مابین عدل قائم رہے گا۔ بنو الاوس اپنے حال پر رہیں گے، اپنے قیدی کو بھلائی کے ساتھ چھڑائیں گے اور مسلمانوں کے درمیان عدل وانصاف قائم رہے گا

اور اس بات پر بھی معاہدہ کیا جا رہا ہے کہ مؤمنین آپس میں اپنے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑیں گے جو ایک دوسرے پر بوجھ ڈالنے والی ہو، نہ فدیہ دینے کے سلسلہ میں نہ دیت ادا کرنے کے بارے میں، اور کوئی مؤمن کسی مؤمن کے مولیٰ کو چھوڑ کر کسی کو حلیف نہیں بنائے گا (جس سے پہلے معاہدہ ہو اس سے مولیٰ مراد ہے) اور بے شک مؤمنین متقین اس شخص پر غالب رہیں گے جو بغاوت کرے یا خفیہ طور پر کوئی ظلم کا راستہ تلاش کرے یا فساد یا زیادتی کا یا فتنہ بین المؤمنین کو چاہتا ہو، سارے مؤمن ایسے (ظالم) شخص پر غالب رہیں گے اگرچہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو، اور کوئی مؤمن کسی مؤمن کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا اور مؤمن کے مقابلہ میں کوئی مؤمن کسی کافر کی مدد نہیں کرے گا (بشرطیکہ مؤمن حق پر ہو)

اور یہ بات بھی معاہدہ میں شامل ہے کہ اللہ کی ذمّہ داری ایک ہی ہے (یعنی اللہ کے نزدیک سب کے لئے انصاف ہے) ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے دے تو وہ سب کی ذمّہ داری میں آجائے گا اور مؤمنین آپس میں ایک دوسرے کے موالی (یعنی مددگار ہیں) دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر،

یہ بات بھی معاہدہ میں شامل کی جا رہی ہے کہ یہودیوں میں سے جو شخص ہمارے تابع ہو کر رہے گا اس کی مدد ہو گی اور اس کے برابر کے حقوق ہوں گے ان پر ظلم نہیں ہو گا، اور مسلمان آپس میں مل کر یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں کریں گے، یہ بات بھی معاہدہ میں طے کی جا رہی ہے کہ آپس میں اہلِ ایمان

باسلامت رہیں گے، قتال فی سبیل اللہ میں سب برابر ہوں گے اور آپس میں انصاف سے رہیں گے' اور بے شک جہاد کے لئے نکلنے والی ہر جماعت جو ہمارے ساتھ جہاد کے لئے نکلے گی اس کی مدد کے لئے ایک دوسرے کے پیچھے جماعتیں جاتی رہیں گی اور اللہ کے راستہ میں جو دشمنوں کے خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہائے جائیں گے مؤمنین اس بارے میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ مؤمنین میں جو لوگ متقی ہیں وہ ہدایت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھی اور عمدہ حالت پر ہیں' اور یہ بات بھی طے پائی کہ کوئی مشرک (جو اس معاہدہ میں شامل ہو رہا ہے) کسی (قریشی مشرک) کے مال کی یا کسی مشرک کی جان کی حفاظت نہیں کرے گا، اگر کوئی مؤمن کسی مشرک کو قتل کرنا چاہے گا یا اس کا مال لینا چاہے گا تو کوئی مشرک (جو ہمارے اس معاہدہ میں شریک ہے) مسلمان کو نہیں روکے گا، اور یہ بات بھی طے کر دی گئی کہ جو شخص حالت ایمان میں (خطاءً) کسی وقت رات کو قتل کر دیا گیا تو اس کی دیت واجب ہوگی یہاں تک کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے تمام مؤمنین پر لازم ہے کہ اس حکم پر قائم رہیں اور اس کی خلاف ورزی ان کے لئے حلال نہیں ہے (رات کی قید احترازی نہیں ہے چونکہ عموماً قتل رات ہی کو ہوتا ہے اس لئے اس لفظ کا اضافہ کر دیا گیا۔)

اور جو کوئی مومن اس مضمون کا اقراری ہے جو اس صحیفہ میں لکھا ہے، اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو' اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ دین میں کوئی نئی بات نکالنے والے کی مدد کرے یا اُسے ٹھکانہ دے اور جو شخص ایسے شخص کی مدد کرے یا اسے ٹھکانا دے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس پر اللہ کا غصّہ ہے قیامت کے دن تک اس کا کوئی فرض یا نفل قبول نہیں ہوگا۔

اور بے شک جب کبھی کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اللہ عزّوجل اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ مؤمنین سے جنگ کرنے کے لئے جو لوگ آئیں گے یہودیوں کو بھی ان کے ساتھ مل کر مال خرچ کرنا ہوگا اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ قبیلہ بنی عوف کے یہودی معاہدہ میں مؤمنین کے ساتھ ہیں، یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے۔ ان کے موالی اور ان کی جانیں محفوظ ہوں گی، لیکن جس نے ظلم کیا اور گناہگاری اختیار کی تو وہ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں ہی کو مصیبت میں ڈالے گا۔ اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ یہود بنی النجار کے لئے وہ حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنو حارث کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنی ساعدہ کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنو عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنو جشم کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنو عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنی الاوس کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنی ثعلبہ کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی الاوس کے لئے ہیں ہاں جس نے ظلم کیا اور گناہگاری کی وہ اپنے گھر والوں ہی کو ظلم میں ڈالے گا۔

اور یہ بھی طے پایا کہ بنی جفنہ قبیلہ بنی ثعلبہ کی ایک شاخ ہے ان سے وہی معاملہ ہوگا جو بنی ثعلبہ کے ساتھ کیا جائے گا اور بنی شطیبہ سے وہی معاملہ ہوگا جو بنی عوف کے یہود سے ہوگا اور یہ بات بھی واضح رہے کہ نیکی گناہگاری سے علیحدہ چیز ہے اور یہ بھی طے پایا کہ بنی ثعلبہ کے موالی کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو ان کے ساتھ ہوگا اور یہ بھی طے پایا کہ یہودیوں میں جو ان کے خاص رازدار ہیں (ان کے اندرونی معاملات کی دیکھ بھال کرتے ہیں) اس معاہدہ کے اعتبار سے وہ دیگر یہودیوں کی طرح سے ہیں ان میں سے کوئی شخص محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر خروج نہیں کر سکتا اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص کسی کو زخمی کر دے گا، زخمی کو اس زخم کا بدلہ لینے سے نہیں روکا جائے گا (الا یہ کہ جارح مجروح آپس میں صلح کرلیں) اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص کسی کا خون بہائے گا وہ اس کا خود ذمّہ دار ہوگا اور اس کے اہل بیت بھی ذمّہ دار ہوں گے (یعنی دیت ادا کرنے کی ان پر ذمّہ داری ہوگی) مگر مظلوم کو ظلم کا بدلہ لیتے وقت ظلم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان ساری نیک باتوں پر گواہ ہے

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ یہودیوں پر ان کے اخراجات ہوں گے اور مسلمانوں پر ان کے اخراجات ہوں گے، اور یہ بات بھی طے پائی کہ یہود اور اہل اسلام آپس میں اس شخص کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے جو اس صحیفہ کے معاہدہ میں شریک ہونے والوں سے جنگ کرے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ دونوں فریق آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں گے اور نیکی اور گناہ آپس میں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں (دونوں کا آپس میں جوڑ نہیں بیٹھ سکتا) اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو کوئی شخص کسی کے ساتھ جائز طور پر کسی کو اپنا حلیف بنالے تو اس سے گنا ہگار نہیں ہوگا، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ اہل ایمان کی جب تک کسی دشمن سے جنگ ہوگی یہودی بھی مؤمنین کے ساتھ اپنے اموال خرچ کریں گے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ شہر یثرب (یعنی مدینہ منورہ) محترم ہے اس کی حرمت اس صحیفہ والوں کے لئے برقرار ہے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص جس کا پڑوسی ہوگا اس کے حقوق ایسے ہی ہوں گے جیسے اپنے نفس کے حقوق ہیں نہ کسی کو ضرر دیا جائے گا اور نہ کسی کی نافرمانی برداشت ہوگی، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص کسی قوم کے اندر صاحب احترام ہو

اس کو پناہ نہیں دی جائے گی مگر اس قوم کی اجازت سے (بشرطیکہ یہ قوم اس معاہدہ میں شامل نہ ہو)

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ اس عہد نامہ میں جو لوگ شریک ہیں ان کے درمیان جو کوئی حادثہ پیش آئے گا یا کوئی ایسا اختلاف رونما ہوگا جس کی وجہ سے فساد کا اندیشہ ہو تو اسے اللہ کی طرف اور محمد رسول اللہ کی طرف لے جایا جائے گا، اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صحیفہ میں جو تقویٰ نیکی والی باتیں درج ہیں اللہ تعالےٰ ان سب پر گواہ ہے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ قریش (مشرکین) کو اور جو شخص ان کی مدد کرے پناہ نہیں دی جائے گی، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ یثرت یعنی مدینہ منورہ پر جو شخص حملہ آور ہو اس کے دفاع میں آپس میں سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ صلح کی دعوت دیں تو ان سے صلح کر لی جائے گی اور جب صلح ہو جائے گی تو مؤمنین اپنی ذمّہ داریاں پوری کریں گے ہاں جو شخص دین میں لڑائی کی بات نکالے اس کے مقابلہ میں سب لوگ اپنے اپنے حصّہ کے مطابق جنگ کریں گے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ بنی اوس کے یہودی اور ان کے موالی اسی شرط کے مطابق رہیں گے جو اس صحیفہ میں شریک ہونے والوں کی ذمّہ داری ہے، اس عہدنامہ میں جو لوگ شریک ہوئے وہ حسن سلوک کے مستحق ہوں گے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ نیکی اور گناہ برابر نہیں ہیں، جو بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے گا اس کی ذمّہ داری اسی پر ہوگی، اور بیشک اللہ تعالیٰ اس عہدنامہ کی سچائی پر اور اس کو پورا کرنے والوں پر گواہ ہے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ اس صحیفہ کی خلاف ورزی ظالم اور گناہگار ہی کر سکتا ہے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص اپنے گھر سے نکلا وہ امن میں ہے اور جو شہر مدینہ میں رہتے ہوئے اپنے گھر میں بیٹھا

وہ بھی پرامن ہے سوائے اس کے جو ظلم کرے یا گناہگاری کا طریقہ اختیار کرے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کا نگہبان ہے جو نیکی پر چلے اور تقویٰ اختیار کرے"۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

معاہدہ کا ترجمہ ختم ہوا اس میں جو یہ لکھا ہے کہ یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہودیوں کو یہودیت پر رہنے کی اجازت دے دی گئی، یہ تو ایک امن و امان کا معاہدہ ہے، رہا ایمان و کفر کا مسئلہ وہ اپنی جگہ ہے۔ دینِ اسلام میں زبردستی نہیں ہے جیسے لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرہ: ۲۵۶) میں بیان فرمایا ہے دین اسلام کی دعوت معاہدہ کے بعد بھی جاری رہی اور جن یہودیوں کو مسلمان ہونا تھا مسلمان ہو گئے۔ نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اس معاہدہ میں بعض وہ چیزیں مذکور ہیں جو بعد میں منسوخ ہو گئیں اور بعض وہ احکام بھی ہیں جو بعد میں بدل گئے ان کو بھی اسی پر محمول کر لیا جائے کہ یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ بعد میں یہودیوں نے خود ہی اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔ یہودیوں کے قبیلہ بنی قینقاع نے اس کی ابتداء کی واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک عربی عورت اپنے جانوروں کا دودھ لے کر آئی اور اسے بنی قینقاع کے بازار میں بیچ دیا اس کے بعد ایک سنار کی دوکان پر بیٹھ گئی وہاں قبیلہ قینقاع کے یہودی جمع ہو گئے اور اس سے منہ کھولنے کو کہا اس نے انکار کیا تو سنار نے اس کے سامنے سے کپڑا ہٹا کر اس کی پشت کی طرف باندھ دیا جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کا پردہ والا حصہ کھل گیا اس پر یہودی ہنسے اور وہ عورت چیخ اٹھی، ایک مسلمان نے اس یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ اس پر یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اب تو مقتول مسلمان کے گھر والوں نے مسلمانوں کو پکارا جو غصہ میں بھر گئے اور یہودیوں کے خلاف کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد دونوں جماعتوں میں دشمنی کی بات ٹھن گئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا اور انہوں نے کہا آپ جو حکم دیں ہم اس پر راضی ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ ابن

اُبی ابن سلول رئیس المنافقین درمیان میں کھڑا ہو گیا اور اس نے انہیں قتل کرنے نہ دیا[1]۔ پھر بعد میں یہودیوں کے دوسرے قبیلوں کی طرح قبیلہ بنی قینقاع کو بھی جلاوطن کر دیا گیا[2]۔

مواخات

حضرات مہاجرین اور انصار میں تو بہت ہی زیادہ محبّت تھی پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپس میں مواخات کرا دی تھی یعنی ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا تاکہ اور مزید محبّت بڑھ جائے اور خصوصی طور پر ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیال کرے۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات مہاجرین اور انصار میں مواخات کرا دی اس کی تفصیل سیرت ابن ہشام میں لکھی ہے۔ جس مہاجر کو جس انصاری کا بھائی بنایا اس کے نام بھی لکھے ہیں، یہ مواخات اتنی مضبوط تھی کہ ان میں سے کسی ایک کی وفات ہو جاتی تھی تو دوسرا بھائی اس کا وارث ہو جاتا تھا اور ذوی الارحام کو میراث نہیں پہنچتی تھی۔

سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی
وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ	اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد
وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں
وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا	کو پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ
اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ (۷۲)	لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ	ارباب قرابت، ایک دوسرے
اَوْلٰى بِبَعْضٍ ۔ (الانفال: ۷۵)	کے زیادہ حقدار ہیں۔

اس آیت سے میراث کا حکم منسوخ ہو گیا اور وراثت میں رشتہ داری کے اصول

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ [2] ایضاً

پر حصے مقرر کر دیئے گئے (جو سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں)

ہجرت و نصرت دونوں کا باہمی تعلق

جو حضرات ہجرت کر کے کسی ملک میں پہنچیں انہیں تو کسی مخلوق سے کوئی لالچ رکھنا نہیں چاہیئے اللہ کی رضا کے لئے وطن چھوڑا ہے اسی سے نصرت کی امید رکھیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں، لیکن جس ملک میں ہجرت کر کے گئے ہیں وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ہر طرح سے ان کی مدد کی۔ اسی لئے ان کو انصار (مدد کرنے والے) کا لقب دیا گیا، سورۂ حشر میں فرمایا

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ	اور وہ لوگ جنہوں نے دارالاسلام کو
وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ	پہلے سے اپنا ٹھکانا بنایا اور ایمان کو
مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا	مضبوطی سے پکڑا ان لوگوں سے محبت
يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ	کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ	کی اور جو کچھ ان کو دیا گیا اس سے اپنے
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ	سینوں میں کوئی رشک محسوس نہیں
خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ	کرتے، اور اپنی جانوں پر ترجیح دیتے
نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۹)	ہیں اگرچہ خود ان کو حاجت ہو اور جو

شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا دیا گیا سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

انصار کا ایثار

انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ لینے دینے کا اور نصرت و خدمت کا برتاؤ کیا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مہاجرین کے اور ہمارے درمیان ہمارے اموال تقسیم فرما دیجئے آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ پھر یہ بات طے ہوئی کہ حضرات مہاجرین انصار کے ساتھ باغوں میں کام کریں اور وہ ان کا حصہ دے دیا کریں [۱]

[۱] صحیح بخاری ص ۵۳۴

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ تمہیں بحرین کا مال اور جائیداد میں نے دینے کا ارادہ کیا ہے، انصار نے عرض کیا ہم اس صورت میں اس مال کو لے سکتے ہیں کہ جس قدر ہمیں دیا جائے اسی قدر مہاجرین کو بھی عنایت فرمائیں، آپ نے فرمایا اگر تم نہیں لیتے تو صبر کرو یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو، مزید فرمایا کہ میرے بعد تم دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جا رہی ہے اس وقت تم صبر کرنا لہ

مہاجرین کی تجارت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کردی تو حضرات انصار نے بہت ہی زیادہ ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کیا اس سلسلہ میں جو واقعات روایت کیے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف مہاجر اور حضرت سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ مواخات قائم ہو جانے کے بعد حضرت سعد بن الربیعؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن ابن عوف کے سامنے اپنے تعاون کی پیش کش کرتے ہوئے کہا کہ انصار کو علم ہے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں میں اپنا آدھا مال آپ کو دے دیتا ہوں اور میری دو بیبیاں ہیں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں جب اس کی عدت گذر جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے مجھے تو تم بازار کی جگہ بتا دو (کچھ تجارت کرلوں گا) چنانچہ انہیں سوق بنی قینقاع کا راستہ بتا دیا (یہ ایک مشہور بازار کا نام تھا) وہ بازار میں گئے اور اسی دن کچھ تھوڑا سا کاروبار کیا جس کے نتیجہ میں کچھ پنیر اور کچھ گھی نفع میں بچ گیا اور چند دن تک روزانہ علی الصباح بازار میں جاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے شادی بھی کرلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے کپڑوں پر کچھ زردی کا اثر دیکھا آپؐ نے فرمایا اے عبدالرحمٰن یہ کیا ہے (آپؐ کو یہ زرد رنگ ناگوار ہوا) حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے یہ نشان بیوی

لہ صحیح بخاری ص ۵۳۴ -

کے میل جول سے لگ گیا ہے میں نے اپنے کپڑے میں خود نہیں لگایا) آپؐ نے فرمایا کتنا مہر مقرر کیا ہے؟ عرض کیا ایک گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری ذبح کردو [1]

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ جب کوئی شخص تین بار آنے کی اجازت طلب کرے اور اجازت نہ ملے تو واپس ہوجائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر گواہ قائم کرو کہ واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انہوں نے حضرت ابوسعید کو پیش کیا جنہوں نے گواہی دی کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم بازاروں کی خرید و فروخت میں مشغول رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہم پر پوشیدہ رہا۔ (جمع الفوائد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے چار سال کے لگ بھگ خدمت عالی میں رہے لیکن احادیث شریفہ دیگر تمام صحابہ سے زیادہ انہیں سے مروی ہیں، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ پرانے صحابہ تو اس قدر روایات بیان نہیں کرتے یہ کیسے بیان کرتے چلے جاتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لوگوں کے اس تعجب کا پتہ چلا تو فرمایا:

"تم لوگ کہتے ہو کیا بات ہے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ احادیث نقل نہیں کرتے اور کیا بات ہے انصار ان حدیثوں کی روایات نہیں کرتے (جو ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں) بات یہ ہے کہ مہاجرین تو بازاروں میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اور انصار اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت کاری میں لگے رہتے تھے۔ میں معتکف آدمی تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں خوب زیادہ حاضری دینے والا تھا دوسرے حضرات غائب ہوتے تھے تو میں حاضر ہوتا تھا اور وہ لوگ بھول جاتے تھے اور میں یاد رکھتا تھا، اور ایک دن کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] صحیح بخاری ص ۷۷۵

علیہ وسلم نے فرمایا؛ کون ہے جو اپنا کپڑا بچھادے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، میری بات ختم ہونے تک کپڑا بچھا رہے اور بات ختم ہونے کے بعد اس کپڑے کو اٹھالے (پھر اپنے جسم سے لگالے) جو شخص ایسا کرے گا میری جو بھی کوئی بات سنے گا کبھی نہ بھولے گا میں نے اپنا کپڑا بچھا دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بات بیان فرمائی اس کے بعد اپنا کپڑا میں نے اٹھالیا اٹھا کر اپنے جسم سے لگالیا اللہ کی قسم اس کے بعد سے میں کوئی بھی بات نہیں بھولا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، اللہ کی قسم اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں کبھی بھی تم سے کچھ بیان نہ کرتا وہ آیت یہ ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الۡهُدٰی (البقرہ ۱۵۹) (الی آخر الآیۃ)[۱]

اس آیت میں علم چھپانے کی وعید بیان فرمائی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ علم کے چھپانے کی جو وعید ہے اس کی وجہ سے میں احادیث بیان کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے علاوہ دیگر مہاجرین کرامؓ بھی مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کاروبار تو مشہور ہی ہے۔ حضرات مہاجرین انصار مدینہ پر بوجھ نہ بنے، ان کے باغوں میں کام کیا، کاروبار میں لگے اور اپنا خرچہ خود اٹھانے کے لئے فکرمند ہوئے۔ اگرچہ حضرات انصار نے بھی اپنی رواداری میں کوئی کسر نہیں رکھی۔

حضرات انصار کے فضائل

حضرات انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو فضیلتیں احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں ان میں سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد پوری زندگی مدینہ منورہ ہی میں گذاری اور فتح مکہ کے بعد بھی مدینہ منورہ ہی میں رہے اور انصار سے فرمایا معکما المحیا والممات تمہارے

[۱] اخرجاہ فی الصحیحین۔

ہی ساتھ میری زندگی ہے اور موت ہے، ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ انصار جس وادی اور جس گھاٹی میں چلیں میں اسی گھاٹی میں چلوں گا اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔[1]

حضرت برار بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انصار سے مؤمن ہی محبّت کرے گا اور منافق ہی ان سے بغض رکھے گا جس نے ان سے محبّت کی اللہ ان سے محبّت فرمائے گا اور ان سے جس نے بغض رکھا وہ اللہ کے نزدیک بھی مبغوض ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انصار کی عورتیں اور بچّے جو کسی شادی سے واپس آرہے تھے انہیں دیکھا اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ اللہ گواہ ہے تم لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، یہ کلمہ آپؐ نے تین بار فرمایا۔[1]

ہجرت کے بعد بعض مہاجرین کا امراض میں مبتلا ہونا

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینہ منورہ وبائی شہر تھا، اس میں بخار کثرت سے آتا تھا جو بہت سخت اور گردن توڑ ہوتا تھا، اور اکثر افراد اس میں مبتلا رہتے تھے، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم جب مکّہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی وبائی آب و ہوا سے متاثر ہوئے اور بخار میں مبتلا ہو گئے، مبتلا ہونے والوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلالؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بھی بخار آگیا تھا، اور اس قدر شدید تھا کہ اُن کے سر کے بال تک اڑ گئے تھے، جب حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخار آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئیں، اس وقت اُن کی عمر سات آٹھ سال

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۳۳

تھی، اور پردہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بخار میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

كُلُّ امْرِئٍ مُّصَبَّحٌ فِىْ اَهْلِهٖ　　　وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ شعر سنا تو دل میں کہا کہ اباجان عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ کیا فرما رہے ہیں۔

اخبار مدینہ میں عمر بن شیبہؒ نے لکھا ہے کہ یہ شعر حنظلہ بن سیار کا ہے جو اس نے یوم ذی قار میں کہا تھا، حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ عبرت اور نصیحتِ نفس کے لئے اس کو بخار کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو صبح کے وقت دوسرے لوگ دعا دیتے ہیں اور کہتے ہیں صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ۔ "اللہ خیریت کے ساتھ تیری صبح کرے" لیکن موت کا کسی کو پتہ نہیں کب آ کھڑی ہو اور وہ انسان سے اتنی قریب ہے کہ اس کے جوتہ کا تسمہ بھی قدم سے اتنا قریب نہیں ہے۔

بعض شرّاح نے كُلُّ امْرِئٍ مُّصَبَّحٌ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ ہر آدمی کو صبح کے وقت شراب پلائی جاتی ہے اور اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ موت قریب کھڑی ہے، تھوڑی دیر میں دبا لیتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ معظمہ بہت یاد آتا تھا اور بخار اُتر جانے کے بعد مکہ کی یاد میں بلند آواز سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے،

اَلَا لَيْتَ شِعْرِىْ هَلْ اَبِيْتَنَّ لَيْلَةً　　　بِوَادٍ وَّحَوْلِىْ اِذْخِرٌ وَّجَلِيْلُ

ترجمہ "کاش مجھے پتہ چل جاتا کیا کوئی رات اس وادی میں گذاروں گا کہ میرے ارد گرد اذخر و جلیل گھاس ہو گی"

اذخر مکہ معظمہ کے جنگل کی مشہور گھاس ہے جو بہت عام ہوتی ہے، یہ گھاس خوشبودار ہوتی ہے، پتے چوڑے چوڑے ہوتے ہیں، اور جلیل پیلے رنگ کی ایک گھاس ہے، اس سے چھپّر وغیرہ بنایا کرتے تھے، شیخ ابو عمر نے فرمایا کہ یہ دونوں گھاسیں (اذخر و جلیل) مکہ میں اور اس کی وادیوں میں ہوتی ہیں، اور کسی جگہ نہیں ملتی ہیں۔

وَهَلْ اَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجِنَّةٍ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِيْ شَامَةٌ وَّطَفِيْلُ

ترجمہ: "اور کیا میں کسی دن مجنّہ مقام کے پانیوں پر وارد ہوں گا (یعنی وہاں کے پانیوں سے پینا اور فائدہ حاصل کرنا نصیب ہوگا) اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے (یعنی کیا کبھی یہ دونوں پہاڑ نظر پڑیں گے)"

مقام مجنّہ کے بارے میں شرّاح حدیث نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، کسی نے کہا ہے کہ یہ جگہ مَرُّ الظَّهران میں تھی، اور کسی نے بتایا ہے کہ مکّہ معظمہ کے نشیبی حصّہ کی جانب ایک برید کے فاصلہ پر تھی، زمانۂ جاہلیت میں یہاں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے سے دس دن بازار لگتا تھا، اس کے بعد آٹھ روز تک ذی المجاز میں بازار لگتا تھا، اس کے بعد حج کے لئے منیٰ کو روانہ ہوجاتے تھے۔

شامہ اور طفیل کے بارے میں شرّاح نے لکھا ہے کہ یہ دونوں مکّہ سے تیس ۳۰ میل دور دو پہاڑ ہیں، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ دونوں پہاڑ مقام مجنّہ کے قریب تھے علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ "میں بھی یہی سمجھتا رہا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں، پھر وہاں سے میرا گذر ہوا تو پتہ چلا کہ یہ دونوں پانی کے چشمے ہیں" لیکن علامہ زرقانی نے فرمایا ہے کہ دونوں باتیں اس طرح جمع ہوتی ہیں کہ پہاڑوں میں یا پہاڑوں کے قریب دو چشمے ہوں، لہٰذا جس نے پہاڑ بتایا اس کی بات بھی ٹھیک ہوئی اور جس نے کہا چشمے ہیں اس کی بات بھی درست ہوئی، واللہ اعلم۔

علامہ زرقانی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ دونوں شعر خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہیں ہیں بلکہ بکر بن غالب جُرہمی کے شعر ہیں، جو اس نے اس وقت کہے تھے جبکہ بنی خزاعہ نے اس کو مکہ معظمہ سے نکال دیا تھا۔[1]

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو حبشہ کے رہنے والے لیکن برسہا برس چونکہ مکہ معظمہ میں رہے تھے اور وہاں کی سرزمین سے مانوس تھے، اور مدینہ منوّرہ آتے ہی وبائی بخار میں پڑ گئے تھے اس لئے مکّہ کی سرزمین کے چھوٹ جانے پر بطور حسرت اور

---

[1] صحیح بخاری مع حاشیہ فتح الباری، اوجز المسالک، ص ۱۲۹ و ۱۳۰ ج ۱

افسوس کے یہ شعر پڑھتے تھے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "کاش! میں مکہ کی وادی میں پہنچ جاتا اور وہاں گھاس کے درمیان اٹھتا بیٹھتا، اور کاش! مکہ کے راستے کے پہاڑوں اور پانیوں پر میرا گذر ہوتا اور پرانے وطن پہنچنا نصیب ہوتا۔

ان اشعار کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ کے مشرکوں کے سرغنوں کے لئے بددعا بھی کی کہ اے اللہ شیبہ، ربیعہ، عتبہ، امیہ پر لعنت کر جنہوں نے ہم کو ہماری سرزمین سے نکال کر وباوالی زمین میں آنے پر مجبور کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کے بخار کا اور ان کے مکہ معظمہ کے اشتیاق کا ذکر کیا تو آپؐ نے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی کہ:۔

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ	"اے اللہ مدینہ ہمیں محبوب بنا
کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ	دے جیسا کہ مکہ سے ہم کو محبت ہے،
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ	بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت دے
صَاعِنَا وَفِیْ مُدِّنَا وَصَحِّحْھَا	دے، اے اللہ ہمارے صاع میں
لَنَا وَانْقُلْ حُمَّاھَا اِلَی	اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما
الْجُحْفَۃِ۔	اور مدینہ کی آب و ہوا کو درست فرما
(صحیح بخاری ص ۲۵۳ ج ۱)	دے اور اس کے بخار کو جحفہ میں بھیج دے۔"

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی، اور مدینہ منورہ کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہو گئی، اس کی ہوا اور اس کی مٹی میں شفا ہے، اس کی بھینی بھینی ہوا کے اثر سے معلوم ہوتا ہے جیسے دل پر شبنم کے پُر بہار قطرے گر رہے ہوں، اس کی گلیوں میں عجیب کیفیت ہے اور در و دیوار میں عجیب بہار ہے، آپؐ کی دعا کے بعد مدینہ منورہ حضرات صحابہؓ کو ایسا ہی محبوب ہو گیا جیسا کہ مکہ معظمہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت ہو گئی، اور مدینہ کے پھلوں میں صاع و مُد میں بھی بہت زیادہ برکت ہو گئی جو آج تک آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے صاع اور مُد اس زمانے میں پیمانوں کے نام تھے،

جن سے ناپ کر خرید و فروخت کرتے تھے۔

جُحفہ رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اس زمانہ میں وہاں یہودی رہتے تھے، اس لئے مدینہ منورہ کے بخار کو وہاں بھیجنے کی دعا فرمائی، مدینہ کی آب و ہوا تو عمدہ ہو گئی اور جحفہ کو ایسی بد دعا لگی کہ اُجڑ ہی گیا اور آج تک اجاڑ ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ایک سیاہ عورت مدینہ منورہ سے مَہْیَعَۃْ میں داخل ہو گئی، آپؐ نے تعبیر دی کہ مدینہ کی وبا منتقل ہو کر مَہْیَعَۃْ میں چلی گئی، مَہْیَعَۃْ جحفہ کا دوسرا نام ہے۔

مدینہ منورہ میں جو آج کل کسی کو بخار آجاتا ہے یہ آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ وبائی بخار ہے، بلکہ بخار کے جو دوسرے طبعی اسباب ہیں ان کی وجہ سے بخار آتا ہے اور بخار مؤمن کے لئے بہت مبارک ہے، اس سے خوب گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے بہت ہی محبت تھی، سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے جب مدینہ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی تھی تو آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، آپؐ کا ارشاد ہے:

اُحُدٌ جَبَلٌ یُّحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ (بخاری شریف) "یعنی اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"

مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بہت محبوب اور مرغوب عمل ہے، ایک حدیث میں فرمایا کہ "جو شخص مدینہ منورہ سے بے رغبت ہو کر اس کو چھوڑے گا اللہ جل شانہ اس کے بدلے اس میں کوئی دوسرا شخص بھیج دے گا جو اس چلے جانے والے سے بہتر ہوگا، اور (فرمایا کہ) جو شخص (مدینہ کے قیام میں) اس کی شدت اور مشقت پر صبر کرے گا میں اس کے لئے سفارش کرنے والا اور گواہی دینے والا بنوں گا۔" (صحیح مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے یہ ہو سکے کہ مدینہ میں مرے اس کو چاہئے کہ وہ مدینہ

ہیں مرے کیونکہ میں اس کے لئے سفارش کروں گا، جو مدینہ میں مرے گا۔
(احمد و ترمذی وقال حسن صحیح غریب اسناداً)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجّال نہ پہنچے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے، مدینہ کے ہر راستہ پر فرشتے صف بنائے پہرہ دے رہے ہوں گے، (دجّال وہاں پہنچے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا، شہر کے باہر) شور زمین میں اتر جائے گا اس وقت مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر کافر اور منافق مدینہ سے نکل کر دجال کے ساتھ ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دجّال مشرق کی جانب سے آئے گا اور اُحد کے پیچھے اترے گا، پھر فرشتے اس کا رُخ شام کی طرف کر دیں گے اور وہ وہاں جاکر ہلاک ہو جائے گا۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ میں طاعون اور دجّال داخل نہ ہوگا (مسلم)

اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص اہل مدینہ کے بارے میں کسی طرح کی بُرائی (یعنی دکھ پہنچانے والی چیز) کا ارادہ کرے گا اللہ اس کو اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ (مسلم)

جن حضرات کو مدینہ طیّبہ میں رہنا نصیب ہے، اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور مدینہ و اہلِ مدینہ سے محبّت کریں، کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو درگذر کریں اور تکلیف دینے والے کے حق میں دعا کریں، جس طرح ممکن ہو دکھ تکلیف کے ساتھ آخری دم تک مدینہ میں رہیں تاکہ مدینہ میں موت آئے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بلاشبہ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ کر آجائے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ کر آتا ہے، اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے، اور بعض احادیث میں مدینہ کو طیّبہ فرمایا ہے۔ (مسلم) "طیّبہ" اور "طابہ" دونوں بمعنی پاکیزہ ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ لوگوں کو گناہوں سے اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے

کے میل کچیل کو دُور کرتی ہے۔ (بخاری)

مدینہ طیبہ میں کسبِ دنیا کے لئے نہ رہے، اور مدینہ کو اس لئے نہ چھوڑے کہ فلاں جگہ مال بہت ہے، یا چیزیں سستی ہیں، حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یمن فتح ہوگا، پس لوگ آئیں گے، اپنے جانوروں کو چلا کر لے جائیں گے، اور اپنے اہل وعیال کو، اور جو کوئی ان کی بات مانے گا اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لئے بہتر ہوگا، کاش وہ جانتے ہوتے، اور شام فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی ان کی اطاعت کرے اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ ان کے لئے مدینہ بہتر ہوگا کاش وہ جانتے ہوتے، اور عراق فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی ان کی بات مان لے گا اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، کاش وہ جانتے ہوتے۔ (بخاری)

ہجرت کے بعد مکہ معظمہ کو واپسی کا حکم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب إِقَامَةِ الْمُهَاجِرِ بِمَكَّةَ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهٖ قائم کیا ہے اس کے بعد حضرت علی بن حنظرمی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ (حجۃ الوداع کے موقع پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تھے وہ حج سے فارغ ہو کر تین دن مکہ معظمہ میں رہ سکتے ہیں اس کے چند سطر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا نقل کی ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اَمْضِ لِاَصْحَابِیْ هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِهِمْ (اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت کو پوری طرح قبول فرما لے اور انہیں پرانے حال پر واپس نہ فرما)

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ (لیکن قابلِ رحم

سعد بن خولہ ہے) یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت سعد بن خولہ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تھی۔ پھر حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے تھے۔ پھر وہاں وفات پا گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ جن صحابہؓ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تھی وہ دوبارہ ـــــــ مکہ معظمہ میں جا کر نہ بس جائیں تاکہ آخر عمر تک ہجرت باقی رہے) مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اس کے باوجود آپؐ کی یہی خواہش تھی کہ مہاجرین واپس مکہ جا کر نہ بسیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے بہت سے صحابہ مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے تھے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب ابن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ پہنچے یہ دونوں لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے ان کے بعد بلالؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عمار بن یاسرؓ پہنچے پھر عمر بن الخطابؓ بیس صحابہ کی ہمراہی میں مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ مدینہ کے رہنے والے کبھی اتنے خوش ہوئے ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر خوش ہوئے۔ آپؐ کے تشریف لانے سے پہلے پہلے میں نے سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور مفصل[1] کی چند سورتیں یاد کر لی تھیں[2]۔

حضرت ابو سلمہ اور عامر بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ اور عثمان بن مظعون اور عیاش بن ابی ربیعہ اور عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان اور زبیر ابن العوام اور طلحہ بن عبیدہ، حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ، عبیدہ بن الحارث، مسطح بن اثاثہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے جن کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں عثمان بن مظعون جن کا اوپر ذکر ہوا یہ وہی صحابی ہیں جو حبشہ سے واپس آ گئے تھے اور مکہ والوں نے انہیں تکلیف پہنچائی تھی جس سے ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔

---

[1] سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ الناس تک تمام سورتوں کو مفصل کہا جاتا ہے۔

[2] رواہ البخاری ص ۵۵۸

حضرت صہیب رومیؓ کی ہجرت کا واقعہ

صہیب بن سنان رومی کو رومی کہا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ رومی نہیں تھے اطراف موصل (عراق) کے رہنے والے تھے۔ رومیوں نے ان کے علاقہ پر حملہ کیا اور انہیں قید کر کے لے گئے۔ آپ اس وقت کم سن تھے روم ہی میں پلے بڑھے۔ پھر بنی کلب ان کو خرید کر مکہ معظمہ میں لے آئے۔ ان سے عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ جب بڑے ہو گئے تھے تو روم سے بھاگ آئے تھے اور مکہ معظمہ میں عبداللہ بن جدعان کے حلیف بن گئے تھے۔ ان کا شمار قدمائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ اُن سے پہلے تیس سے کچھ اوپر حضرات مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت صہیبؓ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں مکہ والے اسلام لانے کی وجہ سے مارا پیٹا کرتے تھے[1]

حضرت صہیبؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش کو پتہ چل گیا تو انہوں نے ان کو روک دیا اور کہنے لگے کہ تم مکہ معظمہ میں آئے تھے تنگدست تھے حقیر تھے تم ہمارے شہر میں رہے پیسہ بھی کمایا اور اب چاہتے ہو کہ ہمارا شہر چھوڑ کر اپنی جان اور مال کو لے کر چلے جاؤ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا۔ حضرت صہیبؓ نے فرمایا اگر میں اپنا مال تمہیں تمہارے لئے چھوڑ دوں اور تنہا چلا جاؤں تو کیا تم اس پر راضی ہو سکتے ہو۔ قریش مکہ نے کہا ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ حضرت صہیبؓ نے فرمایا چلو میں تمہارے لئے اپنا مال چھوڑ کر روانہ ہوتا ہوں۔ چنانچہ مال وہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ دیا اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئے[2]

مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرہ: ۲۰۷)

(اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی رضا کے لئے

---

[1] الاصابہ والاکمال لصاحب المشکاۃ [2] سیرت ابن ہشام

خریدلیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے)۔
حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حلیۃ الاولیاء ص ۱۰۱ ج ا میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی نیّت سے (مکہ معظمہ سے) نکلے تو قریش کے چند افراد ان کے پیچھے لگ گئے تاکہ ان کو واپس کریں، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تیر نکالے اور ان سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے بڑھ کر تیرانداز ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے سارے تیر تمہاری طرف نہ پھینک دوں جو میرے ترکش میں بھرے ہوئے ہیں اس کے بعد میں اپنی تلوار سے لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں سکت رہے گی اب تم جو چاہو کرلو، اور ایک صورت یہ ہے کہ میرا مال اور میرے کپڑے جہاں مکہ میں رکھے ہیں میں تمہیں اس کا پتہ بتادیتا ہوں تم ان کو لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔ وہ کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے ہم اس پر راضی ہیں، اس پر وہ لوگ چلے گئے اور حضرت صہیبؓ سفر قطع کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا ربح البیع ابایحیٰی، ربح البیع ابایحیٰی (اے ابویحیٰی یہ بیع نفع والی ہے، اے ابویحیٰی یہ بیع نفع والی ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی دنیا خرچ کرکے جو اپنی جان اور دین کو بچالیا یہ نفع کا سودا ہے (ابویحیٰی حضرت صہیبؓ کی کنیت ہے) ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر دے دی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ کی ہجرت

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب ابوسلمہ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر کجاوا کسا اور پھر مجھے اس پر سوار کیا میری گود میں سلمہ ابن ابی سلمہ کو بٹھا دیا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے جب بنوالمغیرہ

(جو میرے میکے والے تھے) نے یہ ماجرا دیکھا تو آڑے آ گئے اور کہنے لگے کہ تم تو جا ہی رہے ہو ہماری بچی کو ساتھ لے چلے؟ کس بنیاد پر ہم اپنی بچی کو تمہارے ساتھ جانے دیں یہ کہہ کر ابو سلمہ سے اونٹ کی مہار کھینچ لی اور مجھے ابو سلمہ سے علیحدہ کر دیا جب یہ صورتحال پیش آئی تو ابو سلمہ کے خاندان کے لوگوں نے کہا کہ جب ہماری بچی کو اس کے شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے (پوتا) کو بھی تمہارے قبضہ میں نہیں رہنے دیں گے اب ہم تین افراد الگ الگ ہو گئے۔ ابو سلمہ تو مدینہ منورہ چلے گئے میں بن مغیرہ کے پاس رہنے لگی اور میرے بچہ کو بنو عبدالاسد اپنے ساتھ لے گئے (جو ابو سلمہ کے قبیلہ والے تھے)۔ یہ جدائی ایک سال تک رہی۔ اس عرصہ میں میں روزانہ صبح کو پتھریلی زمین پر جا کر بیٹھ جاتی اور روتی رہتی۔ جب ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو بنی مغیرہ کے ایک شخص نے مجھے دیکھ لیا، اسے مجھ پر رحم آیا اور اس نے بنی مغیرہ کو کہا کہ تم اس مسکین کو کیوں چھوڑ نہیں دیتے تم نے میاں بیوی اور بچے کے درمیان جدائی کر رکھی ہے۔ یہ بات سن کر میرے میکہ کے لوگ یعنی بنو مغیرہ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر تمہارا جی چاہے تو چلی جاؤ۔ جب بنو عبدالاسد یعنی میرے سسرال کے لوگوں کو اس بات کی خبر ملی کہ بنو مغیرہ نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو میرے بچہ کو بھی واپس کر دیا۔ اب میں اونٹ پر سوار ہو کر بچہ کو گود میں بٹھا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ جب مقام تنعیم پر پہنچی تو عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے کہا کہ اے ابو امیہ کی بیٹی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں کہنے لگے کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ میں نے کہا اللہ کی قسم بس میرے ساتھ اللہ ہے اور یہ چھوٹا سا میرا بیٹا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور میرے آگے آگے چل دیے حتیٰ کہ مجھے مدینہ منورہ پہنچا دیا اور قبیلہ عمرو بن عوف پہنچ کر مجھ سے کہا کہ اس بستی (یعنی قباء) میں تمہارے شوہر ہیں حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے عثمان بن طلحہ جیسا شریف اور پاک دامن آدمی نہیں دیکھا جب اونٹ سے اترنے کا وقت آتا تھا تو اونٹ کو بٹھا کر دور ہو جاتے تھے پھر اسے کسی درخت سے باندھ کر دور جا کر لیٹ جاتے تھے،

اور جب چلنے کا وقت آتا تھا تو اونٹ کو میرے قریب لا کر بٹھا دیتے تھے جب میں بچہ کو لے کر سوار ہو جاتی تھی تو اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیتے تھے [1]

دورِ حاضر کے مہاجرین

آج کل لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وطن تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن جہاں آکر آباد ہوتے ہیں وہاں نہ صرف یہ کہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ سابق وطن میں جو دینی زندگی تھی اس کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ شرعی پردہ بھی انہیں ناگوار ہونے لگتا ہے اللہ کے دئے ہوئے مال میں سے اس کے حقوق ادا نہیں کرتے، زکوٰتیں حساب سے نہیں دیتے۔ بائن یا مغلظہ طلاق دے کر بھی جاہلی قانون کا سہارا لے کر عورت کو گھر میں رکھے ہوئے ہیں اور عناد و فساد اور جنگ و جدال کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں۔ کوئی دین کی طرف متوجہ کرے تو اس کے گلے پڑتے ہیں۔ کفریہ کلمات تک بک جاتے ہیں، ان سب باتوں کے باوجود اپنے کو مہاجر ہی کہتے ہیں۔

مہاجرین ہی مہاجرین ہیں انصار کا وجود نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ دینی تقاضوں کے مطابق زندگی گذارنے کا مزاج نہیں رہا۔ مہاجرین کی خدمت کو اپنا کام سمجھنے کی بجائے دارالہجرت کے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ قوم ہمارے لئے بوجھ بن گئی اور ہمارے علاقے میں آکر ہمارے حقوق چھیننے لگی، انصار کو یہ بھی گوارا نہیں کہ مہاجرین اپنے دست و بازو سے اور تجارت و زراعت سے مال حاصل کر کے کمائیں اور کھائیں، دونوں فریق کو عصبیت کھائے جاتی ہے، ہر شخص اپنی نیّت کا جائزہ لے کہ اس نے کیوں ہجرت کی۔ ہجرت اللہ کے لئے ہوتی ہے تو اس کے برکات ہی اور ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاجرین صاحبان دین پر قائم نہیں رہتے اعمالِ صالحہ

---

[1] الاصابہ والاستیعاب، البدایہ

سے بچتے ہیں بڑھ چڑھ کر گناہوں میں حصہ لیتے ہیں اور دشمنانِ دین کی شہہ پر مقامی لوگوں کو دشمن بنا لیتے ہیں، دینی تقاضے تو چھوڑ دیئے، خالص دنیاداری اور گناہ گاری میں لگ گئے۔ اس کے باوجود یہ امید کرتے ہیں کہ انصار ہماری مدد کریں مدد تو دین داری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دین داری کو پس پشت ڈال دیا۔ دنیا ہی دنیا رہ گئی اس کے لئے مرتے ہیں اس کے لئے جیتے ہیں، اہل دنیا سے تو اسی طرح صلح ہوسکتی ہے کہ ان کی ذاتی اشیاء سے گریز کیا جائے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازھد فی الدنیا یحبک اللہ وازھد فیما عند الناس یحبک الناس[1] (کہ تو دنیا سے بے رغبت ہوجا تجھ سے اللہ محبت فرمائے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہوجا لوگ تجھ سے محبت کریں گے) اگر اس پر عمل نہ کیا تو وہی ہوگا جو ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔

دُنیا کی طلب میں وطن چھوڑنے والے

آج کل مسلمانوں میں اپنا وطن چھوڑ کر یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا جاکر آباد ہونے کا ذہن بن رہا ہے اور اس کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔ ان ملکوں میں جانے سے جو دینی خطرات ہیں اس طرف لوگوں کی توجہ نہیں ہے بہت سے لوگ جن میں خاندانی طور پر دینی جذبات ہیں اور حضرات اکابر علماء اور سادات و شیوخ کے اولاد ہیں وہ بھی مذکورہ ممالک کی طرف رُخ کررہے ہیں اور کتنے ہی افراد و خاندان وہاں جاکر آباد ہوچکے ہیں اور سلسلہ جاری ہے۔

جو لوگ ممالک مذکورہ میں جاکر آباد ہوتے ہیں، مال کی طلب میں اپنا وطن چھوڑتے ہیں کھانے پینے اور پہننے کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ضروریات سے زائد مال ان کے پاس اپنے وطن میں ہوتا ہے لیکن کثرت مال کی حرص میں اپنا وطن چھوڑ کر مذکورہ ممالک کا سفر اختیار کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا مقصد

---

[1] رواہ الترمذی۔

صرف حب جاہ ہے یعنی ان کا نفس انہیں ترغیب دیتا ہے کہ باہر کے ملکوں میں چلیں تو شہرت ہو گی لوگ بڑا آدمی سمجھیں گے اور عزیز و اقارب یہ کہیں گے کہ فلاں صاحب کو امریکن نیشنلٹی مل گئی اور اس طرح سے ایک فخر کی شان پیدا ہو جائے گی۔

ان دونوں چیزوں پر نظر ہے لیکن اپنے دین و ایمان کی بقاء و حفاظت کے لئے کوئی فکر نہیں ہے اگر کوئی شخص حلال روزی طلب کرے تو شرعاً بُری بات نہیں لیکن مال کی طلب میں ایمان کو خطرہ میں ڈالنا اور فرائض و واجبات سے غافل ہو جانا اور گناہ والی زندگی گذارنا دنیا میں بھی تباہی ہے اور آخرت میں بھی عذاب و بربادی ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ جو لوگ ان ممالک میں جاتے ہیں وہ سب ہی اپنا دینی نقصان کر بیٹھتے ہیں لیکن اب تک جو بات سننے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ان ملکوں میں جا کر دینی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے اپنا دین و ایمان کھو بیٹھتے ہیں اور ایسے افراد تو ہزاروں ہیں جنہیں وہاں پہنچ کر حلال و حرام کی تمیز نہیں رہتی نہ شریعتِ اسلامیہ کی پاسداری رہتی ہے، فرائض اور واجبات چھوٹ جاتے ہیں اور کبیرہ گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں اگر دین برباد ہوا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوئے تو یہ چند دن کی دنیا کی چہل پہل کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الدُّنْیَا حَلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ ؕ

ترجمہ: دنیا میٹھی ہری بھری چیز ہے اللہ تمہیں اس میں اپنا خلیفہ بنائے گا پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو لہٰذا تم دنیا سے بچو اور عورتوں سے پرہیز کرو (یعنی عورتوں کے فتنہ میں نہ آؤ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔)

کافروں کے ماحول میں اللہ تعالےٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں اور آخرت کی پیشی کا فکر نہیں رہتا فرائض کو چھوڑتے ہیں اور واجبات کو بھی اور طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں، خیانت، فریب، مال میں ملاوٹ، رشوت لینے

دینے اور حرام چیزوں کی خرید و فروخت کرنے اور حرام کھانے سے پرہیز نہیں کرتے۔ گنا ہوں میں لت پت ہونا ان کا مزاج بن جاتا ہے یہ چیزیں مؤمن بندوں کی شان سے بہت دور ہیں یہ وہ باتیں ہیں جنہیں سب جانتے ہیں اور سب کی نظروں کے سامنے ہیں مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ آخرت کے لئے فکر مند ہوں اور حقیر دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔ لوگ محض طلب دنیا کے لئے جا کر رہتے ہیں ان کے لئے سب سے بڑا خطرہ نسلوں کی بربادی کا خطرہ ہے۔ عام طور سے اسلامی اور دینی ماحول سعودی عربیہ، پاکستان، بنگلہ دیش میں پایا جاتا ہے یہاں علم دین بھی ہے علماء بھی ہیں، دینی محنتیں بھی ہیں (گو اسلام پر پورا عمل نہیں پھر بھی یورپ اور امریکہ کے ماحول سے بہت زیادہ بہتر ہے)۔

ممالک مذکورہ میں بہت سے مسلمانوں میں دینی اعمال کی پابندی ہے اور جن لوگوں میں عملی کمزوری ہے ان میں سے بھی بہت سے لوگ ماحول کے اثر سے دینی اعمال کر لیتے ہیں، نئی نسلوں کے لئے قرآنی مکاتب اور اسلامی مدارس بھی اچھی خاصی تعداد میں ہے اس ماحول کو چھوڑ کر ان ممالک میں جانے سے جہاں اسلامی ماحول نہیں ہے بلکہ فواحش، منکرات اور معاصی کا دور دورہ ہے نئی نسلیں متاثر ہوں گی اور بے دینی کی زندگی اختیار کریں گی خصوصاً جبکہ قانونی طور پر ان ملکوں میں بچوں پر ماں باپ کا کنٹرول بھی گوارہ نہیں ہے اور اٹھارہ سال کا لڑکا ہو یا لڑکی وہ تو پوری طرح سے قانونی طور پر آزاد ہوتا ہے کہ جو دین چاہے اختیار کرلے اور جیسی زندگی چاہے اختیار کرلے فواحش و منکرات سے اسے باز نہیں رکھا جا سکتا لہٰذا ایسے ملکوں میں اولاد کو لے جا کر ڈالنا ان کو برباد کرنا ہے۔ مزید بات یہ ہے کہ ان ملکوں میں کمپلسری ایجوکیشن کا نظام ہے اٹھارہ سال تک لڑکوں اور لڑکیوں کو حکومتی اداروں میں پڑھنا لازمی ہے اور مسلم اور غیر مسلم طلبہ و طالبات سب مل جل کر کلاسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور چلنے پھرنے اور مل کر بیٹھنے میں بھی ہر طرح کی آزادی ہے۔ پھر اسکول اور کالجوں کا یونیفارم بھی سراسر بے پردگی بلکہ عریانی والا ہے، یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ ایشیائے مذکورہ ممالک میں

جا کر آباد ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے جنگلوں اور کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور بعض لوگ چھوٹی موٹی دکان کھول لیتے ہیں جن میں شراب، سؤر اور دوسرے حرام گوشت بیچتے ہیں اور اس کے بغیر وہاں دکان چل نہیں سکتی۔ اوّل تو حرام کا بیچنا حرام ہے اور پھر اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ پھر مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے شراب بنانے والے پر اور شراب پینے والے پر اور شراب پلانے والے پر اور شراب اٹھا کر لے جانے والے پر اور جس کے پاس شراب لے جائی جائے ان سب پر لعنت بھیجی ہے[1]

جو لوگ ان ہوٹلوں میں کام کرتے ہیں جن میں آنے جانے والوں کو شراب پلائی جاتی ہے وہ لوگ بھی اس وعید پر غور کرلیں۔ عموماً ایشیائی ملکوں کے مسلمان یورپ اور امریکہ کے ممالک میں جا کر اس طرح کے ہوٹلوں میں نوکریاں کر لیتے ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر اس طرح کی دکانیں کرنے اور نوکریاں حاصل کرنے سے کچھ پیسے زیادہ مل بھی گئے اور ساتھ ہی لعنت پڑ گئی تو ایسا پیسہ کس کام کا؟ زیادہ مال کمانے کے لئے مسلمانوں کا ملک چھوڑ کر کافروں کے ملکوں میں سکونت اختیار کرنا اور شراب بیچ کر لعنتی بننا اس میں کون سا ایسا نفع ہے جسے مقصودِ زندگی بنایا جائے۔

مذکورہ ممالک سے آنے جانے والوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمان ایسی ایسی جگہوں میں جا کر آباد ہو جاتے ہیں جہاں سے مسجدیں بیس تیس میل کے فاصلہ پر ہوتی ہیں اگر کوئی شخص نماز کا اہتمام کرتا ہو تو تنہا نماز پڑھتا ہے اور جماعت کی نماز سے محروم رہ جاتا ہے البتہ بعض لوگ ہمت کر کے جمعہ کی نماز میں حاضر ہو جاتے ہیں اور ایسی بستیوں میں رہنا پڑتا ہے جہاں صرف کافر ہی ہوتے ہیں کافروں میں رہنا مستقل وبال ہے شیطان پیچھے لگ جاتا ہے، ایمانیات سے ہٹا دیتا ہے۔ مسلمان کو مسلمانوں میں رہنا لازم ہے تاکہ اللہ کے ذکر کا چرچہ ہوتا رہے نمازیں پڑھی جاتی رہیں اور اسلامی احکام ادا ہوتے رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس جنگل میں یا بستی میں تین آدمی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۲

ہوں اور وہاں نماز قائم نہ کی جاتی ہو تو ان پر شیطان غلبہ پالیتا ہے لہٰذا تم جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو اپنی جماعت سے دور ہو جاتی ہے[1]

دوسری حدیث میں ہے کہ انسان کا بھیڑیا شیطان[2] ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے انا بریٔ ممن یعیش بین أظهر الکفار ۔ (میں اس شخص سے بری ہوں جو کافروں کے درمیان زندگی گذارتا ہے۔)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مؤمن کافر سے اتنا دور رہیں کہ دونوں طرف کی آگ جلے تو ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے ۔ غیر مسلموں میں رہتے ہوئے اپنے دین کا احساس نہیں رہتا ہے ۔ ہمارے ایک دوست کی بہن آسٹریلیا میں رہتی تھی عرصہ دراز کے بعد آپس میں ملاقات ہوئی تو بھائی نے بہن سے پوچھا تم وہاں کس حال میں رہتی ہو ؟ بہن نے جواب دیا کہ ہم تو وہاں بسم اللہ پڑھ کر سؤر بھی کھا لیتے ہیں ۔ (العیاذ باللہ) یہ دینی ماحول سے دور رہنے کا اثر ہے ۔

سب مسلمانوں سے درخواست ہے کہ دینی ماحول میں رہیں اپنے بچّوں کو دین سکھائیں، قرآن و حدیث پڑھائیں بے دینی کے ماحول میں نہ خود جائیں نہ اولاد کو جانے دیں اگر ایسی غلطی ہو چکی ہے تو جلد سے جلد اس سے چھٹکارہ حاصل کرکے دینی ماحول میں پہنچے جہاں ایمانیات کا نماز باجماعت کا اور قرآن و حدیث کی تعلیم کا اور اللہ تعالےٰ کے ذکر کا اور دین کی محنت کرنے کا ماحول ہو ورنہ شیطان خود والدین کو اور ان کی آنے والی نسلوں کو دین سے دور کر دے گا، شیطان انسان کا کھُلا ہوا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی میرے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں اور اسی کے لئے اس کی محنتیں ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے شر سے بچائیں دنیا سے زیادہ آخرت کی محبّت دل میں بسائیں اور ہر مؤمن کو عبادت اور تلاوت اور ذکر پر لگائیں جو بہت بڑی کامیابی ہے۔

سورۃ الذاریات میں فرمایا : وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۵۶)

ترجمہ : اور میں نے جنّات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح صـ ۹۶ [2] جمع الفوائد از احمد

لہٰذا انسان کے پیشِ نظر صرف اپنا مقصد تخلیق یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہونا چاہیئے۔ دنیا میں جینے اور جینے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دنیا کمانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن دنیا کو مقصد زندگی نہ بنایا جائے جو لوگ دنیا ہی کو زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں اور اس کے لئے مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور کھاتے ہیں کمانے کے لئے اور کماتے ہیں کھانے کے لئے ایسے لوگ پوری طرح دنیا میں منہمک ہو جانے کی وجہ سے فکر آخرت سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہتے ہیں آخرت سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ موت کے بعد کیا ہوگا اس کی بالکل فکر نہیں رہتی فرائض کو چھوڑتے ہیں اور واجبات کو بھی اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تمہارے کاموں کے بدلے قیامت کے دن پورے پورے دئے جائیں گے سو جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنّت میں داخل کر دیا گیا یہ کامیاب ہے اور دنیا والی زندگی صرف دھوکہ کا سامان ہے۔

دیکھو قرآنِ کریم نے صاف بتا دیا کہ کامیاب وہ ہیں جو دوزخ سے بچا دئے گئے اور جنّت میں داخل کر دئے گئے لہٰذا ہر شخص اپنی زندگی اس طرح گذارے کہ دوزخ سے بچ سکے اور جنّت میں جا سکے۔ ہری بھری اور میٹھی میٹھی دنیا کو مقصود زندگی نہ بنائے جسے قرآن کریم نے مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (دھوکے کا سامان بتایا ہے۔ یاد رہے کہ ان اوراق میں وہ لوگ مخاطب نہیں ہیں جو ممالک مذکورہ میں دینی محنتیں کرتے ہیں، دین کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی اولاد کو کفر اور فسق اور فحاشی و عریانی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

بس ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں یہ سطریں اخلاص کے ساتھ اہلِ ایمان کی ہمدردی کے لئے لکھی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمال صالحہ کی توفیق دیں اور معاصی سے بچائیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

جہاد کی ضرورت اور حکمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے، ان کی اہلیہ محترمہ ساتھ تھیں دونوں سے نسل چلی اور بڑی تعداد میں افرادِ انسان دنیا میں پھیل گئے (وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً) (نساء:۱)

ایک عرصہ تک دنیا میں مؤمنین ہی موحّدین تھے پھر دینِ حق کے منکرین بھی پیدا ہوگئے بت پرستی بھی دنیا میں رواج پذیر ہوگئی اہل حق اور اہل باطل کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں، آپ شہر مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اسی شہر میں مشرکین رہتے تھے کعبہ شریف کے اندر تک ان لوگوں نے بُت رکھے ہوئے تھے، جب تک آپ نبوّت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے تو مشرکینِ مکّہ آپ کی بہت تعریف کرتے تھے اور آپ کو الصادق الامین کے لقب سے یاد کرتے تھے، جب آپ نے لاالٰہ الااللہ کی دعوت دی اور توحید کا سبق سکھایا تو وہ ہی لوگ جو کل تک آپ کی تعریفیں کرتے تھے آپ کے دشمن ہوگئے یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے تھے، تکلیفیں پہنچاتے تھے جو شخص اسلام قبول کرلیتا تھا اسے بہت زیادہ مارتے پیٹتے تھے جیسا کہ اسی کتاب کی پہلی جلد میں گذر چکا ہے۔

مشرکینِ مکہ نے دینِ توحید کی دشمنی پر ایسی کمر باندھی اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی تکلیفیں پہنچائیں کہ آپؐ اور آپ کے صحابہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے، جب تک یہ حضرات مکہ معظمہ میں تھے ان کو صبر کرنے کا حکم تھا جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی، جب مسلمان مدینہ منورہ میں جمع ہوگئے اور امن کی جگہ مل گئی اور ایک مرکزی جگہ حاصل ہوگئی (جس میں اپنا اقتدار بھی ہوگیا) تو اللہ جلّ شانہ نے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دیدی

سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ ۙ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا ؕ وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ○ (۳۹، ۴۰)

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے، یہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے صرف یہ کہنے کی وجہ سے نکالے گئے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع فرماتا ہے تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے گرا دیئے جاتے، اور یہ بات ضروری ہے کہ اللہ اس کی مدد کریگا جو اللہ کی مدد کرے بلاشبہ اللہ قوی ہے غلبہ والا ہے۔

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اہل ایمان کو قتال کرنے کی اجازت دی گئی جو اب تک مظلوم تھے اور ان سے جنگ کی جاتی رہی تھی، دوسرے یہ فرمایا کہ یہ مؤمن بندے اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ دشمنوں کے نزدیک ان کا صرف یہی قصور تھا کہ یہ حضرات یوں کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے حالانکہ یہ کوئی قصور کی بات نہیں ہے، یہ حضرات کسی کا مال نہیں چراتے تھے، خیانت نہیں کرتے تھے، بُرے افعال میں مبتلا نہ تھے، اس کے باوجود توحید کے دشمنوں نے انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا۔ چوتھی بات یہ بتائی کہ اللہ جل شانہٗ کا اپنے مؤمن بندوں کے ساتھ یہ معاملہ رہا ہے کہ کافروں سے ان کی لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمن بندوں کی مدد ہوتی رہی ہے۔

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا

اور بہت سے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں اُن کی

اسْتَكَانُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ (۱۴۶) وجہ سے نہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے اور نہ عاجز ہوئے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے،

اپنے اپنے زمانہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ مل کر کافروں سے جنگ کی ہے اور اس کے ذریعہ کافروں کا زور توڑا ہے، یہ اللہ جل شانہٗ کی عادت رہی ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ دوسری جماعت کو دفع فرمایا ہے، اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو کفار اہل ایمان کی عبادت گاہوں کو گرا کر ختم کر دیتے۔ یہود نے (جو اپنے زمانہ میں مسلمان تھے) دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اپنی عبادت گاہوں کو بچایا، پھر نصاریٰ کا دور آیا (جو اپنے زمانہ کے مسلمان تھے) انہوں نے بھی کافروں سے جنگ کی اور اپنے عبادت خانوں کی حفاظت کی، وہ دونوں قومیں اب بھی ہیں لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہیں، اب امتِ محمدیہ ہی مسلمان ہے اور تمام کافروں سے (جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں) مسلمانوں کی جنگ ہے اگر مسلمان اپنے دین کی بقا کے لئے محنت نہ کریں اور بوقت شرعی جہاد جنگ نہ کریں تو ان کی مسجدیں گرادی جائیں ______ جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے، کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مسجدیں بنائیں اور ان میں جماعت سے نمازیں پڑھیں۔

اسلام میں جیسے نماز روزہ اور دیگر احکام کی اہمیت ہے ایسے ہی جہاد جاری رکھنا بھی مامور بہ ہے اگر جہاد جاری نہ رکھا جائے تو اہل کفر مسلمانوں کو کچا کھا جائیں، نہ نئی مساجد تعمیر ہونے دیں، نہ پرانی مسجدوں کو باقی رہنے دیں، اذانیں بند کرا دیں، مدارسِ قرآنیہ ختم کرا دیں، اور گو آپس میں اہل کفر میں اختلاف ہے لیکن اسلام اور مسلمان کو نقصان پہنچانے اور دنیا سے مٹانے کی نیتوں اور مشوروں میں سب ایک ہیں۔ الحمد للہ علماء کرام اور مجاہدینِ عظام کی جہود اور مساعی سے اور مسلمانوں کی باہمی کوششوں سے عرب و عجم میں کافر مسلمان ہو رہے ہیں اور مساجد اور مدارس کی تعمیر پوری شان و شوکت کے ساتھ ہو رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں کثرت سے غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں اور مساجد و مدارس کا جال پھیل رہا ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ جہاد جنگ ہی کے ذریعہ ہو اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے مال خرچ کرنا، سفر کرنا، تقریریں کرنا، رسائل اور کتابیں لکھنا یہ سب جہاد کی صورتیں ہیں، جنگ کے موقعہ پر جنگ کریں اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ہر طرح کی محنتیں جاری رکھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم[1] (باب كراهية ترك الغزو)

اس حدیث میں زبانوں سے جہاد کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ زبان سے جہاد کرنے میں بہت باتیں آگئیں، کافروں سے مناظرہ کرنا، ان کے خلاف تقریریں کرنا مسلمانوں کو جہاد کے لئے ترغیب دینا اور آمادہ کرنا وغیرہ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق بلند کرنے کے لئے قتال کرتی رہے گی جو شخص ان کے مقابلہ میں آئے گا یہ جماعت اس پر غلبہ پاتی رہے گی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ میری امت کے آخری لوگ مسیح دجّال سے قتال کریں گے۔

ائمہ کرام اور فقہاء عظام کا یہی مذہب ہے کہ مسلمانوں پر ہر قسم کا جہاد باقی رکھنا لازم ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن ص۱۱۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام مالکؒ اور تمام فقہاء امصار کا قول ہے کہ جہاد قیامت تک فرض ہے لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اس میں مشغول رہے گی تو باقی مسلمانوں کو اس کے ترک کرنے کی گنجائش ہوگی، اور یہ بھی لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کے ممالک کی سرحدوں کے رہنے والے مسلمان اگر طاقت ور نہ ہوں اور ان میں کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو جس کی وجہ سے انہیں اپنے شہروں اور اپنی جانوں اور اپنے بال بچوں پر دشمنوں کی طرف سے خوف ہو تو ساری امت پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں اور کافروں کے حملہ سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

---

[1] رواہ ابوداؤد

اس کے بعد لکھتے ہیں ___ کہ امت میں کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے کہ جب (کسی علاقہ میں) مسلمانوں کو اپنی جانوں کے قتل ہونے کا اور بچوں کے قید ہونے کا خطرہ ہو تو دوسرے (علاقہ کے) مسلمانوں کو ان کی مدد چھوڑ کر گھر بیٹھنا جائز ہو۔

پھر لکھا ہے کہ امام المسلمین پر اور عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ ہمیشہ کافروں سے جنگ کرتے رہیں یہاں تک کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔

صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اگر اس فریضہ پر قائم رہے تو باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بھی جہاد میں مشغول نہ رہے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں کہ کافروں سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ خود سے جنگ میں پہل نہ کریں، اور اگر مسلمانوں کے کسی شہر پر دشمن چڑھ آئیں تو تمام مسلمانوں پر ان کا دفاع لازم ہوگا اس صورت میں عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کھڑی ہو، اور غلام بھی آقا کی اجازت کے بغیر میدان میں آجائے، اس لئے کہ اس صورت میں دشمنوں سے جنگ کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ کتاب السیر) جیسا کہ پہلے فرض کیا گیا۔ جہاد اور قتال اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کا دین پھیلانے کے لئے ہے اور جنگ برائے جنگ نہیں ہے۔

صاحبِ ہدایہ مزید لکھتے ہیں کہ جب مسلمان کافروں کے ملک میں داخل ہوں اور ان کے کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ دعوت قبول کرلیں اور اسلام لے آئیں تو جنگ کرنے سے رُک جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی دیں (اور مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائیں (کما زادہ مسلم فی روایۃ)۔ اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ جزیہ ادا کرنا منظور کرلیں تو پھر ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو (ملک کی حفاظت کے سلسلے میں) مسلمانوں پر عائد ہوں گی (لیکن جزیہ کی دعوت مشرکینِ عرب کو نہیں دی جائے گی ان کے لئے اسلام ہے یا تلوار ہے) جن لوگوں کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی ان کو دعوت دیئے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں۔ اور جن لوگوں کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے، ان کے بارے میں

مستحب ہے کہ پہلے ان کو دعوت دی جائے پھر قتال کیا جائے اگر کفار قبولِ اسلام سے بھی انکاری ہوں اور جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرکے ان سے جنگ کی جائے اور عورتوں اور بچوں کو اور بہت بوڑھے کو اور اپاہج کو اور اندھے کو قتل نہ کیا جائے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص امورِ حرب میں رائے رکھنے والا ہو یا عورت بادشاہ بنی ہوئی ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے (من الھدایہ باب کیفیۃ القتال)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ (کفر و باطل کی) جماعتیں تمہیں ختم کرنے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح بلا کر جمع کرلیں گی جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو بلاکر پیالہ کے آس پاس جمع ہوجاتے ہیں۔ یہ سن کر ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا ہم اس روز کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ تم اس روز تعداد میں بہت ہو گے لیکن گھاس کے ان تنکوں کی طرح ہوگے جنہیں پانی کا سیلاب بہا کرلے جاتا ہے (پھر ارشاد فرمایا کہ) اور خدا ضرور ضرور تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال دیگا اور بالضرور یقیناً وہ تمہارے دلوں میں کاہلی اور سستی ڈال دے گا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ سستی کا کیا (سبب) ہوگا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا (یعنی مال و دولت) سے محبت کرنے لگو گے اور موت کو مکروہ سمجھنے لگو گے۔ (رواہ ابوداود)

برسوں سے یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ہو رہی ہے اور مسلمان آج اپنی اس حالتِ زار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئی قوم انہیں نہ عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہے نہ دنیا میں ان کا رہنا گوارا کرتی ہے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ دوسری قومیں اپنے اوپر مسلمانوں کو حکمراں دیکھنا چاہتی تھیں، ایک دور یہ ہے کہ غیر مسلم اقوام مسلمان کو اپنی قلمرو میں رکھنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ ایسے واقعات گزر چکے ہیں کہ کسی ملک میں جہاں مسلمان خود حکمراں تھے انقلاب کے بعد وہاں سے جان بچاکر بھی نہ جاسکے۔ اسپین اس کی زندہ اور مشہور مثال ہے۔

مسلمانوں کو آج ذلت و خواری کا منہ کیوں دیکھنا پڑ رہا ہے اور کروڑوں کی تعداد میں

ہوتے ہوئے بھی کیوں غیروں کی طرف تک رہے ہیں۔ اس کا جواب خود ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں موجود ہے کہ دنیا کی محبت اور موت کے خوف کے باعث یہ حال ہو رہا ہے۔ جب مسلمان دنیا کو محبوب نہ سمجھتے تھے اور جنت کے مقابلے میں (جو موت کے بغیر نہیں مل سکتی) دنیا کی زندگی ان کی نظروں میں کچھ بھی حقیقت نہ رکھتی تھی (اس لئے وہ موت سے ڈرتے نہ تھے) تو گو تعداد میں کم تھے لیکن دوسری قوموں پر حکمراں رہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کر کے غیروں کے دلوں تک پر حکومت کرنے لگے۔ آج بھی جو ہمارا حال ہے ہم اسے خود بدل سکتے ہیں بشرطیکہ پچھلے مسلمانوں کی طرح دنیا کو ذلیل اور موت کو عزیز از جان سمجھنے لگیں ورنہ ذلت اور بڑھتی رہے گی۔

دشمنانِ اسلام کو مسلمانوں کے جہاد اور قتال پر تو اعتراض ہے کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے لیکن ان میں سے کوئی بڑے سے بڑا لیڈر خاص کر جسے منصف مزاج ہونے کا دعویٰ ہو مشرکینِ مکہ کے مظالم کی کوئی مذمت نہیں کرتا۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوتِ حق کا کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے فرمایا اس میں کونسی بات تھی جس کی وجہ سے آپ سے دشمنی کی جائے؟ کیا وجہ تھی کہ جس شخص کو پہلے الصادق الامین کہتے تھے آج دعوت و توحید کی وجہ سے دشمن ہوگیا؟ کیا وجہ تھی کہ جو لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیتے تھے انہیں مارا پیٹا جاتا تھا، آگ پر لٹا دیا جاتا تھا۔ گرم پتھر کی چٹان کے نیچے دبا دیا جاتا تھا، اور کیا وجہ تھی کہ آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تین سال تک خیف بنی کنانہ میں محصور رہنے پر مجبور کیا گیا؟ اور کیا وجہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضؓ حبشہ کو ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے؟ جن حضرات کو ایمان قبول کرنے پر ایذائیں دی گئیں، مارا پیٹا گیا، کھانا پانی بند کر دیا گیا انہوں نے کیا جرم کیا تھا کیا انہوں نے کوئی چوری کی تھی کہیں ڈاکہ ڈالا تھا یا کوئی بے حیائی کا کام کیا تھا؟ بس اتنی بات تھی کہ انہوں نے توحید کا اقرار کر لیا اور شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا، یہ تو اچھی بات ہے، ہر انسان کا فریضہ ہے کہ موحد بنے لیکن چونکہ کفر ملتِ واحدہ ہے اس لئے کافر لوگ مقررین اور محررین، مدیرین

معترضین اہل کفر و اہل شرک کی زیادتیوں کا نہ تذکرہ کرتے ہیں نہ مذمت کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان جو زمانہ گذرا ہے اس میں اصحاب الاخدود کا تذکرہ ملتا ہے۔ اصحاب الاخدود وہ لوگ تھے جنہوں نے خندقیں کھود کر آگ جلائی تھی اور اہلِ ایمان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دیتے تھے۔ سورۂ بروج میں فرمایا:

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ ۙ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ ؕ

ملعون ہوئے خندق والے جس وقت وہ لوگ آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے دیکھ رہے تھے۔

پھر فرمایا:

وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ (۱۴تا۸)

اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا سوائے اس کے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے جو زبردست ہے اور حمد کا مستحق ہے

یعنی دشمنوں نے اہل ایمان کو جو تکلیف دی، آگ میں ڈالا ان سے دشمنوں کی ناراضگی بس اسی بات سے تھی کہ انہوں نے ایمان کو قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کر لینا دشمنانِ توحید کے نزدیک سب سے بڑا جرم تھا

سورۃ المائدہ میں فرمایا:

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝ (۵۹)

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم ہم سے صرف اس وجہ سے ناراض ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر ایمان لائے جو اس سے پہلے نازل کیا گیا اور بے شک تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں، اس کے دین کو قبول نہیں کرتے، تم میں سے بہت کم لوگ اللہ کے دین کو قبول کرتے ہیں۔

سورہ بروج اور سورہ مائدہ کی آیات میں بتا دیا کہ اہل ایمان سے دشمنی کرنے والے اہل ایمان کی کسی جنایت یا عیب یا قصور یا خطا کی وجہ سے بغض نہیں رکھتے صرف اس

وجہ سے بغض رکھتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے ، مدعیانِ عقل اور مدعیانِ عدل وانصاف بتائیں کہ ان ایمان والوں کو تکلیف دینا ، گھروں سے نکالنا ، جلاوطن کرنا ، مقاطعہ کرنا ، اس میں کونسا عدل وانصاف ہے اور کونسی خیر قائم کرنے کا ارادہ ہے ؟ اہل ایمان سے دشمنی رکھنے والے اپنے خالق ومالک کے باغی ہیں ، ان باغیوں کی مذمت نہیں کی جاتی ، اہلِ ایمان اگر ان حملوں کا دفاع کریں یا ان کو کفر وشرک سے نکالنے کے لئے قتال اور جہاد کریں تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے ۔ لیکن اہل مکہ کی ان زیادتیوں کو پی جاتے ہیں جو انہوں نے اہل ایمان کے ساتھ روا رکھیں ۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے بتائیں کہ یہ اللہ تعالے کے مظلوم بندے جن کا صرف یہی قصور تھا کہ وہ کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے ، اللہ کا نام لینے لگے ، نمازیں پڑھنے لگے ، اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے لگے ، جب ان پر کافر چڑھ کر آئے ، ان پر حملہ کیا اور ان کو مٹانے کی اسکیمیں بنائیں تو ان حالات میں یہ اہل ایمان کیا کرتے ؟ کیا یہ حضرات مظلوم اور مقہور ہو کر چپکے بیٹھے رہتے اور دشمنوں سے اپنی گردنیں کٹوا لیتے ، کیا ان مظلوموں کو دفاع کرنے کا بھی حق نہ تھا !

پھر یہ تو بتائیں کہ مدینہ منورہ میں جو حضرات انصار نے اسلام قبول کیا یہاں کس نے تلوار چلائی اور فتح مکہ کے بعد جو عرب کے وفود اور قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں بڑی تعداد میں حاضر ہوئے ان پر کس نے حملہ کیا اور کون ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر مدینہ میں لے کر آیا ؟ اور یہ بھی تو بتائیں کہ لنکا ، برما ، انڈونیشیا میں کس نے کافروں پر تلوار چلائی جو تلوار کے ڈر سے مسلمان ہوئے ۔

اور یہاں دور کیوں جائیں بتائیے افغانستان کے افغان کیسے مسلمان ہوتے ؟ بلکہ غیر منقسم ہندوستان کے بارے میں بتائیں کہ کس نے ہندو بت پرستوں کو زبردستی مسلمان کیا ، کیا تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ ہے کہ کسی مخلص مسلم متبع شریعت نے کسی ہندو کو کھڑا کر کے یوں کہا ہو کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ تیری گردن اڑاتا ہوں ۔ ہندوستان میں کئی سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی ۔ یہاں بھی اگر تلوار کے زور سے ہندوؤں کو مسلمان کیا جاتا اور

بدھسٹوں کو تلوار کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تو ہندوستان میں ایک بھی گھر کسی کافر یا مشرک کا باقی نہ رہتا، یہ جو کروڑوں مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں یہ نومسلموں کی اولاد ہیں جو برضا و رغبت مسلمان ہوئے۔ حضراتِ صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی دعوت و تبلیغ نے انہیں متاثر کیا۔ مشہور ہے کہ معترض اندھا ہوتا ہے، جو لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں وہ حق اور حقیقت کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: ۴۶) "بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہے وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں"۔

اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانیں، اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں، خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں، قرآن پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش کی ہے اس کو مانیں، جو شخص یہ سب قبول کریگا وہ مسلم ہوگا، اللہ کا فرماں بردار ہوگا، مستحقِ جنت ہوگا۔ اور جو شخص اس دین و شریعت کو قبول نہ کرے گا، وہ کافر ہوگا، مستحقِ دوزخ ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جب مسلمان کافروں سے جنگ کریں تو انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو کوئی لڑائی نہیں، جنگ نہیں، قتال نہیں۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے گا، پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصودِ اعلیٰ کافروں کو دینِ حق کی طرف بلانا ہے تاکہ وہ جنت کے مستحق ہو جائیں۔ اگر جنگ کر کے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا تو اس میں ان کے ساتھ احسان ہی کیا، کسی قوم کے تھوڑے سے افراد جنگ میں کام آگئے اور اکثر افراد نے اسلام قبول کرلیا تو مجموعی حیثیت سے اس قوم کا فائدہ ہی ہوا، اگر کوئی قوم اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کرے تو اس میں بھی اس قوم کا فائدہ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے ان کی جانیں محفوظ ہو گئیں اور آخرت کے اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ انہیں دینِ اسلام کے بارے میں غور کرنے

کا موقعہ مل گیا۔ مسلمانوں کی اذانیں سنیں گے ، نمازیں دیکھیں گے ، مسلمانوں کا جو اللہ سے تعلق ہے اور جو مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات ہیں وہ سامنے آئیں گے۔ مسلمانوں کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہوں گے۔ اس طرح سے اقرب ہے ، کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور کفر سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ رہا جزیہ تو وہ ان کی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے اور وہ بھی سب پر نہیں ہے ، اور زیادہ نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ یہاں حیرہ کے لوگ اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں جو یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں حالانکہ ان پر بھاری تعداد میں جزیہ کی رقوم باقی ہیں ، ان سے جزیہ لینے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جواب میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا اموال جمع کرنے کے لئے نہیں بھیجا ، ان لوگوں میں سے جو شخص بھی اسلام قبول کرلے اس کے مال میں (قانون شرعی کے مطابق) زکوٰۃ فرض ہوگی جزیہ ختم ہو جائے گا۔ وان اللہ جلّ ثنائہ بعث محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم داعیا الی الاسلام ولم یبعثہ جابیًا فمن اسلم تلك الملل فعلیہ من مالہ صدقۃ ولا جزیۃ علیہ۔

(کتاب الخراج للقاضی أبی یوسف : ۱۳۱)

(فصل فی المجوس وعبدۃ الأوثان واھل الردۃ)

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین عام اور تام غالب کرنے کے لئے بھیجا ہے اگر دشمنوں کی دشمنی سے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت میں کمی آتی یا اس میں رکاوٹ ہو جاتی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے دین اسلام آگے نہ بڑھتا ، دشمن اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ لگاتے رہے ، مسلمانوں کو مارتے پیٹتے رہے ، اسلام قبول کرنے والوں کو ختم کرنے کے لئے حملے کرتے رہے ، چڑھائیاں کرتے رہے ، الحمد للہ اسلام اس سب کے باوجود خوب پھیلتا رہا ، دشمن دانت پیس کر رہ گئے اور تلوار کشی کا الزام دیتے رہے۔ سورۃ الصف میں ارشاد ہے :

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (الصف: ۹)	یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں، وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے، گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

دین اسلام اللہ کا نور ہے، دین حق ہے۔ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دین دیکر بھیجا تاکہ زمین میں اُجالا، حق کا بول بالا ہو، اللہ تعالیٰ اپنے نور کو عام اور تام فرمائے گا، کافروں کی تدبیروں سے اور رکاوٹ ڈالنے سے اسلام کی اشاعت نہ رُکی ہے اور نہ رکے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) کافر و مشرک جل بھن کر مرجائیں اللہ کا نور پورا ہوکر رہے گا۔

ہندوستان میں مشرکین کا اب تک یہ حال ہے کہ مسلمانوں کے قتل کے درپے رہتے ہیں، فساد اور بلوہ کرتے رہتے ہیں، مساجد اور مدارس تعمیر کرنے پر پابندی لگانے کی فکر میں ہیں، مدارس جاری کرنے پر پابندی، پرانی مساجد کو گرانے کی منصوبہ بندی، اور جو کوئی ہندو مسلمان ہوجائے اسے مار پیٹ کا سامنا، کہنے کو سیکولر اسٹیٹ لیکن جو ہندو اپنی خوشی سے مسلمان ہو اس کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں، قانونی اعتبار سے مجسٹریٹ پر لازم ہے کہ اسے اسلام قبول کرنے کا سرٹیفکٹ دے لیکن وہ بھی پہلوتہی کرتا ہے، ہندوؤں کی جماعتیں بدھسٹ ہوگئیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرلے تو اس کے لئے بڑی بڑی آفات کا سامنا، یہاں آزادیٔ نفس کا قانون ختم ہوجاتا ہے، عیسائی لوگ شرارتیں کررہے ہیں مسلم ممالک میں ہزاروں مشن لگا رکھے ہیں تاکہ مسلمانوں کو عیسائی بنائیں، انڈونیشیا میں مسلمانوں کو دکھ دینے اور عیسائی بنانے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے اس پر کسی کی نہ کوئی تنقید ہے نہ تبصرہ ہے۔ آخر میں وہی کہنا پڑتا ہے کہ الکفر ملة واحدة کہ ہر طرح کا کفر ایک ہی مذہب ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

سوچنے میں سب برابر ہیں)

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں نے صرف دفاعی ہی قتال کیا ہے، کافروں کے ملکوں پر خود بھی حملے کئے ہیں لیکن اسی شرط کے ساتھ کہ پہلے اسلام کی دعوت دی، حق کی طرف بلایا، جب حق قبول کرنے کے بجائے وہ لوگ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے تو قتال کیا گیا، ہم مسلم متقی مخلص مجاھدین کا تذکرہ کر رہے ہیں، اگر کسی نے شرعی اصول سامنے رکھے بغیر قتال کیا ہو تو وہ اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

کافر اللہ کا باغی ہے، کفر بہت بڑی بغاوت ہے۔ مجازی حکومتوں میں سے کسی حکومت کا کوئی فرد یا جماعت بغاوت کرے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اللہ کے باغی جو اس کی زمین پر بستے ہیں، اس کا دیا کھاتے ہیں، اس کی عطا کی ہوئی نعمتیں کام میں لاتے ہیں، اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اگر اللہ کو مانتے ہیں تو اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں، بتوں کو پوجتے ہیں اور بہت سے خدا مانتے ہیں۔ ایسے لوگ اس قابل کہاں ہیں کہ خدا کی زمین پر زندہ رہیں، اللہ کے وفادار بندے جنہوں نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں پھر ان باغیوں کے منکر ہونے کے بعد اللہ کے وفادار بندے ان کو قتل کر دیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لئے اور خالق و مالک جل مجدہٗ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دشمنوں کو اعتراض ہے لیکن صدیوں سے دشمنانِ اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیا کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خون ہوئے ہیں۔ اٹھارہ سو ستاون میں جو انگریزوں نے ہندوستانیوں کا قتل عام کیا ہے اور ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں جو عالمی جنگیں ہوئی تھیں اور ہیروشیما پر جو بم پھینکا گیا اور ایک طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تباہ ہوئے یہ سب کچھ کونسی خیر پھیلانے کے لئے ہوا؟ کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دینِ اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے؟ یہ ان لوگوں کی حرکتیں ہیں جو سیّدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلاۃ والسلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعوے دار ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو۔ اور مشرکینِ ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتھیا ______ کرنا بہت بڑا پاپ ہے، جو چوہا مارنے کو بُرا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور قتل و خون کا بازار گرم کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا منہ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں ان کی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں، سچ ہے

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پرواہ ہے　　غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے!

یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام　　یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے؟

احقر نے اس باب میں مشہور غزوات کو ذکر کیا ہے اور غزوۂ بدر سے شروع کر کے غزوۂ تبوک تک کہیں تفصیل اور کہیں اجمال کے ساتھ سنین کی ترتیب کے ساتھ ذکر کر دئے ہیں، اگر کہیں سنین میں اختلاف ہے جیسے اصحاب السیر نے ذکر کیا ہے اس کو بھی بیان کر دیا ہے، پھر کچھ ضروری مسائل و مباحث لکھ کر باب ختم کر دیا ہے۔ غزوۂ بدر ہی ابتدائی غزوات میں سب سے بڑا غزوہ تھا (اگرچہ اس سے پہلے بھی بعض غزوات کا ذکر ملتا ہے) اسی لئے ہم نے اس باب کی ابتداء غزوۂ بدر سے کی ہے، ناظرین کرام دیکھیں گے کہ ان غزوات میں عموماً وہ غزوات ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفاع کے طور پر جنگ کرنی پڑی جن میں جنگ کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ مثلاً غزوۂ احد میں مشرکینِ مکہ خود مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آئے تھے اور غزوۂ احزاب بھی اسی طرح پیش آیا کہ عرب کے قبائل اور مشرکینِ مکہ جمع ہو کر آئے اور ان لوگوں نے اسلام کو مٹانے کا ارادہ کر لیا تھا، یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھاری پتھر گرانے کا پکا مشورہ کر لیا لہٰذا ان کو جلاوطن بھی کیا گیا اور قتل بھی کیا گیا۔ فتح مکہ میں دو چار ہی آدمیوں کو مارنے کا حکم دیا البتہ مسفلہ میں جو چند اوباش لوگوں نے پہلے سے جنگ کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ قتل ہوئے۔ حنین اور طائف میں مشرکین نے خود سے حملہ کرنے

کا پروگرام بنایا تھا، اور بھی متعدد غزوات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ دشمن حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں، غزوۂ تبوک اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب غزوۂ بدر کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس غزوہ کو قرآنِ حکیم میں یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے۔ تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمانوں کی مختصر تعداد کے مقابلہ میں نو سو مشرکین کا شکست کھانا اور مشرکین کے ستر مقتولین کا کنوئیں میں ڈالا جانا اور ستر افراد کو قید کر کے مدینہ منورہ لانا پھران کا فدیہ دے کر اپنی جانوں کو چھڑانا یہ ایسی واضح باتیں ہیں جنہوں نے اہل اسلام کا حق ہونا اور مشرکین کا باطل پر ہونا واضح کر دیا۔ اگرچہ اسلام کی حقانیت دلائلِ قاہرہ سے ثابت ہے، ہار جیت پر موقوف نہیں۔ مشرکینِ مکہ جو اسلام کو مٹانے کے عزائم لے کر آئے تھے وہ سب خاک میں مل گئے، اللہ کا بول بالا ہوا، دشمن کا منہ کالا ہوا، اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام سے راضی ہو، ان پر رحمتوں کی بارش ہو جنہوں نے مشرکین کو نیچا دکھایا اور عدد اور سامانِ حرب کی کمی کے باوجود جنگ کی اور بڑی ہمت کے ساتھ کافروں کا مقابلہ کیا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

آل عمران : ۱۲۳

غزوۂ بدر

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و نصرت، مسلمانوں کی
حیرت انگیز فتح یابی، مشرکین کی شکست اور ذلّت
سردارانِ قریش کا عبرتناک انجام

تذکرۂ غزوۂ بدر

تفصیلی حال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا، صحابہ کرامؓ کی ثباتِ قدمی، مشرکین کی ذلت، شیطان کی رسوائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قریشِ مکہ ہر سال تجارت کے لئے ملکِ شام جایا کرتے تھے، مکہ معظمہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ شہرِ مدینہ میں داخل نہ ہوں تو دور سے یا قریب سے اس کی محاذات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے، اب آگے یہ سمجھیں کہ قریشِ مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا، بہت سے لوگوں نے اس تجارت میں شرکت کی تھی اور اپنے اموال لگائے تھے۔ قافلے کے سردار ابوسفیان تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا جس میں تیس یا چالیس افراد تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلہ کے گزرنے کا علم ہو گیا۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ قریش کا قافلہ ادھر گزر رہا ہے چلو اس قافلہ کو پکڑیں گے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اموال تم کو عطا فرمادے آپ نے تاکیدی حکم نہیں فرمایا تھا اور یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ جہاد کرنے نکل رہے ہیں، اس لئے بعض صحابہؓ آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور بعض مدینہ ہی میں رہ گئے۔ ابوسفیان کو خطرہ تھا کہ راہ میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے اس لئے وہ راستہ میں راہ گیروں سے اس بات کا کھوج لگاتا ہوا جا رہا تھا کہ کہیں مسلمان میرے قافلہ کے درپے تو نہیں ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے سفر فرمایا تو

ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی، اس نے اپنا راستہ بدل دیا اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اہل مکہ تک خبر پہنچانے کے لئے جلدی جلدی آگے روانہ کر دیا، اس کو اس کام کا محنتانہ دینا بھی طے کر دیا۔ ضمضم جلدی سے مکہ پہنچا اور اس نے خبر دے دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلے کے درپے ہیں اور مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں اپنے قافلہ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کر لو، یہ خبر سنتے ہی اہل مکہ میں ہل چل مچ گئی اور مقابلہ کے لئے ایک ہزار آدمی جن کا سردار ابوجہل تھا بڑے کرّوفر اور اسبابِ عیش و طرب کے ساتھ اکڑتے اور اتراتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ایک آبادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے براستہ رابغ مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے یہاں سے مدینہ منورہ سو میل سے کچھ کم ہے، بدر نامی ایک شخص تھا، اس نے اس بستی کو آباد کیا تھا اس کے نام پر اس بستی کا نام ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مقام بدر میں ایک کنواں تھا اس کا نام بدر تھا اسی کنوئیں کے نام سے یہ آبادی مشہور تھی۔ قریش مکہ اپنے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں لے کر نکلے تھے تاکہ وہ گانا گائیں اور لڑائی کے لئے ابھاریں، اس لشکر میں تقریباً تمام سردارانِ قریش شامل تھے، صرف ابولہب نہ جا سکا تھا، اس نے اپنی جگہ ابوجہل کے بھائی عاصی بن ھشام کو چار ہزار درہم کا معاوضہ لینے پر راضی کر کے بھیج دیا تھا۔

مشرکینِ مکہ میں سے جنہوں نے نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا، اُمیہ بن خلف بھی تھا جو بوڑھا آدمی تھا اور اس کا جسم بھی بھاری تھا، عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس آیا اور بالآخر اسے بھی ساتھ جانے پر آمادہ کر لیا، بعض روایات میں یوں ہے کہ ابوجہل امیہ بن خلف کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تو پیچھے رہا جا رہا ہے تو تو یہاں کا سردار ہے، لوگوں کو تیرے نہ جانے کا علم ہوگا تو وہ بھی بیٹھے رہیں گے، امیہ نے کہا جب یہ میرے لئے عیب کی بات ہے تو سب سے زیادہ عمدہ اونٹ خریدوں گا ساتھ نکل تو جاؤں گا لیکن راستہ سے واپس آجاؤں گا۔ چنانچہ قریشِ مکہ کے ساتھ چلا گیا اور واپسی کا موقعہ نہ ملا حتی کہ بدر میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

مشرکین کے پاس دیگر سامانِ حرب کے علاوہ ساٹھ گھوڑے اور چھ سو (۶۰۰) زرہیں تھیں

اور سواری کے اونٹوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ذبح کرنے اور کھانے کھلانے کے لئے بھی اونٹ ساتھ لے کر چلے تھے، سب سے پہلے ابوجہل نے مکہ سے باہر آکر دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلائے پھر مقامِ عسفان میں امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے، پھر مقامِ قُدید میں سہیل بن عمرو نے سو اونٹ ذبح کئے، پھر اگلی منزل میں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کئے، پھر اس سے اگلی منزل میں (جو مقامِ جحفہ میں تھی) عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے۔ اسی طرح ہر منزل میں دس دس اونٹ ذبح کرتے رہے اور کھاتے کھلاتے رہے، اور ابو البختری نے بدر پہنچ کر دس اونٹ ذبح کئے۔ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریشِ مکہ کے پاس خبر بھیجی کہ تم ہماری حفاظت کے لئے نکلے تھے اب جبکہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تمہیں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا واپس چلے جاؤ۔ اس پر ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں، وہاں تین دن قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانے کھلائیں گے، شرابیں پئیں گے اور گانے والیاں گانے سنائیں گی اور عرب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مقابلہ کے لئے نکلے تھے۔ ہمارے اس عمل سے ایک دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ لہٰذا چلو آگے بڑھو۔

روانگی سے پہلے مشرکینِ مکہ کا اپنے ارادوں میں کچا پڑنا
ابلیس کا ورغلانا اور خروج پر آمادہ کرنا

قریشِ مکہ ایک طرف تو ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہونے کے لئے سوچ رہے تھے اور دوسری طرف انہیں یہ خیال دامن گیر تھا کہ اگر قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہو جائیں تو ممکن ہے کہ بنی بکر ہمارے گھروں اور بال بچوں پر حملہ کر دیں (جن سے دشمنی چل رہی ہے) جب ان کے اس خوف اور خطرہ کا علم ہوا تو ابلیس شیطان، شیطانوں کا گرو گھنٹال سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں آیا اور قریش سے کہا کہ تم لوگ ڈرو نہیں میں تمہارے پیچھے تمہارے گھروں کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔

سورۃ الانفال میں فرمایا:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۗ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (٤٨)

اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جب شیطان نے اُن کو اور ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور اس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ پانے والا نہیں ہے اور میں تمہاری حمایت کرنے والا ہوں، پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اس نے کہا بلاشبہ میں تم سے بری ہوں، بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

شیطان ملعون ہمیشہ سے انسان کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کافر کفر پر جمے رہیں اور اہلِ اسلام سے جنگ کرتے رہیں اس کی خواہش ہے کہ کفر پھیلے اور اسلام کی اشاعت نہ ہو، جیسے وہ قریشِ مکّہ کے اُس مشورے میں شیخ نجدی کی صورت بنا کر شریک ہو گیا تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے مشورے کر رہے تھے۔ اسی طرح سے وہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی آموجود ہوا۔ اول تو وہ مکّہ معظمہ ہی میں اُس وقت مشرکین کے پاس پہنچا جب وہ بدر کے لئے روانہ ہونے کا مشورہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی انہیں بنی بکر کی دشمنی کا بھی خیال ہو رہا تھا کہ ممکن ہے وہ حملہ کر دیں اس لئے روانہ ہونے میں کچھ جھجک رہے تھے۔ اس موقعہ پر ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں پہنچ گیا۔ (یہ سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ابلیس نے قریشِ مکہ سے کہا کہ تم لوگ ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آؤ بلکہ چلے چلو میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں، آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے۔ یہ تو مکّہ میں ہوا پھر وہ بدر میں بھی موجود ہو گیا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں مقابلے کے لئے ترتیب دی گئیں تو یہاں بھی وہ مشرکین کی صف میں اسی سراقہ والی صورت میں موجود تھا اور حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے

تھا جب اس نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے کا لگام پکڑے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا۔ حارث نے کہا کہ تُو تو جنگ سے پہلے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس پر اس نے حارث کے سینہ میں دھپ مارا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا اور اس نے یوں کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں ہیں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہوئی، پھر جب قریش شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو یوں کہنا شروع کیا کہ ہمیں سراقہ نے شکست دی۔ سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو تو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے بارے میں ایسا کہتے ہو، اللہ کی قسم مجھے تو تمہارے جانے ہی کی خبر نہیں ہوئی، مجھے تو تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھا کر کہا مجھے تو اس کی بالکل خبر نہیں، پھر سراقہ اور دوسرے لوگ مسلمان ہوگئے تو پتہ چلا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی[1]

شیطان نے یہ جو کہا کہ اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ (میں اللہ سے ڈرتا ہوں) اس کا مطلب حضرت عطاء نے یہ بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ دیگر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کر دے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک نہ فرما دے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ سخت عقاب والا ہے۔ تم لوگوں پر تو عذاب آنے ہی والا ہے، میں کیوں تمہارے ساتھ شریک رہوں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ابلیس کا کلام اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ پر ختم ہوگیا اور وَاللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ جملہ مستأنفہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے یہاں بھی سخت عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ابلیس اس موقعہ پر جو بھاگ گیا تو وہ اور اس کے ساتھی یہ نہ سمجھیں کہ عذاب سے بچ گئے، آخرت کا عذاب تو لازمی ہی ہے جو شدید ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ (ص: ۸۵) میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔

---

[1] معالم التنزیل صـ۲۵۵ ج ۲، روح المعانی صـ۱۵ ج ۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے روانگی

قریشِ مکہ، مکہ معظمہ سے چلے اور آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، یہ رمضان المبارک (۲ھ) کا مہینہ تھا۔ آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا، وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا اور امیر مدینہ بنا کر بھیج دیا۔ آپ کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی اور آپ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ ہر تین افراد کو ایک اونٹ دیا گیا تھا خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ نوبت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پیدل چلتے تھے۔ مقامِ روحاء تک یہی سلسلہ رہا۔ جب روحاء سے حضرت ابولبابہؓ کو واپس فرما دیا تو آپ حضرت علی رضؓ اور حضرت مرثدؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تھی تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ آپ برابر سوار رہیں ہم آپ کی طرف سے پیدل چل لیں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ما انتما بأقوی منی ولا أنا بأغنی عن الأجر منکما[1] (تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور ثواب کے اعتبار سے بھی میں تمہاری بنسبت بے نیاز نہیں ہوں۔ یعنی جیسے تمہیں ثواب کی ضرورت ہے مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وادی ذفران میں پہنچے تو وہاں قیام فرمایا۔ اب تک تو ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کی نیت سے سفر ہو رہا تھا یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ قریش بھی اپنے قافلے کی مدد کے لئے مکہ معظمہ سے نکل چکے ہیں۔ ابوسفیان اپنا

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۰

قافلہ لے کر راستہ کاٹ کر آگے بڑھ چکا تھا۔ اب صورتِ حال یہ پیدا ہوگئی کہ قریشِ مکہ سے جنگ کرنے کی نوبت آگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ قریش ہمارے مقابلہ کے لئے نکل چکے ہیں، اب کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا، پھر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اپنی رائے کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ (المائدۃ:۲۴)

تو اور تیرے رب چلے جائیں دونوں قتال کرلیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد[1] تک ساتھ لے چلیں گے تو ہم ساتھ رہیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اشیروا علیّ ایھا الناس (اے لوگو! مشورہ دو) آپ کا مقصد یہ تھا کہ انصاری حضرات اپنی رائے پیش کریں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا (جو انصار میں سے تھے) کہ یا رسول اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے جواب لینا چاہتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی، ہم نے گواہی دی کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور فرمانبرداری کریں گے، آپ اپنے ارادہ کے موافق عمل کریں اور تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر راہ میں سمندر آگیا اور آپ اس میں

---

[1] "برک الغماد" یہ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے پانچ رات کی مسافت پر ہے

داخل ہونے لگیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہوجائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو ایسی بات دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔ آپ اللہ کی برکت کے ساتھ چلیئے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی بات سُن کر آپ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ چلو خوش خبری قبول کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو جماعتوں میں سے تم کو ایک جماعت پر غلبہ عطاء فرمائیں گے (ایک جماعت ابوسفیان کا قافلہ اور دوسری جماعت قریشِ مکہ کا لشکر)

بعض روایات میں ہے کہ جب ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو ایک[1] دن یا دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ ابوسفیان کو پتہ چل گیا ہے کہ ہم اس سے تعرّض کرنے نکلے ہیں (وہ قافلہ تو نکل چکا ہے) اب قریشِ مکّہ کے آنے کی خبر سُنی گئی ہے۔ اُن سے مقابلہ ہونے کی بات بن رہی ہے۔ اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اِس پر بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہمیں تو قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں آپ تو ابوسفیان کے قافلہ کے لئے نکلے تھے آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ قریشِ مکہ سے جنگ کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ جواب دیا جو عنقریب گزر چکا۔ بعض صحابہ نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں قریشِ مکّہ سے جنگ کی طاقت نہیں، ان کے بارے میں یہ

---

[1] اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ کہاں فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک دو دن کی مسافت پر پہنچنے کے بعد مشورہ فرمایا، اور بعض روایات میں ہے کہ مقامِ روحاء میں اور بعض روایات میں ہے کہ وادیِ ذفران میں مشورہ کیا ہے، ممکن ہے تینوں جگہ مشورہ فرمایا ہو اور بار بار انصار سے اُن کی رائے کا اظہار مطلوب ہو تاکہ ان کی رضا اور رغبت کا خوب تعین ہوجائے اور ممکن ہے کہ راویوں سے جگہ کی تعیین میں بھول ہوئی ہو، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب

آیت نازل ہوئی:

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ ○ (الأنفال: ۵، ۶)

اور بلاشبہ مومنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ حق ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں

اللہ جل شانہ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ جب آپ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا تو اُن میں سے بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ابوسفیان کے قافلے ہی کا پیچھا کرنا چاہئے کیونکہ وہ تجارت سے واپس ہو رہے ہیں، جنگ کرنے کے لئے نہیں نکلے، ان میں لڑنے کی قوت اور شوکت نہیں ہے لہٰذا اُن پر غلبہ پانا آسان ہے اور قریش کا جو لشکر مکہ مکرمہ سے چلا ہے وہ لوگ تو لڑنے ہی کے لئے چلے ہیں اور تیاری کر کے نکلے ہیں لہٰذا اُن سے مقابلہ مشکل ہوگا۔ ان لوگوں کی اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ. (الأنفال: ۷)

اور تم چاہتے تھے کہ وہ جماعت تمہارے قابو میں آجائے جو قوت و طاقت والی نہیں تھی۔

قریشِ مکہ نے آنحضرت سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور مکہ مکرمہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا، حق نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ غیر متوقع طور پر بدر میں پہنچے اور معرکہ پیش آنے کی صورت بن گئی۔ اس میں گو بعض اہل ایمان کو طبعاً کراہت تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر سب پر غالب ہے۔ جنگ ہوئی اور اہلِ مکہ نے زبردست شکست کھائی اور ان کا فخر اور طمطراق سب دھرا رہ گیا۔

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ

اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعہ

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (الانفال : ۷، ۸)

حق کو ثابت فرمادے تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا ہونا ثابت فرمادے اور باطل کا باطل ہونا ثابت فرمادے، اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دُعا میں مشغول ہونا اور آپ کی دعا کا قبول ہونا

سورۃ الانفال میں ارشاد ہے :

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹، ۱۰)

جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے سو اُس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے[1] اور اللہ نے اِس امداد کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہوجائیں تمہارے دل، اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے

صاحب روح المعانی ص ۱۷۲ ج ۹ میں بحوالہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۵۶۴ میں ذکر ہے) اور مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رُخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زور دار

---

[1] یہ لفظ مردفین کا ترجمہ ہے۔ مفسرین نے اس کے دوسرے معنی بھی بتائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔

دعا کرتے رہے۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ	اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے
اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ	پورا فرمایئے، اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت
الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ .	ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی

مطلب یہ تھا کہ یہ اہل اسلام کی مختصر سی جماعت ہے، اگر یہ ہلاک ہو گئے تو جو اُن کے پیچھے مدینہ منورہ میں رہ گئے ہیں ان میں بھی کمزوری آجائے گی اور ایمان واسلام کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپ نے یہ بات ناز کے انداز میں بارگاہِ الٰہی میں عرض کر دی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدہٗ لاشریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چمٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زوردار دعا کی ہے یہ کافی ہو گئی بے شک آپ کا رب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے مبالغہ کے ساتھ دعا کرلی (دعا کی قبولیت کا تو آپ کو بھی یقین تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرض کرنے سے اور زیادہ اطمینان ہو گیا۔ اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے آپ قبہ سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لائے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۔[1] (سورۃ القمر ۴۵، ۴۶) عنقریب یہ جماعت بھی شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ دہشت ناک اور تلخ ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۰۹ ج ۱ و ص ۵۶۴ ج ۲

سورہ انفال میں مزید فرمایا:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ. (۱۰)

فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو امداد فرمائی یہ محض اس لئے ہے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان ہو۔

فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوش خبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہو گیا، طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

وہ جس کی چاہے مدد فرمائے اور جیسے چاہے مدد فرمائے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝ (۱۰)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے

وہ بغیر فرشتوں کے بھی غلبہ دے سکتا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ فرشتوں کو بھیجا جائے۔ کسی قوم کی فتح و نصرت اور غلبہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اپنی حکمت کے مطابق اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اسباب کے ذریعہ جو نفع پہنچانا مقصود ہو وہ نفع پہنچا دیتا ہے۔

فرشتوں کا نازل ہونا، قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب جمانا

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورۃ الانفال ۱۲)

جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پورے پر مارو۔

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے جو غزوۂ بدر کے موقعہ پر اپنے بندوں پر فرمائے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے رب نے

فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مؤمنین کے قلوب کو جماؤ اور ان کو معرکہ میں ثابت رکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور قیدی بنے۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (اور مارو گردنوں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے، جن کے شملے اپنی کمروں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبرئیلؑ کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔[۱]

حضرت ابن عباسؓ نے غزوۂ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑ سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہا تھا اقدم حیزوم کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا ہوا ہے، اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اس کی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لئے آئے ہیں۔[۲]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بھی بیان فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت ابوبردہؓ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر

---

[۱] البدایۃ والنہایہ صفحہ ۲۸۱ ج ۳ [۲] صحیح مسلم صفحہ ۹۳ ج ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ میں نے آپ کے سامنے رکھدیئے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم نے قتل کیا ہے اور تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے، میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا، سائب بن ابی حبیش نے بیان کیا (جو بدر کے دن قید کر لئے گئے تھے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز قد آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا، عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھے بندھا ہوا دیکھا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ میں اصل صورتحال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا) آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے۔ بعض صحابہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا [1]

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف تھے۔ اور اسی جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔ سورۃ الانفال میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمانا مذکور ہے۔ اور سورۂ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اولاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ جو فرشتے آئے تھے انہوں نے قتال بھی کیا جس کا بعض احادیث میں ذکر ہے لیکن پوری طرح قتال میں حصہ نہیں لیا۔ ان کا اصل کام اہل ایمان کو جمانا اور ثابت قدم رکھنا تھا جیسا کہ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ذکر ہے اس سے یہ اشکال

[1] البدایۃ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۲

بھی رفع ہوگیا کہ ہزار آدمیوں کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصّہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنا دیا۔ اس میں یہ بتا دیا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے کا اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہئے۔

بدر میں مسلمانوں پر اونگھ کا طاری ہونا

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۞ (سورۃ الانفال: ۱۱)

جب چین دینے کے لئے اللہ اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری فرمارہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرمارہا تھا تاکہ تمہیں پاک کردے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دور فرمادے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس کے ذریعہ قدموں کو جمادے۔

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں پر یہ بھی انعام فرمایا کہ پریشانی دور فرمانے کے لئے ان پر اونگھ بھیج دی۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد کے موقعہ پر بھی اونگھ بھیجی تھی، جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں

اس اونگھ کا نفع یہ ہوا کہ وہ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا احساس ختم ہوگیا کیونکہ نیند ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے خوشی سے بھی اور رنج سے بھی۔ ان کی پریشانی جاتی رہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہوگیا تھا، مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صبح تک برابر نماز میں مشغول رہے (کما فی الدر المنثور) نیز اللہ تعالیٰ نے بارش بھی نازل فرمائی، اس بارش کے دو فائدے ہوئے ایک تو نہانے دھونے اور پانی پینے کا فائدہ ہوا، دوسرے شیطان نے قلوب میں جو ناپاک وسوسے ڈال دیئے تھے یہ بارش ان وسوسوں کے ازالہ کا سبب بن گئی۔ نیز یہ بھی فائدہ ہوا کہ مسلمان جس جگہ قیام پذیر تھے وہاں ریت تھا وہ پانی پڑنے کی وجہ سے جم گیا اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے وہاں

کیچڑ ہو گئی۔ تفسیر ابن کثیر ص۲۵۱ ج ۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا تو وہاں آپ اور مشرکین کے درمیان بہت زیادہ ریت تھا، اس ریت میں جنگ کرنا بھی مشکل تھا اور ادھر مسلمانوں کو پانی کی بھی ضرورت تھی لہٰذا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر خدا کا رسول ہے اور حال یہ ہے کہ پانی پر مشرکین نے قبضہ کر رکھا ہے اور تم حالتِ جنابت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوب زیادہ بارش برسائی، لہٰذا مسلمانوں نے پانی پیا اور پاکی حاصل کی (جس سے ظاہری نجاست دُور ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کو دور فرما دیا (جس سے باطنی نجاست بھی دُور ہو گئی) اور ریت سیمنٹ کی طرح جام ہو گیا، جس پر مسلمانوں کا اور ان کے جانوروں کا چلنا پھرنا اور دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرنا آسان ہو گیا اور اس سے دلوں کو اطمینان ہو گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک منظر جنگ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا

بدر میں محاذِ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد

سورۃ الانفال میں فرمایا:

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۙ إِذْ يُرِيكَهُمُ	جبکہ تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ دور والے کنارے پر، اور قافلے والے تم سے نیچے کی طرف تھے اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو تم میعاد کے بارے میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو جانے والا تھا، تاکہ جو شخص ہلاک ہو حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو شخص زندہ رہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جبکہ اللہ

اللّٰهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ
أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ
لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ
سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي
أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ
لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَ
إِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝
(۴۲، ۴۳، ۴۴)

ان کو آپ کے خواب میں کم دکھا رہا تھا اور اگر وہ تمہیں
ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس
امر میں باہمی تم میں نزاع ہو جاتا لیکن اللہ نے بچا لیا۔
بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، اور
جبکہ تم باہم مقابل ہوئے وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں
کم کر کے دکھا رہا تھا اور تمہیں اُن کی آنکھوں میں کم
کر کے دکھا رہا تھا تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے
جس کا وجود میں آنا مقرر ہو چکا تھا اور تمام امور اللہ
ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اول تو غزوۂ بدر کے محاذِ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکینِ مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دُور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذِ جنگ کے لئے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے والی جگہ ملی۔ یہ جگہ ریتلی تھی اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ، وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا کیونکہ یہ لوگ ساحلِ سمندر پر چل رہے تھے جو مقامِ بدر سے تین میل دُور تھا۔ پہلے سے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان آپس میں جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہلِ ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کافر نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کئے بغیر جمع ہوگئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے

جب یہ بات حضرات صحابہؓ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہوگیا اور جنگ کرنے کیلئے دل سے آمادہ ہوگئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آجاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لئے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرمادئے اور بُزدلی اور کم ہمتی سے بچالیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔ اسی کو فرمایا: وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رُخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے، اور کون بُزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور مڈبھیڑ ہوگئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگری سے لڑے اور کافر بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے۔ پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی۔ اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدور تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔ معالم التنزیل ص ۲۵۳ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہوگئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کرلیا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفری ہے۔

یہ جو فرمایا: لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔
اس میں یہ بیان کیا کہ واقعۂ بدر میں دینِ اسلام کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہوگئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہوگیا، اب بھی جو شخص ہلاک ہوگا یعنی کفر پر جما رہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرے گا۔ اور جو

شخص ایمان پر پختگی کے ساتھ جما رہے گا وہ بھی حجت کے ساتھ دینِ حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جما رہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہو گیا، اب کافر دیکھتی آنکھوں دھکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا، اور جو شخص اسلام پر جمے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دینِ حق پر مستقیم ہو گا۔

فائدہ: سورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں بھی غزوۂ بدر کا ذکر ہے۔ وہاں یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ فرمایا ہے دونوں آیات کا مضمون ملانے سے معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی آنکھوں میں مسلمانوں کو اُن کی اپنی تعداد سے کم دکھایا تاکہ مشرکین میں جنگ کرنے کی جرأت بڑھ جائے اور زیادہ تعداد دیکھ کر واپس نہ ہو جائیں، پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسلمانوں کی اصل تعداد سے زیادہ دکھایا (وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ہم سے دوگنے ہیں) اور مسلمانوں کی آنکھوں میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی تاکہ مسلمان خوب زیادہ جرأت سے لڑیں اور مشرکین بزدل ہو جائیں۔ آیت کی تفسیر میں علماء کا یہ ایک قول ہے جسے صاحب معالم التنزیل نے صفحہ ۲۸۳ ج ۱ نقل کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بھی صفحہ ۹۶ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا کہ یَرَوْنَ کی ضمیر مرفوع سے مؤمنین مراد ہیں اور ضمیر منصوب کافروں کی طرف راجع ہو اس صورت میں ترجمہ یوں ہو گا کہ مؤمنین کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ ان سے تین گنا تھے اور ان کو دوگنا اس لئے دکھایا کہ انھیں اپنی فتح کا اطمینان رہے۔

بدر پہنچنا اور کافروں سے مقابلہ ہونا

بدر پہنچ کر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک حوض بنایا جس میں پانی بھر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک چھپر ڈال دیا گیا۔ یعنی خیمے کی طرح ایک جگہ بنادی گئی آپ اس میں تشریف فرما ہو گئے اسی میں نمازیں پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی شکست اور ہزیمت کے لئے دعا کرتے رہے۔ اسود بن عبدالاسود مخزومی بدخلق مشرک تھا اس نے کہا کہ مدینے سے آنے والے لوگوں نے جو حوض بنایا ہے میں اس سے پیوں گا یا اسے ختم کردوں گا یا مرجاؤں گا یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ حوض کی طرف آرہا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف بڑھے (یا وہ حوض میں پہنچ چکا تھا) حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے وہیں قتل کر دیا۔[1]

جب مقابلے کی ابتداء ہوئی تو مشرکین کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ صف سے باہر نکلے اور مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو پکارا انصار میں سے ان کے مقابلہ کے لئے تین حضرات یعنی عوف بن حارث اور معوذ بن حارث نکلے اور تیسرے کا نام عبداللہ بن رواحہ بتایا جاتا ہے عتبہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم انصار میں سے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری کوئی حاجت نہیں اور زور سے پکارنے لگے کہ اے محمد ہماری قوم (قریش) کے افراد ہمارے مقابلہ میں بھیجو جو ہمارے برابر کے لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عبیدہ (بن حارث) تم کھڑے ہو اور اے حمزہ تم کھڑے ہو، اے علی تم کھڑے ہو، یہ تینوں حضرات کھڑے ہوئے اور تینوں مشرکوں کے پاس پہنچ گئے انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو، حضرت عبیدہ نے اپنا نام بتایا اور حضرت حمزہ نے اپنا نام اور حضرت علی نے اپنا نام بتایا۔ تینوں مشرک کہنے لگے کہ ہاں تم سے مقابلہ ہوگا، تم ہمارے برابر کے ہو چنانچہ حضرت عبیدہ آگے بڑھے، ان کا مقابلہ عتبہ بن ربیعہ سے ہوا اور حضرت حمزہ آگے بڑھے ان کا مقابلہ شیبہ بن ربیعہ سے ہوا اور حضرت علی آگے بڑھے تو ولید بن عتبہ سے مقابلہ ہوا۔ تینوں نے جو مقابلہ کیا اس کے نتیجے میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عتبہ نے ایک دوسرے پر وار کیا جس سے ہر ایک بے جان ہوگیا پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتبہ کو بالکل جان سے مار دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو

[1] سیرت ابن ھشام

اٹھا کر لے آئے۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد جب حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقامِ صفرا میں حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی۔[۱]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (سورۂ حج کی آیت) هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ۔ ان چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر کے دن آپس میں مقابل ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مشرکین کی طرف سے شیبہ، عتبہ اور ولید۔[۲]

ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی زیادہ دشمنی تھی۔ انھیں لوگوں کا قصہ ہے کہ جب ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو ان لوگوں میں سے ایک شخص[۳] نے آپ کی کمر مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھدی تھی جبکہ آپ سجدہ میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر ان کے لئے بددعا فرمائی تھی، ان میں سے اکثر بدر میں مقتول ہوئے۔[۴]

اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی تھی کہ مشرکین تمہارے اوپر حملہ آور ہو جائیں تو ان کو تیروں سے دفع کریں اور بلا ضرورت تیر نہ پھینکیں۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (ان کے چہرے بدصورت ہو جائیں) اور اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ حملہ کرو، حضراتِ صحابہ نے جم کر حملہ کیا اور کافروں کے مقابلے میں فتح پائی جس میں ستر مشرک مقتول ہوئے اور ستر کو قید کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوالبختری اور اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کو قتل کرنے سے منع کر دیا تھا اول الذکر کو اس لئے کہ مکہ کے زمانہ قیام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف

---

[۱] صحیح بخاری، سیرت ابن ہشام، البدایۃ والنہایۃ [۲] بخاری ص ۵۶۵
[۳] وھو عقبۃ بن ابی معیط [۴] بخاری جلد اول ص ۳۴

دینے سے لوگوں کو روکتا تھا۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان کو زبردستی ساتھ لے آئے ہیں ۔ بعد میں ابوالبختری مقتول ہوگیا، اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھل کر مسلمان ہوگئے تھے،اس سے پہلے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے[1]۔

امیہ بن خلف اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بہت دُکھ دیتا تھا، مکہ معظّمہ کی سخت دھوپ اور گرمی میں انہیں زمین پر لٹا کر سینے پر بڑا پتھر رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تو برابر اسی حال میں پڑا رہے گا جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہ چھوڑ دے ، اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد احد کہتے تھے (جس کا مطلب یہ تھا کہ معبود ایک ہے) جب امیہ بن خلف پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر پڑی تو بلند آواز سے حضرات انصار کو پکارا اور کہا رَأْسُ الْکُفْرِ اُمَیَّۃُ بْنُ خَلَفٍ لَا نَجَوْتُ اِنْ نَجَا (یہ کفر کا سرغنہ ہے اگر اس کو نجات ہوگئی تو میری خیر نہیں، یعنی میں اپنے غم میں مرجاؤں گا) اس کے بعد بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُمیہ کو وہیں قتل کر دیا[2]۔

ابوجہل کا قتل

ابوجہل اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا جس کے بعض واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ شخص بھی بڑی ذلت کے ساتھ غزوۂ بدر میں مارا گیا اور یہ ہی وہ شخص ہے جو بڑے طمطراق کے ساتھ مکہ سے آیا تھا اور لڑنے والوں کو ہمراہ لایا تھا اور جب اس سے واپس ہونے کے لئے کہا گیا تو اس نے کہا واپس نہیں ہوں گے ، اس طرح تو عرب میں ہماری بدنامی ہوجائے گی ، انصار کے دو لڑکوں نے میدانِ بدر میں قتل کر دیا۔ سارا طمطراق دھرا رہ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں جنگِ بدر کے موقع پر صف کے اندر کھڑا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دائیں طرف ایک نوعمر لڑکا ہے اور بائیں طرف بھی اسی طرح ایک نوعمر لڑکا

[1] سیرت ابن ہشام [2] البدایۃ والنہایہ وصحیح البخاری

موجود ہے ، انھیں دیکھ کر مجھے کچھ زیادہ خوشی نہ ہوئی اور یہ سمجھا کہ مجھ پر کسی کافر نے حملہ کر دیا تو یہ دونوں مجھے بچا سکیں گے ۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ چچا جان یہ تو بتایئے کہ ابوجہل کون ہے ؟ میں نے کہا اے بھائی کے بیٹے ! تم اس کا کیا کرو گے ؟ جواب دیا کہ میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ میں اسے دیکھ لوں گا تو اسے قتل کر دوں گا یا اس کے مارنے کی کوشش میں خود ہی مر جاؤں گا ۔ اس کے بعد دوسرے لڑکے نے بھی اسی طرح کی بات کہی ، اچانک مجھے ابوجہل نظر آ گیا ۔ میں نے ان دونوں سے کہا دیکھو وہ ابوجہل ہے ، میری بات سن کر دونوں لڑکے شکرہ کی طرح اس کی طرف بڑھے اور اپنی تلواروں سے اس پر حملہ کر دیا ۔ یہ دونوں لڑکے عفراء نامی عورت کے بیٹے تھے (ایک کا نام معاذ اور دوسرے کا معوّذ تھا) روایاتِ حدیث میں معاذ بن عمرو بن جموح کا نام بھی آتا ہے ۔ شراحِ حدیث نے روایات میں توفیق دینے کے لیے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ تینوں افراد نے اس پر حملہ کر کے قتل کیا ہو (قتل کی حد تک تو ان صاحبزادوں نے پہنچا دیا تھا لیکن ابھی تک اس کی پوری جان نہیں نکلی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کوئی شخص جو ابوجہل کی خبر لائے ۔ آپ کا فرمان سن کر مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ابوجہل کو تلاش کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور اس کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا کہ ابوجہل ہے (دیکھ تیرا کیا انجام ہوا) کہنے لگا اس سے زیادہ کیا ہے کہ ایک آدمی اس کی قوم نے ختم کر دیا اور اس نے یہ بھی کہا کہ کاش مجھے کوئی ایسا شخص قتل کرتا جو کاشتکار نہ ہوتا (چونکہ اسے انصاری لڑکوں نے قتل کیا تھا جو کسان کا کام کرتے تھے اس لئے اس نے ایسی بات کہی اور اس پر افسوس ظاہر کیا کہ مجھے کسی اونچی شخصیت کے ہاتھوں قتل ہونا چاہیئے تھا ، جان جا رہی ہے پھر بھی کبر و نخوت دامنگیر ہے ۔ متکبرین کا یہی حال ہوتا ہے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جو ذرا سی جان باقی تھی وہ بھی ختم ہو گئی ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اس کا سر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ۔ (صحیح بخاری ص ۴۴۴ و ص ۵٦۵ و ص ۵٦۸)

مقتولین سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطاب:

بدر کی جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مشرکینِ مکہ میں سے فلاں شخص مقتول ہوکر فلاں جگہ گرے گا اور فلاں شخص فلاں جگہ گرے گا۔ آپ نے جو خبر دی تھی اسی کے مطابق یہ لوگ مقتول ہوئے اور ہر ایک اپنی اسی جگہ مقتول ہوکر گرا، پھر ان مقتولین میں سے جو قریش کے بڑے بڑے سردار تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بدر کے گہرے گڑھوں میں سے ایک بدترین گڑھے میں ڈال دیئے گئے اس کے بعد آپ نے بدر میں مزید تین دن قیام فرمایا۔ تیسرے دن آپ اس کنویں کے پاس تشریف لے گئے جس میں مشرکین کی نعشوں کو ڈالا تھا اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں کیا تمھیں اب اس بات کی آرزو ہے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرلیتے (اور اللہ کے عذاب سے بچ جاتے) ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو حق پالیا، سو کیا تم نے بھی اس وعدہ کو حق پایا جو تمھارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمراہ تھے، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان جسموں سے کیا کلام کررہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو (یعنی جیسے تم یہ باتیں سُن رہے ہو وہ بھی سُن رہے ہیں) راویِ حدیث قتادہ (تابعی) جنہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ واقعہ نقل کیا انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سُنانے کے لئے مشرکین کو زندہ فرمادیا تھا تاکہ ان کی مزید تذلیل و توبیخ ہو اور وہ سمجھ لیں کہ ہمیں اپنی ہی حرکتوں سے یہ عذاب ہو رہا ہے اور تاکہ انھیں حسرت اور ندامت ہو۔ (بخاری ص۵۶۶)

تکمیل:

غزوۂ بدر کا واقعہ تفصیل کے ساتھ گذشتہ اوراق میں بیان کردیا گیا، بعض امور

کا تذکرہ رہ گیا جو ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں :

(۱) بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے ۔

(۲) فتح یابی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے سے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فتحیابی کی خوش خبری دینے کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زید نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے ۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مریضہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا ۔

(۳) غزوۂ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ حلقے سے نکل کر اُن کے رخسار پر آپڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو بُلا کر اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا تو اُن کی یہ آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہوگئی ۔

(۴) بعض دیگر صحابہؓ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا۔ تیر آکر لگا تو ان کی آنکھ جاتی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھ پر اپنا لعابِ مبارک ڈال دیا، وہ بالکل درست ہوگئی۔[1]

(۵) جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو بدر میں یا حدیبیہ میں

---

[1] ان مذکورہ حوالوں کے لئے صحیح بخاری (کتاب المغازی) اور البدایۃ والنہایۃ کی مراجعت کی جائے۔

حاضر ہوا ہو۔ قال فی النہایۃ ص۲۹ ج ۳ تفرد بہ احمد وھو علی شرط مسلم۔

(۶) صحیح بخاری ص۵۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اُن کی والدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سو اگر وہ جنّت میں چلا گیا تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا) تو آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں۔ یعنی رو رو کر ڈھیر کر دوں گی۔ (کما فی روایۃ) آپ نے جواب میں فرمایا افسوس کی بات ہے، تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ کوئی ایک جنّت تھوڑا ہی ہے، وہ بہت سی جنّتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوسِ اعلےٰ میں ہے[۱]۔

حافظ ابن کثیرؒ البدایہ والنہایہ ص۳۲۹ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے، حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو اُن کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کر دیا گیا (جو جنّت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصّہ لیا دشمن سے مقابلہ کیا اُن کے درجات کا کیا عالم ہوگا۔

(۷) جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی۔ اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے دوسرے فرشتوں پر ان کو بھی فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہلِ بدر کو آپ حضرات کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں[۲]۔

---

[۱] صحیح بخاری ص ۵۶۷، ج ۲

[۲] صحیح بخاری ص ۵۶۹، ج ۲

قیدیوں کے احکام

جب مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو تو بہت سے امور پیش آتے ہیں ان میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے افراد کو گرفتار کر لیتا ہے، ان گرفتار شدہ گان کو قیدی کہا جاتا ہے۔ اگر کافر مسلمانوں کی قید میں آجائیں تو امیر المؤمنین کو ان کے بارے میں کن باتوں کا اختیار ہے؟

سورۃ الانفال میں قیدیوں کو قتل کرنے اور فدیہ لیکر قتل کرنے کا حکم ہے اور سورہ محمد میں احسان کر کے چھوڑ دینا اور فدیہ لیکر چھوڑ دینا دونوں مذکور ہیں پھر فدیہ لینے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے دوسرا یہ کہ کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ انھیں ذمّی بنا کر رکھ لیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ انھیں غلام باندی بنالیا جائے۔

فقہاء حنفیہ میں سے صاحبِ ھدایہ لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے، چاہے تو کافر قیدیوں کو قتل کر دے اور چاہے تو انھیں ذمّی بنا کر دار الاسلام میں رکھ لے۔ البتہ مشرکین میں جو اہلِ عرب ہوں اور جو مرتد ہوں ان کو ذمّی بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ اب رہی یہ بات کہ آیا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطورِ مبادلہ کے کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے؟ تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا، اور حضرات صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے۔ اور کافر قیدیوں کو مال لیکر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں، اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں اور بالکل ہی بطورِ احسان کے چھوڑ دینا نہ قیدیوں کا مبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمّی بنایا جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن، ص ۳۹۲ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ سورۃ براءۃ، سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ محمد میں جو مَنّ اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۃ براءۃ کی آیات فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ نے منسوخ کر دیا۔ لہذا اب فداء اور مَنّ کی اجازت نہیں رہی۔ فوجب ان یکون الحکم المذکور فیھا ناسخاً للفداء المذکور فی غیرھا اھ۔

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا اور اس پر عتاب نازل ہونا

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوۂ بدر میں ستّر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں، اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اس وقت ان سے فدیہ لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اجازت دیجئے کہ ہم ان کی گردنیں مار دیں، اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کوئی ایسی جگہ دیکھئے جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو اختیار فرما لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ سورۃ الانفال میں فرمایا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس

حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(۶۷، ۶۸، ۶۹)

قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کرلے، تم دنیا کا ساماں چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا، سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں، اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتلایئے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا کر آپ، کی موافقت کرلوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اُس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت کے وَرے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کرلیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند تھی، اس لئے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انھیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہئے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے۔ جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی اُن کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ امید ہے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دوسری مصلحت یہ تھی کہ اس وقت

مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے مال مل جائے گا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ کہ تم دنیا کو چاہتے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو، تمہیں آخرت میں اجور اور ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو اور زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالامال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا) اس نوشتہ سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ جل شانہ نے ام الکتاب میں یہ جو لکھ دیا تھا کہ مالِ غنیمت امتِ مسلمہ کے لئے حلال ہوں گے (جس میں قیدیوں سے فدیہ لینا بھی شامل ہے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب روک لیا۔ مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوھریرہؓ اور حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاءؒ اور حضرت حسن بصریؒ اور حضرت قتادہؒ اور حضرت اعمشؒ سے یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ مفسر ابن جریجؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحبِ روح المعانی نے ص۳۴ ج۶ میں ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی کہ جب تک کسی قوم کے لئے بطورِ امر و نہی واضح طور پر حکم بیان نہ ہو جائے

اس وقت تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نہ ہوگا تو عذاب آجاتا۔ چونکہ واضح طور پر فدیہ لینے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی تھی اس لیے عذاب روک دیا گیا۔ صاحبِ روح المعانی نے اس قول کو بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، پھر ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر اور مقدّر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا۔ اس لیے عذاب نہیں آیا۔ اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ اعلان ہو چکا تھا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کی مغفرت کر دی گئی (اور رائے دینے والے بھی بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے) اس لئے عذاب نہیں آیا۔

اس کے بعد فرمایا: فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطورِ غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیکر جو ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اس پر عتاب تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مہربانی سے اس مال کو حلال اور طیب قرار دے کر کھانے کی اجازت مرحمت فرما دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اللہ سے ڈرو) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے احتراز کرو اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے، اس نے تمہارے گناہ معاف فرمائے رَّحِيْمٌ (رحم فرمانے والا ہے) جو کچھ تم نے کافروں سے لیا اس کے بارے میں تم پر رحم فرما دیا اور تمہارے لئے حلال قرار دیا۔

مفسر ابن کثیر (ص ۳۲۶ ج ۲) نے لکھا ہے: فعند ذلك اخذوا من الاساری الفداء۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مال لینے کے فیصلے پر عتاب ہوا تھا۔ پھر جب مال لینے کی اجازت دے دی گئی تو قیدیوں سے مال وصول کر لیا گیا۔

اور معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ:

جب پہلی آیت نازل ہوئی تو کچھ بطورِ فدیہ مال لے چکے تھے اس سے پرہیز کرتے رہے۔ جب آیت فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ نازل ہوئی تو اس مال کو استعمال کر لیا، ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے پہلے مال لیا گیا ہو اور باقی لوگوں سے بعد میں لیا گیا ہو۔ اور اقرب یہی ہے،

کیونکہ سب کے پاس اُس وقت اموال موجود نہیں تھے۔

سب قیدیوں کے ساتھ برابری کا معاملہ

بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن الربیع اور آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ آپ نے صحابہ سے اجازت لے کر ابوالعاص کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا اور ان سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ پہنچ کر زینب کو بھیج دینا (زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں آپ نے جب ہجرت فرمائی تھی تو وہ وہیں رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان سے فرمایا کہ زینب کو بھیج دینا، انہوں نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیج دیا۔ اور پھر بعد میں خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ فی حرف العین۔

حضرت عباس مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تاکہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) اب ان کے پاس بیس اوقیے رہ گئے تھے۔ وہ بیس اوقیے صحابہ نے ان سے مقامِ بدر میں لے لیے تھے جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے سوال ہوا کہ فدیہ دو تو انہوں نے کہا کہ وہ جو بیس اوقیے لے لیے ہیں انہیں کو میری جان کے فدیہ میں لگالیں، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز تم ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے لے کر آئے تھے وہ تمہارے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ عباس نے یوں بھی کہا کہ یارسول اللہ میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے، اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے لہٰذا تم اپنی جان کا بھی فدیہ دو اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ دو عباس نے کہا کہ اے محمد تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں، میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ نے

فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے ملکر دفن کیا ہے۔ تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہو گیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہؓ عبیداللہ، فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے، آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ شانہٗ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ وہ جو بیس اوقیہ میدانِ جنگ میں مجھ سے لے لیا گیا ہے وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں، وہ حساب میں نہیں لگ سکتا ــــ وہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مالِ غنیمت کے) عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا عباس نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی اور اپنے حلیف کا بھی۔ (من معالم التنزیل ص۲۶۳ ج ۲ وابن کثیر ص۳۲۷ ج ۲)

حضرت عباسؓ نے اپنا اسلام تو فدیہ کے دن ہی ظاہر کر دیا تھا لیکن اس وقت مکہ معظمہ گئے تھے پھر مکہ معظمہ فتح ہونے سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ (کما فی الاصابۃ، حرف العین)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم ہوتا تھا، اس طرح سے ہر قیدی کا فدیہ سولہ سو درہم ہوا۔ اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سو اوقیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں۔

چونکہ صحابہ کے مشورے سے یہ طے ہو گیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جو مال ان سے لے لیا گیا اس میں صحابہ کا بھی حصہ ہو گیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کسی اپنے پرائے کی رعایت نہیں فرمائی۔ اپنے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا اور اپنے دو چچا زاد بھائیوں کا فدیہ بھی چچا سے وصول فرمایا۔ انہوں نے یہ جو کہا کہ میں مسلمان تھا (زبردستی جنگ میں شریک کر لیا گیا) تو اس کے جواب میں آپ نے صاف طور پر فرما دیا کہ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ہم تو ظاہر پر قانون نافذ کرنے والے ہیں، تم مخالفین کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہو کر آئے تھے، قیدی ہو گئے ہم تو فدیہ لے کر ہی

چھوڑیں گے لہٰذا اُن سے فدیہ لیا۔ صحیح بخاری صـ۴۲۸ـ ج ۱ میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔ اور اپنے داماد ابوالعاص ابن الربیع کا جو فدیہ چھوڑا وہ بھی حضراتِ صحابہ سے اجازت لے کر چھوڑا تھا۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے۔ لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرائے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں۔ قانون غیروں کے لئے ہوتا ہے، اور اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالاتر ہوتے ہیں، یہ اسلام کے طریقہ کے خلاف ہے

معلوماتِ ضروریہ متعلقہ غزوۂ بدر

قرآن مجید میں غزوۂ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو رکوع کے بعد آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے، ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ سترہ رمضان سنہ ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا۔

۲۔ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی، جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے، اوس میں سے بھی اور خزرج میں سے بھی۔ البدایۃ والنہایۃ صـ۲۶۹ـ ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳۔ قریشِ مکہ جو بدر میں پہنچے تھے اُن کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ تک کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

۴۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا، پھر ایسا ہی ہوا۔

۵ ۔ اس موقعہ پر ستّر مشرکین مقتول ہوئے اور ستّر افراد قید کر لئے گئے جن کی مُشکیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا ۔

٦ ۔ مقتول ہونے والوں میں ابوجہل بھی تھا جو مشرکینِ مکّہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دو لڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رمق باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابنِ مسعودؓ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لیکر حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپنے الحمدللہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں اُمیّہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلالؓ کو اسلام قبول کرنے پر مار اپیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقعہ پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سرغنہ بچ کر نہ نکل جائے۔ چنانچہ حضراتِ انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا ۔

٧ ۔ جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے ان کی نعشوں کو وہیں ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اُسے زرہ سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ہو گئے، لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دئے گئے ۔

٨ ۔ جب ان لوگوں کو کنوئیں میں ڈال دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اُسے حق پایا جو ہمارے ربنے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پالیا جو تمہارے ربنے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ آپنے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بات میں کہہ رہا ہوں اُن سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (یعنی جیسے تم سُن رہے ہو ایسے وہ بھی سُن رہے ہیں) حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا تاکہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو ۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

(الصف : ۸)

یہود کا تعارف
حق قبول کرنے والوں کی تعریف
نصاریٰ کا حال
منافقین کی شرارتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار کی محبت وعقیدت سے بھرپور خوشی ہوئی لیکن ساتھ ہی منافقوں سے اور یہودیوں سے واسطہ پڑا۔ ادھر تو ان لوگوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی حتیٰ کہ دونوں جماعتوں نے آپ کو شہید کرنے کا پروگرام بھی بنایا اور مکہ والوں نے بھی پیچھا نہ چھوڑا جنگ کرنے کے لئے بار بار جماعتیں بنا کر آئے۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ بدر اور غزوۃ الاحزاب اہل مکہ کے حملہ آور ہونے ہی کی وجہ سے پیش آیا، غزوۂ احزاب اور غزوہ احد میں یہودِ مدینہ کا بھی دخل تھا۔ غرض یہ کہ تیرہ سال مکہ معظمہ میں بڑی مصیبتوں سے گزارے یہاں آکر بھی قریشِ مکہ نے دکھ تکلیف دینے کی کوششیں جاری رکھیں اور یہودیوں اور منافقوں کی طرف سے جو ایذا۔رسانی اور بے ایمانی اور مکاری کا سلسلہ شروع ہوا وہ مستقل مصیبت بنا رہا۔

منافقین، انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج میں سے بھی تھے اور یہودیوں میں سے بھی تھے جن کے نام سیرت ابن ھشام میں لکھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے پہلے اوس وخزرج کے دونوں قبیلے مسلمان ہوگئے تھے، ان میں اسلام پھیل گیا تھا حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعلیم وتدریس سے بعض اہلِ مدینہ نے قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی یاد کرلی تھیں۔

منافقین نے ایک چال چلی اور اپنے خیال میں بڑی ہوشیاری کی تاکہ

دونوں ہاتھوں میں لڈو رہیں۔ مسلمانوں سے بھی فائدہ اٹھاتے رہیں اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اپنے خیال میں تو انہوں نے بڑی ہوشیاری کی چال چلی لیکن بُری طرح سے ذلیل ہوئے اور پھر ایسا وقت آیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نام لے لے کر اپنی مسجد سے نکال دیا۔

پہلے یہود کا تعارف کرایا جاتا ہے جنہیں بنی اسرائیل کہا جاتا تھا، پھر نصاریٰ کا تعارف کرایا جائے گا، پھر منافقین کی حرکتیں اور شرارتیں حیطۂ تحریر میں لائی جائیں گی انشاء اللہ تعالےٰ۔

مدینہ منورہ میں تو نصاریٰ نہیں رہتے تھے لیکن چونکہ وہ بھی اہل کتاب تھے اور نجران سے آکر اسلام کو دل سے سچا مانتے ہوئے بھی قبول نہ کیا اور مباہلہ سے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ اس لئے یہودیوں کے تذکرہ کے بعد نصاریٰ کا تذکرہ بھی آئندہ اوراق میں کر دیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کا تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل وطن بابل کا علاقہ تھا، جہاں نمرود بادشاہ تھا، وہاں بُت پرست رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی بُت پرست تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو حق کی تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ ان کی پوری قوم دشمن ہوگئی، یہاں تک کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا۔ ان کے واقعات جگہ جگہ قرآن میں مذکور ہیں۔ اُن کی بیوی کا نام سارہ تھا جو ان کے چچا کی لڑکی تھی اور ایک بیوی کا نام ہاجرہ تھا، حضرت سارہ سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسمٰعیل السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ہاجرہ وہی ہیں جنہیں مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں بحکم الٰہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت گود میں تھے۔ مکہ معظمہ کو بالکل ابتداءً آباد کرنے والے یہی دونوں ماں بیٹے تھے۔ حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے علاوہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے تھے جن کے نام البدایہ والنہایہ ص۱۷۵ ج ۱ میں لکھے ہیں۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ اور اُن کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا، جس کا قصہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا، اسی وجہ سے بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ ان لوگوں کے لئے کئی جگہ استعمال ہوا ہے، سورۂ بقرہ میں لفظ "ھودًا" بھی آیا ہے۔ یہ لفظ

عربی ہے ھَادَ یَھُوْدُ سے ماخوذ ہے جو توبہ کرنے کے معنی میں ہے اور ھَائِدٌ صیغۂ اسم فاعل کی جمع ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی، پھر توبہ کر لی تھی اس لئے ان کو ھُود کہا جانے لگا۔ پھر بعد میں وہ جماعت کا عَلَم یعنی نام بن گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ھَادَ بمعنی تَھَوَّدَ ہے اور اسی سے ھائد مشتق ہے جو تَھَوَّدَ کے معنی میں ہے اور اس کی جمع ھُوْدٌ ہے

بنی اسرائیل مصر میں

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اقتدار میں مصر میں جا کر رہنے لگے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تب بھی یہ لوگ مصر ہی میں رہتے رہے پشتہا پشت وہاں رہنے سے ان کی نسل بھی بہت زیادہ ہو گئی اور بارہ بھائیوں کی اولاد جو بارہ قبیلوں میں منقسم تھی، مجموعی حیثیت سے ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ان لوگوں کا اصل وطن کنعان تھا، جو فلسطین کا علاقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا اصلی وطن (بابل) چھوڑ کر اور ہجرت فرما کر اس علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ معظمہ میں آباد رہی اور بڑھتی رہی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل اولاً کنعان میں پھر مصر میں آباد ہو گئی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو ان لوگوں کا اقتدار میں کچھ حصّہ بھی نہ رہا۔

چونکہ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے نہیں تھے، اجنبی قوم کے افراد تھے اس لئے مصری قوم (قبط) کے افراد ان لوگوں سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ان کو بُری طرح غلام بنا رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ اُن کے سامنے عاجزِ محض تھے، ان کے سامنے چوں بھی نہیں کر سکتے تھے غلامی کی ایسی بدترین مثال دنیا کی تاریخ میں کسی قوم کی نہیں ملتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت

اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، جنہوں نے اس زمانہ کے ظالم اور جابر ترین بادشاہ فرعون کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ تعالےٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ بھی کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجدے۔ نہ اُس نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور نہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہوا اور اس نے اعلان کیا کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں تمہارا سب سے زیادہ بلند معبود ہوں۔

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ جب صبح ہوکر ان کے نکلنے کا فرعون کو علم ہوا تو وہ اپنے لشکر لے کر ان کے پیچھے لگا اور سمندر پر پہنچ گیا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک سمندر پر مارا جس سے سمندر پھٹ گیا اور اس میں راستے بن گئے، اور بنی اسرائیل کے قبیلے اِن راستوں سے پار ہوگئے۔ ان کو دیکھ کر فرعون نے بھی اپنے لشکروں کو سمندر میں ڈال دیا جب فرعون اور اس کا لشکر بیچ سمندر میں آگیا تو اللہ جل شانہ نے سمندر کو ملا دیا۔ فرعون کا لشکر تو ڈوب گیا اور حضرت موسی علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر سمندر پار ہوگئے۔ فرعون بھی اس عظیم حادثہ میں غرق ہوا فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى۔

مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے

بنی اسرائیل سمندر پار تو ہوگئے لیکن اب سوال تھا کہ کہاں جاکر بسیں؟ اپنے ہی علاقہ میں جانا تھا اور وہ علاقہ بہت دور بھی نہیں تھا، آخر وہیں سے ان کے باپ دادے مصر میں آئے تھے اور چند دن میں اونٹوں پر پورا سفر قطع کر لیا تھا لیکن یہ چلے تو ان کو اپنے وطن پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستاتے رہے میدانِ تیہ میں چالیس سال سرگرداں

پھرتے رہے (صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں پہنچ جاتے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف ملی، وہ طور پہاڑ پر توریت شریف لینے گئے تو پیچھے ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کرلی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کی غذا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مَن اور سلویٰ ملتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کرسکتے، ہم کو سبزی، پیاز، کھیرا وغیرہ چاہیئے۔ جب توریت شریف لے کر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ماننے سے انکار کردیا۔ لہٰذا پہاڑ طور اکھاڑ کر ان پر سائبان کی طرح کھڑا کردیا گیا۔ یہ واقعات اسی میدان میں پیش آئے۔ جس میں چالیس سال حیران اور سرگرداں گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہیں وفات ہوگئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں اُن کا علاقہ فتح ہوا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ عاجزی کے ساتھ اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے عاجزی کے ساتھ داخل ہوں انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی۔

بنی اسرائیل کے یہ واقعات مختلف مواقع میں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔

یہودی مدینہ میں کب آئے؟

اس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کے وطن بیت المقدس کو جب بخت نصر (مشہور کافر بادشاہ) نے منہدم کرلیا اور وہاں کے رہنے والوں کو جلا وطن کردیا اور بنی اسرائیل (یہود) میں سے بڑی مقدار میں لوگوں کو قید کرلیا تو ان میں سے ایک جماعت نے حجاز کی طرف رُخ کیا، ان میں بعض وادی القریٰ میں اور بعض تیماء اور بعض مدینہ منورہ میں آکر مقیم ہوگئے۔ یہاں پہلے سے کچھ لوگ بنی جرہم کے اور کچھ بقایا عمالقہ کے آباد تھے۔ انہوں نے کھجوروں کے باغ لگا رکھے تھے اور کھیتیاں کرتے تھے، یہودی ان کے ساتھ ٹھہر گئے اور گھل مل کر رہنے

لگے پھر یہ بڑھتے رہے اور بنی جرہم اور عمالقہ کم ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کو یہودیوں نے مدینہ منورہ سے نکال دیا اور مدینہ منورہ پوری طرح ان کے تسلط میں آگیا، اس کی عمارتیں اور کھیتیاں سب انہیں کی ہوگئیں اور ایک مدت تک جس کا علم اللہ ہی کو ہے اسی حال میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔

(فتوح البلدان للبلاذری ص۲۲۹)

بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی علماء توریت شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پڑھتے تھے، ان میں یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جس میں کھجوریں ہوں گی اور وہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان ہوگا لہٰذا وہ شام سے آئے اور اس صفت کے شہر کی تلاش میں نکلے تاکہ اسی شہر میں جا کر رہیں اور مبعوث ہونے والے نبی پر ایمان لائیں اور ان کا اتباع کریں جب مدینہ منورہ آئے وہاں کھجوریں دیکھیں، تو وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ شہر ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہیں اور پھر وہیں رہنے لگے۔

(عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار ص۲۴ ومعجم البلدان للحموی ص۸۲ ج ۵)

اوس وخزرج کا مدینہ میں آکر آباد ہونا

مدینہ منورہ کی آبادی بہت پرانی آبادی ہے اس کا پرانا نام یثرب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بعد اس کا نام مدینۃ الرسول، طابہ اور طیبہ معروف ہوگیا۔ اور المدینہ، نیز المدینۃ المنورۃ کے نام کی زیادہ شہرت ہوگئی۔ یہودیوں کے مدینہ منورہ میں آکر بسنے کے سالہا سال کے بعد یمن کے دو قبیلے اوس اور خزرج بھی مدینہ منورہ آکر آباد ہوگئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں تین بڑے قبیلے یہودیوں کے یعنی بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ اور دو قبیلے یمن سے آکر آباد ہونے والوں کے موجود تھے، یعنی اوس اور خزرج۔ یہی دونوں قبیلے ہیں جو بعد میں انصار بنے۔

یہود کے قبیلوں اور اوس وخزرج میں لڑائیاں

یہ دونوں قبیلے بت پرست

تھے، آپس میں بھی ان کی لڑائیاں ہوتی تھیں اور یہودیوں سے بھی جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہودی اہلِ کتاب تھے اور اہلِ علم سمجھے جاتے تھے۔ جب یمن کے ان دونوں قبیلوں سے ان کی لڑائی ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں، ان کا زمانہ آئے گا ہم ان کا اتباع کر کے اور ان کے ساتھی بن کر تمہارا ناس کھو دیں گے۔

اوس وخزرج کا اسلام قبول کرنا

حج کے موقعہ پر پہلی ملاقات میں جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اور خزرج کے چند افراد پر اپنی دعوت پیش کی تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں کہ نبی آخر الزماں تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آگے بڑھ جائیں۔ لہٰذا ہمیں یہ دین قبول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ یہ حضرات مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ آکر انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور انصار کے دونوں قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔ پھر دونوں قبیلوں کے نمائندوں نے موسمِ حج میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی اور عرض کیا آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

یہودیوں کا حق قبول کرنے سے انکار اور عناد پر اصرار

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہرِ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، چالیس سال عمر شریف ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا آپ سے پہلے جو انبیاء کرام تھے وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ کی بعثت عام ہے سارے انسانوں اور سارے جنات کے لئے ہے، اور آپ رسول الثقلین ہیں۔ تمام مشرکین اور تمام یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دینا اور حق کی تبلیغ کرنا آپ کے فرائض میں سے تھا۔ آپ نے تمام اقوام کو اسلام کی دعوت دی اور واضح طور پر بتا دیا کہ اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ

کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ توحید کی دعوت سن کر مشرکین توآپ کے دشمن ہو ہی گئے، یہودیوں نے بھی دشمنی پر کمر باندھ لی اور نصاریٰ بھی حق سے منحرف ہو گئے، ان دونوں جماعتوں میں سے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا، علامات اور آپ کی صفات اور توریت وانجیل کی تصریحات جانتے ہوئے قبول نہیں کرتے تھے۔ یہودیوں نے تو بہت ہی زیادہ جحود اور عناد وعداوت پر کمر باندھی اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے اور آج تک ہیں، خود بھی اسلام کو مٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور نصاریٰ کو بھی اسلام دشمنی پر اُبھارتے ہیں اور گو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا لیکن یہ کوششیں پھر بھی جاری ہیں کہ کوئی قوم اسلام قبول نہ کرلے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نصاریٰ اور ہندو اور بدھسٹ جنت میں جانے والے تو نہیں ہیں لیکن اسلام کی دشمنی میں اس سے خوش ہیں کہ وہ مسلمان نہ ہوں۔ نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو قبول کرنے نہیں دیتے بلکہ ان کی خواہش رہتی ہے کہ مسلمان بھی اسلام کو چھوڑ دیں (العیاذ باللہ)

قرآن مجید میں جگہ جگہ اہل کتاب سے خطاب فرمایا ہے، انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے اور ان کی گمراہی اور حق سے انحراف اور ان کی بُری حرکتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ عَلَىٰ فَتۡرَةٖ مِّنَ ٱلرُّسُلِ أَن تَقُولُواْ مَا جَآءَنَا مِنۢ بَشِيرٖ وَلَا نَذِيرٖۖ فَقَدۡ جَآءَكُم بَشِيرٞ وَنَذِيرٞۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ۝ (۱۹)	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا یہ رسول آپہنچا جو کہ تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آچکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (۸۸) ○

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو اللہ نے ملعون قرار دیدیا سو بہت کم ایمان لاتے ہیں

یہودی اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تھے، آپ کی سچائی کی علامات اور معجزات دیکھ کر بھی منحرف تھے اور اس گمراہی کو اپنے لئے کمال اور باعثِ فخر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوتے ہیں، کسی کی بات ہمارے دلوں پر اثر نہیں کرسکتی اور اپنے دین کے علاوہ ہم کوئی دوسرا دین قبول نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تردید فرمائی کہ یہ بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق بھی جانتے ہیں لیکن حق سے ان کو تنفّر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو ملعون قرار دیدیا ہے، لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہیں، دلوں پر پردے اور غلاف کچھ نہیں کفر کی پھٹکار اور لعنت کے سبب ایمان سے محرومی ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (۱۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر ماردی۔ غرض یہ ہے کہ کفر میں ان کی پختگی لعنت اور پھٹکار اور دلوں پر مُہر لگ جانے کے سبب سے ہے جس پر وہ فخر کر رہے ہیں۔ قبّحھم اللہ۔

یہ جو فرمایا کہ بہت کم ایمان لاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی ہے اس سے منکر ہوگئے۔ ایک نبی کی تکذیب بھی کفر ہے تھوڑا سا ایمان آخرت میں کام نہیں دے گا۔ بعض مفسّرین نے فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ہوں گے جو ایمان لائیں گے۔

مزید فرمایا :

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

(البقرة : ۸۹، ۹۰)

اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح یابی طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے، سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر، بُری چیز ہے وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اتارا حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

مزید فرمایا :

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اتارا گیا ہم پر، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس ہے، آپ فرما دیجئے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے رہے ہو اگر تم مؤمن ہو، اور بلاشبہ

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (البقرۃ : ۹۱، ۹۲)	موسیٰ تمہارے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا، حالانکہ تم ظالم تھے ۔

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اس لئے آکر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی تو ہم ان کا اتباع کریں گے، یہ لوگ اپنے کو موحد سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ہم دین سماوی کے حامل ہیں، اوس اور خزرج کے قبیلے بھی یمن سے آکر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے ۔ یہ لوگ بت پرست مشرک تھے ، یہودیوں سے ان لوگوں کی جنگ ہوتی رہتی تھی اور یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے ان کی بعثت کا زمانہ قریب آچکا ہے، ہم ان پر ایمان لاکر اُن کے ساتھ ہوکر تم سے جہاد کریں گے اور اس وقت تمہارا ناس کھودیں گے اور قوم عاد کی طرح تمہارا قتل عام کرینگے بلکہ بعض روایات میں ہے کہ یہودی یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ اس نبی کی بعثت فرما جس کے مبعوث ہونے کا ہماری کتاب میں ذکر ہے تاکہ ہم اس کے ساتھ مل کر عرب کے مشرکوں کو قتل کریں۔ یہ لوگ نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جانتے تھے جو توریت شریف میں مذکور تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوگئی اور آپ مدینہ منورہ میں بھی تشریف لے آئے اور یہودیوں نے آپ کو اُن علامات اور صفات کے ذریعہ پہچان بھی لیا جو اُن کے علم میں تھیں کہ یہ واقعی نبی آخرالزماں ہیں، ہم جن کے انتظار میں تھے ۔ انہوں نے آپ کے معجزات بھی دیکھے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے آپ کی نبوّت اور رسالت کے منکر ہوگئے ۔ اُن کو اوس اور خزرج کے بعض افراد نے توجہ بھی دلائی اور کہا کہ اے یہودیو! تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ نبی آخرالزماں تشریف لانے والے ہیں تم ان کی صفات بھی بیان کرتے تھے اور ہم سے یوں کہتے تھے کہ ہم نبی آخرالزماں پر ایمان لاکر اور اُن کے

ساتھ مل کر تمہیں مغلوب اور مقہور کر دیں گے۔ لہٰذا اب تم حق کو قبول کرو نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جس کے انتظار میں تھے وہ تو ہم ہی میں سے ہوگا، عرب میں سے نہیں ہوگا۔ جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہوگئے اور یہ حسد اُن کو کھا گیا کہ نبی عرب میں سے کیوں آیا۔

اس آیت میں اُن کے اسی انکار اور حق سے انحراف کرنے کا تذکرہ ہے اور اخیر میں یہ فرمایا ہے کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہے جو حق اور حقیقت کو جانتے ہیں پھر بھی اس کے ماننے سے منکر ہیں۔ (من ابن کثیر ص۸۲۴ ج۱)

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے ہی نفسوں کو اور وہ نہیں سمجھتے، اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو، اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔ اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں پر دن کے شروع حصہ میں اور منکر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں، امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ اور اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے، یہ باتیں تم اس لئے کرتے ہو کہ

عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

(۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲)

کسی دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو تمہیں دی گئی یا اس لئے کہ وہ تم پر دلیل میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اُسے عطا فرماتا ہے جسے چاہے، اور اللہ واسع ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

(۶۱، ۶۲، ۶۳)

اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر ہی کو لیکر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں، اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم کرتے ہیں اور حرام کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام بُرے ہیں، ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے واقعی ان کا یہ طرزِ عمل بُرا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا حالانکہ

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ
الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
(آل عمران: ۹۸، ۹۹)

اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی اطلاع ہے، آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ایسے شخص کو جو ایمان لا چکا اس طور پر کہ تم اس میں کجی تلاش کرتے، حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور ان کاموں سے اللہ غافل نہیں جن کو تم کرتے ہو۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا:

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ
لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝
لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ
مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا (۴۱)

اور یہودیوں میں سے جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ کہنے کے لئے اور دوسری جماعت کے جاسوس ہیں جو آپ تک نہیں آئے، کلمات کو ہٹا دیتے ہیں ان کی جگہ سے، کہتے ہیں اگر تمہیں یہ ملے تو لے لو اور نہ ملے تو بچو۔

نیز سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ
لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ وَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (۴۲)

وہ جھوٹ بولنے کیلئے کان لگا کر سننے والے اور حرام خوری کرنے والے ہیں اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا
لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ
كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ
فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ

اور (اے بنی اسرائیل) تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے تم سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ ہو اور اللہ کی آیات کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۱، ۴۲)

حاصل نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ میں یہ بتادیا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تمہارے لئے اس کی مخالفت کرنے اور اس پر ایمان نہ لانے کی کوئی وجہ نہیں، یہ قرآن تو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھی۔ اگر یہ قرآن تمہاری کتاب کے مخالف کچھ بیان کرتا، تو تمہارے لئے اس سے انحراف کرنے کی کوئی وجہ بھی تھی اللہ جل شانہ کی سب کتابیں آپس میں متفق ہیں یعنی سب توحید کی دعوت دیتی ہیں، عقائد میں کوئی اختلاف نہیں جن پر دینِ حق کی بنیاد ہے، فروعی احکام میں جو اختلاف ہے وہ احوالِ حاضرہ کے اعتبار سے ہے۔

نیز سورہ بقرہ میں فرمایا:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (۷۵)

کیا تم یہ امید کرتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں سے ایک فریق کا حال یہ تھا کہ وہ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر وہ اسے سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کر دیتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے (کہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا بہت بڑا جرم ہے)

بعض مسلمان امید رکھتے تھے کہ یہودی مسلمان ہوجائیں گے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

نیز سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۴۴)

اور بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں

مزید ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ: ۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، بلاشبہ ان میں ایسے لوگ ہیں جو حق کو ضرور چھپاتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں۔

بعض اہل کتاب، کتاب اللہ میں تحریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے

وَاِنَّ مِنْھُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَھُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا ھُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران: ۷۸)

اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو موڑ کر کتاب بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے، اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ توریت شریف میں تحریف اور تغیر کرتے تھے، بیان کرتے ہوئے اس انداز سے زبان موڑ کر بات کر جاتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھ لے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو توریت شریف میں پائی تھیں ان کو بدل دیا اور آیتِ رجم کو چھپا لیا۔ تحریف کرتے ہوئے جو بات کہتے تھے اس کو ایسے انداز میں پیش کرتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ ان کی اپنی بنائی ہوئی بات ہوتی تھی، اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ صاف ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بات خود تراشیدہ

ہوتی تھی۔ اَلْسِنَتَھُمْ کا جو مطلب اوپر عرض کیا گیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص سے مدعی نے کہا کہ تو کعبہ کی قسم کھا اس نے زبان دبا کر کابک کی قسم کھالی دوسرے کاف کی طرف مدعی اور دوسرے سننے والوں کا ذہن بھی نہ گیا، انہوں نے سمجھا کہ اس نے واقعی کعبہ کی قسم کھالی، پھر جب مجلس سے جدا ہوا تو اس کے متعلقین نے کہا کہ تو نے جھوٹی قسم کھائی تو کہنے لگا کہ میں نے تو کابک کی قسم کھائی ہے۔

کابک بعض علاقوں میں کبوتر بند کرنے کے پنجرے کو کہتے ہیں۔ کعبہ کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے۔

یہ ایک مثال ذہن میں آئی تھی عرض کر دی اس طرح کے اور بھی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ لوّی لسانہ عن کذا سے ماخوذ ہے اور یہ غیّر کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن کثیر اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یحرّفون الکلم عن مواضعه ویبدّلون کلام الله و یزیلونه عن المراد به لیوهموا الجهلة انه فی کتاب الله کذلك و ینسبونه الی الله وهو کذب علی الله وهم یعلمون من انفسهم انهم قد کذبوا وافتروا فی ذلك کله۔

حافظ بغوی اور حافظ ابن کثیر نے زبان موڑ کر بیان کرنے کا معنی یہی لیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں یعنی اس کا مطلب غلط بتاتے ہیں اور لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی کتاب کا مطلب تمہارے سامنے صحیح بیان کیا ہے وہ لوگ تحریف کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اور جان بوجھ کر یہ گناہ کرتے تھے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ

اَیۡدِیۡهِمۡ وَوَیۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ (البقرۃ:۷۹) چونکہ اللہ کی کتاب کی تعلیم اُن کے ہاں عام نہیں تھی اور چند علماء ہی ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اس لئے اپنے عوام کو جو چاہتے تھے سمجھا دیتے تھے ۔ امتِ محمدیہ میں بھی بعض فرقے جو اہلِ ھویٰ ہیں، حقیر دنیا کے لئے اہل کتاب کی نقل اتارتے ہیں، ایک واعظ صاحب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر تھے اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے قُلۡ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ کا ترجمہ کرتے ہوئے ما کو نافیہ بتا گئے اور اس سے بشریت کی نفی ثابت کر گئے ۔ اہل ہویٰ کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ خواہ کافر ہی ہو جائیں لیکن ان کے عوام ناراض نہ ہوں اور عوام سے جو ملتا ہے وہ ملتا رہے ۔

آیاتِ مذکورہ بالا میں اہل کتاب کو اور تمام انسانوں کو ہدایت پر آنے اور حق قبول کرنے کی دعوت دی ہے اور خاص طور سے یہودیوں کی حرکتیں اور شرارتیں بیان فرمائی ہیں جو باتیں آیاتِ مذکورہ سے مستنبط ہوتی ہیں ان کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے :

۱؎ یہودیوں کا طریقہ تھا کہ اپنی خواہشِ نفس کے مطابق رسول چاہتے تھے یعنی یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو رسول بھیجے وہ ہماری خواہش کے مطابق ہو، اس میں یہ خواہش بھی شامل تھی کہ رسول صرف ہم ہی میں سے ہو اگر دوسری کسی قوم سے رسول ہوگا تو اسے نہیں مانیں گے ۔ جن رسولوں کو اپنی خواہش کے مطابق نہ پایا ان کو نہیں مانا اور رسولوں کی ایک جماعت کو قتل کر چکے تھے۔ یہودیوں کو یہ ناگوار تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے جس کو چاہے رسول بنا دے ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھی ناراض تھے کہ اس نے ہمارے علاوہ دوسری قوم میں رسول کیوں بھیجا

۲؎ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب اچھی طرح پہچان گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا جو کتاب میں نے اب نازل کی ہے جس کی صفت یہ ہے کہ وہ اس کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے رسول پر نازل ہوئی تھی لہٰذا تم اس پر ایمان لاؤ وَلَا تَکُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِهٖ

اور تم اس کے سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو (جاننے والے کو سب سے پہلے اقراری ہونا چاہیئے نہ یہ کہ جب اس کے پاس حق آجائے تو اس کا منکر ہو جائے اور اپنے بعد والوں کو بھی ہدایت سے روکنے والا بن جائے)

۳ ان لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم تھا، اپنی کتاب توریت شریعت میں آپ کا ذکر پاتے تھے، جب آپ تشریف لے آئے تو اللہ کی کتاب کو پیچھے ڈال دیا گویا کہ انہیں پتہ ہی نہیں۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہم اُسی پر ایمان لائے اس کے علاوہ جو بھی کچھ ہے ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن ساتھ ہی یوں کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ہمیں کسی پر ایمان لانا نہیں ہے۔

۴ اور انہوں نے ایک یہ مکاری والا طریقہ نکالا تھا کہ آپس میں یوں کہتے تھے کہ صبح صبح کو مسلمان ہو جاؤ اور شام کو کافر ہو جانا تاکہ دوسرے مسلمان بھی تمہارے ساتھ کفر پر واپس آجائیں۔

۵ یہودیوں نے یہ طریقہ بھی نکال رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی توریت شریف میں تحریف کرنے کو اپنا خاص شغل بنا رکھا تھا اور توریت شریف کے خلاف مسائل بتا کر ان کے علماء رقمیں وصول کیا کرتے تھے اور عوام کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو ارباب بنا رکھا تھا یعنی انہوں نے انہیں خدائی اختیارات دے رکھے تھے اور تحلیل و تحریم کا مرتبہ دے رکھا تھا۔

۶ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی آتے تھے تاکہ جو کچھ آپ کی مجلس میں سنیں اپنے بڑوں کو (جو حاضرِ خدمت نہیں ہوتے) مجلس کی باتیں پہنچا دیں۔

۷ یہ لوگ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو بھی کافر بنا لیں یعنی اپنی مکاریوں سے اور چالبازیوں سے ان کو بھی دینِ حق سے ہٹا دیں اللہ تعالیٰ نے اُن سے خطاب فرمایا

کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے ہو اور ٹیڑھا راستہ کیوں تلاش کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔

۸۔ یہودیوں میں گنہگاری اور ظلم وزیادتی اور حرام کھانے کا سلسلہ جاری تھا

۹۔ یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ ملاتے تھے اور حق کو چھپاتے تھے دوسری قوموں کو بھی اسلام میں نہیں آنے دیتے تھے۔

۱۰۔ ان میں جو درویش بنے ہوئے تھے اور جو علماء تھے انہیں گنہگاری کے اقوال سے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے تھے۔

یہودی مدینہ منورہ میں رہتے تھے لیکن نہ اسلام قبول کرتے تھے اور نہ اسلام دشمنی میں کوئی کوتاہی کرتے تھے اور اپنے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے اولیاء ہیں جیسا کہ نصاریٰ کا بھی یہ دعویٰ تھا۔ اور دونوں قوموں کا دعویٰ تھا کہ جو شخص ہمارا دین قبول کرلے گا وہی ہدایت پر ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا اور انہوں نے کہا کہ یہودی یا نصاریٰ ہو جاؤ تم ہدایت پا جاؤ گے۔

ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۱۳۵)	آپ فرما دیجئے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو کہ پوری طرح حق کے طرفدار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

دونوں جماعتوں کی تردید فرمادی کہ تم حق پر کیسے ہو سکتے ہو جبکہ مشرک ہو، توحید کو چھوڑ چکے ہو (یہودی حضرت عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے تھے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) پھر یہود و نصاریٰ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اس کے اولیاء ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ ہم چند دن کے لئے دوزخ میں چلے جائیں گے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

کا اقرار نہیں کرتے تھے، پھر ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ دارِ آخرت اللہ کے نزدیک صرف ہمارے ہی لئے ہے۔ ایسی جھوٹی امیدوں نے انہیں تباہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپ سے سوالات کرتے تھے جواب مل جانے پر بھی کفر ہی پر جمے رہتے تھے، ضد اور عناد کی حد کر دی۔ یہ جانتے ہوئے کہ حق کا منکر ہونے سے دوزخ میں جائیں گے پھر بھی کفر کو نہیں چھوڑتے تھے۔

کچھ یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسا کرو کہ صبح کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ہو جاؤ اور ان سے کہدو کہ ہم بھی تمہاری طرح مؤمن ہیں اور شام کو کافر ہو جاؤ ممکن ہے تمہاری دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی اسلام سے پھر جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم اسی پر ایمان لاؤ جو تمہارے دین کا تابع ہو ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ آپ فرما دیجئے کہ بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے (جو شخص اللہ کی ہدایت سے منہ موڑیگا وہ باطل پر ہوگا اور عذابِ الیم کا مستحق ہوگا)

یہودیوں کی یہ بھی شرارت تھی کہ خدمت عالی میں آتے تھے تو رَاعِنَا کہتے تھے، عربی میں اس لفظ کا معنی ہے کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے لیکن عبرانی زبان میں یہ بد دعا کے معنی میں ہے، یہ لوگ حاضر خدمت ہو کر اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تاکہ سننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمائیے اور اندر دل میں بُرے معنی کی نیت کرتے تھے سورہ نساء میں فرمایا:

لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ (۴۶) یہ لوگ جو رَاعِنَا کہتے ہیں زبان موڑ کر کہتے ہیں ان کا مقصد دین میں طعن کرنا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان بھی رَاعِنَا کہکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر لیتے تھے۔ چونکہ

اس سے یہودیوں کو اس لفظ کے کہنے کی سند ملتی تھی اس لئے مسلمانوں کو اس لفظ کے کہنے سے روک دیا گیا، فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا . (البقرة: ۱۰۴)

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو بلکہ اُنظُرنا کہو (تاکہ یہود کو اس لفظ کے کہنے کی سند نہ ملے)

حضرت سعد یہودیوں کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کرلیا کہ یہودی راعنا کہتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں اور یہ کلمہ شرارت سے کہتے ہیں لہذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گردن مار دوں گا۔

یہودیوں کی گمراہی اور گمراہی پر جمنے اور اسلام کی دشمنی میں دوسروں کو جمانے کا ایک قصہ اور سنو، اور وہ یہ ہے کہ چند یہودی مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اُبھارنے اور ترغیب دینے کے لئے مکہ معظمہ پہنچے، قریشِ مکہ مشرک تھے انہوں نے آپس میں کہا کہ یہودیوں میں علماء ہیں، ان کے پاس پہلی کتابوں کا علم ہے ان سے دریافت کرو کہ تمہارا دین (شرک والا) بہتر ہے یا محمد علیہ السلام کا دین (توحید والا) بہتر ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے علماء یہود سے یہ بات پوچھی، علماء یہود نے جواب میں کہا کہ تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے اور تم محمد علیہ السلام اور ساتھیوں کے بنسبت زیادہ ہدایت پر ہو۔ اللہ اکبر! ضد اور ہٹ دھرمی کیسی بری بلا ہے؟

سورۂ نساء میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ

کیا آپ نے ان کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا باطل اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بنسبت

أَمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ (۵۱)

زیادہ ہدایت یافتہ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کردی اور اللہ جس پر لعنت کردے تو اے مخاطب تو اس کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔

توریت شریف میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مذکور ہیں وہ برابر یہودیوں میں منقول ہوتی آرہی تھیں اپنے آباء واجداد سے سنتے تھے اور آپ کی بعثت کے منتظر تھے ان میں جو لوگ حق پسند تھے انہوں نے حق قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے، لیکن وہ چند ہی افراد تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بڑے عالم تھے انہوں نے واضح طور پر اقرار کیا اور بلا خوف وخطر بیان کیا کہ لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِيْنَ رَأَيْتُهٗ (میں نے جب آپ کو دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا) اور یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کا چہرہ دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ اسلام لے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پردہ کے پیچھے چھپا دیا اور یہودیوں سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟ کہنے لگے کہ وہ ہم میں سے سب سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر باپ کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کے بارے میں کیا کہو گے؟ کہنے لگے کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا! آپ نے عبداللہ بن سلام کو آواز دی وہ اندر سے نکلے اور یہودیوں پر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کردیا۔ وہی یہودی جو اس کی تعریف کر رہے تھے ان کے مسلمان ہونے کا اعلان سنتے ہی کہنے لگے هُوَ شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا[1] (وہ ہم میں سب میں بُرا آدمی ہے اور ہم میں سے سب سے بُرے انسان کا بیٹا ہے)

جب انسان میں حیا نہ رہے اور اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرلے کہ مجھے

---

[1] صحیح بخاری ص۵۶۱ ومشکوٰۃ المصابیح ص۵۱۸

دوزخ ہی میں جانا ہے تو پھر ایمان اور عملِ صالح کی اس کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

یہ لوگ اپنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیرو بتاتے تھے اور توریت کا محافظ سمجھتے تھے۔ حالانکہ توریت شریف کو ضائع کر چکے تھے، اس میں تحریف کر لی تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو بدل چکے تھے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے منکر تھے جبکہ ان کی والدہ بھی بنی اسرائیل ہی میں سے تھیں۔

توریت اور انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک

یہود و نصاریٰ دونوں قومیں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی منتظر تھیں اور آپ کی علامات اور نشانیاں ان لوگوں میں معروف و مشہور تھیں۔

سورۃ الاعراف میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (۱۵۷)	نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

کعب احبار کا بیان

کعبِ احبار پہلے یہودی تھے، پھر حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ بیان کرتے تھے کہ ہم توریت میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میرے برگزیدہ بندے ہیں، نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں، وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا (ملکِ شام اولین وہ

سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب کی حکومت ہوگی) اوران کی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی۔ وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے۔ یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہوجائے گا نماز ادا کریں گے آدھی پنڈلیوں پر تہبند باندھیں گے۔ وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔ ان کا مؤذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا اوران کی ایک صف قتال میں اور ایک صف نماز میں ہوگی، دونوں صفیں (اخلاص اور عزیمت میں) برابر ہوں گی رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت بحوالہ مصابیح السنہ نقل کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ دارمی نے بھی تھوڑی سی تغییر کے ساتھ روایت کی ہے۔

حضرت عطا بن یسار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتائیے، انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بناکر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور امیین (یعنی عرب) کی حفاظت کرنے والا بناکر بھیجا، تو میرا بندہ ہے، میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔ لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعے کجی والی ملت کو سیدھی نہ کردے۔ اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ بیان

صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۲ میں نقل کیا ہے، سنن دارمی صفحہ ۱۲ ج ۱ میں بھی یہ مضمون ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا مضمون کی روایت کی۔

مصابیح میں یہ روایت صفحہ ۱۷۱ پر اور سنن دارمی میں صفحہ ۱۵/۱ ج پر موجود ہے، اس کے بعد صاحبِ مصابیح نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد اور عیسیٰ علیہما السلام کی صفت بیان کی ہے (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان سنن ترمذی میں بھی ہے۔

توریت شریف میں یہودیوں نے تحریف بھی کردی اور اصل کتاب کو بھی گم کر دیا لیکن تحریف کے باوجود اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر موجود ہے۔

توریت شریف کی پیشینگوئی اور اس میں بائیبل شائع کرنے والوں کی تحریف

کتاب استثناء باب ۳۳ میں اس طرح پیشینگوئی موجود ہے: خداوند سینا[1] سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اور ان کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔

چونکہ اس پیشین گوئی میں لفظ فاران موجود ہے جو مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر جلوہ گر ہونے کا تذکرہ ہے اور

---

[1] خداوند تعالیٰ کے سینا سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی اور کوہِ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی۔ (شعیر شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے) اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا (فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے۔

یہ دس ہزار وہ صحابہ تھے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے فتح مکہ کے موقع پر گئے تھے۔ لہذا تحریف کے مجرمین کو یہ دونوں باتیں بھاری پڑیں۔ اس لئے انہوں نے سابقہ تحریفات میں اضافہ کر دیا (جب تحریف پر ہی دین اور دیانت کی بنیاد رکھ لی تو اب آگے تحریف کرنے میں خوفِ خدا لاحق نہ ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے) اول تو فاران کا مصداق بدلنے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیت المقدس کا نام ہے۔ حالانکہ قدیم وجدید جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیت المقدس کا نام فاران ہے۔ خود توریتِ سامری کے عربی ترجمہ میں لفظ فاران کے سامنے بریکٹ میں لفظ الحجاز موجود ہے (یہ ترجمہ آرکوئیٹنس نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا) دوسری تحریف ان مجرموں نے یہ کی کہ دس ہزار کی جگہ کسی ترجمہ میں ہزاروں لکھ دیا اور کسی میں لاکھوں لکھ دیا اور بعض ترجموں میں پورا جملہ ہی ختم کر دیا۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو کنگ جیمس ورجن نے ۱۸۵۸ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعد میں تحریف کے دلیروں نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔

یہود و نصاریٰ کا عجیب طرزِ فکر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تحریف کرکے جو لفظ اور معنی ہم اپنی طرف سے مقرر کر دیں گے وہی روزِ قیامت ہمارے لئے حجت بن جائے گا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے کے لئے جو تدبیریں سوچی جائیں گی وہ بارگاہِ خداوندی میں کام دے دیں گی اور دوزخ سے بچا دیں گی۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مسئلہ مسلمانوں کو جواب دینے کا نہیں ہے، آخرت میں نجات پانے کا ہے۔ یہود نے یقین کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ توریت شریف میں آپ کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپس میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے اور جب ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اقراری ہو جاتا تو اسے برا کہتے اور یوں کہتے تھے:

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ (البقرہ: ۷۶) کیا تم ان سے

وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دیں تاکہ یہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر حجت قائم کرلیں)

بعض یہود کا اقرار کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی حاضر ہوتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے (جن کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا) اس میں اپنے سوالوں کا صحیح جواب پاتے اور بار بار ان کے یقین میں پختگی آتی جاتی تھی، اور آپؐ کا ہر جواب ان کو چیلنج کرتا تھا لیکن حق جانتے ہوئے مانتے نہیں تھے اور قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آیاتِ بیّنات کے بارے میں سوال کیا آپؐ نے جواب دے دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں آپ نے فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روک رہی ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں خوف ہے کہ اگر آپ کا اتباع کرلیں تو ہمیں یہودی قتل کردیں گے

(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷)

(یہ جان کا خوف اور مال کا لالچ انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا تھا) جن یہودیوں نے آپ کو آزمایا اور آپ کی نشانیوں کو دیکھا اور دنیوی مفاد کو ٹھوکر ماری انہوں نے اسلام قبول کیا لیکن یہ معدودے چند ہی تھے۔

ایک یہودی کا آپ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم کے چند دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض تھے وہ تقاضے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس اس وقت انتظام نہیں ہے جو تیرا قرض ادا کردوں، اس پر یہودی نے کہا کہ اے محمدؐ میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہ کریں، آپؐ نے فرمایا تو میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا، آپؐ اس کے ساتھ بیٹھے رہے اور

اسی دوران آپؐ نے ظہر سے لے کر فجر تک سب نمازیں ادا کرلیں۔ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دھمکی دیتے تھے اور ڈراتے تھے آپؐ نے اس کو محسوس فرمایا اور استفہام انکاری کے طریقہ پر فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی نے آپ کو روک رکھا ہے (جو ہم سے دیکھا نہیں جاتا) آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی معاھد (ذمّی یا مستامن) پر ظلم کروں۔ دوسرے دن جب دن چڑھ گیا تو اس یہودی نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میں نے یہ جو کچھ کیا اسی لئے کیا کہ میں آپ کو ان اوصاف کے موافق دیکھ لوں جو توریت میں بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ محمد بن عبداللہ کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا۔ وہ درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے، وہ فحش کلامی کو اختیار نہ کریں گے اور بُرے الفاظ سے بھی بچیں گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بے شک آپؐ اللہ کے رسول ہیں یہ میرا مال ہے، آپؐ اس میں جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ، کما فی المشکوٰۃ ص۵۲۰)

ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا

صحیح بخاری ص۱۸۱ ج ۱ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار ہوگیا تو آپؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا (جو وہیں موجود تھا اس کا مقصد مشورہ لینا تھا) اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

بات مان لو، لہذا اُس نے اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے الحمد للہ الذی انقذہ من النار۔ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اسے آتشِ دوزخ سے بچالیا)

جو یہودی عہدِ نبوت میں مسلمان ہوگئے تھے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے وہ تو توریت شریف سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا ہی کرتے تھے ان کے بعد علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے، جن کو تابعیت کا شرف نصیب ہوا وہ بھی توریت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا کرتے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہودی یہ جاننے کے باوجود کہ آپ نبی ہیں (اور علامات پوری اتر رہی ہیں، جو نبی آخرالزماں کے بارے میں انہیں معلوم تھیں) منکر ہوگئے اور آپ کو نبی، رسول ماننے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ ان کو اوس اور خزرج کے لوگوں نے توجہ دلائی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو، تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آئیں گے اور ہم اُن کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے اور تم ان کی صفات بیان کرتے تھے۔ اب کیوں منکر ہو رہے ہو۔ لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سُنی۔ (سیرۃ ابن ہشام اوائل المجلد الثانی) —— اور بجز چند آدمیوں کے یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور طرح طرح کی باتیں بناتے رہے اور کٹ حجتی پر اُتر آئے۔ حسد اور دشمنی پر کمر باندھ لی، اسلام اور داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ آج تک اُن کے سارے قبیلوں اور خاندانوں کا یہی حال ہے۔

مُنافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں سے بھی واسطہ پڑا اور جن لوگوں نے منافقت اختیار کی تھی اُن سے بھی نمٹنا پڑا، ذیل میں منافقین کا تعارف، ان کی شرارتیں اور حرکتیں بیان کی جاتی ہیں۔ دنیا کے طالب اصل دنیا ہی کو سمجھتے ہیں، اُسی کے لئے جیتے ہیں اسی کے لئے مرتے ہیں، دنیا، جاہ اور مال کا نام ہے، جن لوگوں کو حق اور حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا صرف دنیا ہی محبوب ہوتی ہے، ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (۸، ۹، ۱۰)

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں، وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے، ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے ان کا روگ بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اِس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور دینِ اسلام خوب پھیلنے لگا تو یہودیوں اور خاص کر ان کے علماء اور احبار کو یہ بات زیادہ کھلی اور یہ لوگ دشمنی پر اُتر آئے کچھ لوگ اوس اور خزرج میں سے بھی اسلام کے مخالف ہوگئے۔ اسلام کی اشاعت عام ہو جانے کے بعد

کھل کر یہ لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دشمنی کے اظہار سے بھی عاجز تھے اس لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا، اندر سے کافر تھے اور ظاہر میں مسلمان تھے۔

ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے اوس اور خزرج نے عبداللہ بن اُبی کو اپنا بادشاہ بنانے اور اُس کو تاج پہنانے کا مشورہ کیا تھا، سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی کی سرداری نہیں چل سکتی تھی اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرا دیا اور اندر سے اسلام کی جڑیں کاٹنے میں لگے رہے۔ ان کے اس طریقۂ کار میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر جو منافع ہیں وہ بھی ملتے رہیں اور کنبے اور قبیلے سے باہر بھی نہ ہوں اور اہلِ کفر سے بھی گٹھ جوڑ رہے اور ان سے بھی فائدہ ملتا رہے۔

اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر العیاذ باللہ اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور بقاء زیادہ دیر تک نہ رہے تو حسب سابق پھر سرداری مل جائے گی لہذا اوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر رہے، اسلام اور اہلِ اسلام کی ناکامی کے انتظار میں رہنے لگے، مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں اور اس طرح سے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے تھے اور خالص کافروں سے تنہائیوں میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ دل سے نمازی نہ تھے اس لئے جماعتوں کی حاضری میں سستی کرتے تھے اور الکساتے ہوئے اوپر کے دل سے نماز پڑھتے تھے، جہادوں میں بھی شریک ہونے کے لئے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن کبھی تو درمیان سے واپس آ گئے اور کبھی ساتھ رہتے ہوئے ہی مکر و فریب کو کام میں لاتے رہے، حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور دل دکھانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے، جھوٹی

قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام کے خلاف منصوبے بنا کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والی باتیں کر کے صاف انکار کر جاتے تھے اور قسم کھا جاتے تھے کہ ہم نے تو نہیں کہا۔ ان لوگوں کے حالات سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع اور سورہ نساء کے رکوع ۲۱ میں اور سورۂ منافقون میں اور سورہ حشر میں بیان کئے گئے ہیں اور سورۂ برائت میں خوب زیادہ ان کی قلعی کھولی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں کہ یہ کون تھے اور کس قبیلہ سے تھے۔ البدایہ والنہایہ اوائل المغازی ص۳۳۶ ج ۳ تا ص۳۴۰ میں یہودی علماء۔ اور احبار جنہوں نے اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اختیار کی اور خوب زیادہ دشمنی میں لگ گئے اُن کے نام اور اُن لوگوں کے نام جو یہودیوں اور اوس و خزرج میں سے منافق بنے ہوئے تھے، واضح طور پر ذکر کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرماتے رہے اور ان کی ایذاؤں کو سہتے رہے آپ احسن اسلوب سے اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور دین اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس میں جہاں یہ حکمت تھی کہ شاید یہ لوگ مخلص مسلمان ہو جائیں وہاں یہ بھی مصلحت تھی کہ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو عرب کے دوسرے قبائل جو مسلمان نہیں ہوئے ہیں اور انھیں صحیح صورتِ حال معلوم نہیں وہ اسلام کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہو جائیں گے۔ اور شیطان ان کو یہ سجھائے گا کہ دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ماننے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی ـــــ کے ساتھ مسجدِ نبوی سے نکال دئے گئے۔ جس کی تفصیل سیرت ابن ہشام (جلد ثانی کے اوائل) میں مذکور ہے۔ مذکورہ آیات میں اور ان کے بعد والی چند آیتوں میں منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر بھی ایمان لائے پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے ایمان فعلِ قلب ہے، صرف زبانی دعویٰ سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو گا۔

جب تک ان چیزوں کی تصدیق نہ کرے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس وقت تک کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ منافقین کے اسی دوغلے پن کو سورۂ مائدہ میں اس طرح بیان فرمایا :

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (۴۱)

ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے

اس دورنگی اور دوغلے پن کو قرآن و حدیث میں نفاق اور منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو منافق فرمایا گیا ہے۔

یہ کلمہ لفظ "نفق" سے ماخوذ ہے۔ نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ منافقین اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتے ہیں اس لئے ان کے اس عمل کا نام نفاق رکھا گیا۔ مفردات امام راغب میں ہے :

ومنه النفاق وهو الدخول فى الشرع من باب والخروج عنه من باب وعلى ذلك نبه بقوله : اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ، اى الخارجون من الشرع۔ (۵۰۲) تحت المادة "نفق"۔

منافقت کفر کی بدترین اور خبیث ترین قسم ہے۔ اس میں کفر بھی ہے، جھوٹ بھی ہے، دھوکہ دہی بھی ہے، ایسے لوگ صرف بندوں ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق بناتے ہیں اور جو کھلے کافر ہیں ان کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ کسی میں سے نہیں۔ جس کو سورۂ نساء میں یوں بیان فرمایا ہے :

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى

یہ لوگ ایمان اور کفر کے درمیان مذبذب

هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (۱۴۳) ہیں، نہ اِن کی طرف ہیں اور نہ اُن کی طرف
وجہ اس کی یہ ہے کہ منافق کسی کا نہیں ہوتا، وہ صرف اپنا ہوتا ہے۔
جتنے وقت تک ضرورت محسوس کرتا ہے ساتھ رہتا ہے پھر الگ ہو جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان ایک بکری ہے وہ گابھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے، کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص۱۷)

چونکہ منافقین کی حرکتِ بد کا وبال انہیں پر پڑنے والا ہے اس لئے فرمایا
وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (البقرۃ:۹) وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں

سورہ نساء میں منافقین کی نماز کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا
وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۔ (۱۴۲) اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔
جس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے تو نماز کی کیا اہمیت ہوتی لیکن چونکہ ظاہراً یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے ظاہر داری کے طور نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور چونکہ نماز کی اہمیت اور ضرورت ان کے دلوں میں اُتری ہوئی نہیں ہے اس لئے سستی کے ساتھ اَلکساتے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں، مؤمن ہوتے تو اچھی نماز پڑھتے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے لیکن وہاں تو مسلمانوں کو دکھانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری طرح سے نمازی ہیں تاکہ اسلام سے جو ظاہری دنیاوی منافع حاصل ہوتے ہیں ان سے محروم نہ ہوں۔ اللہ سے ثواب لینا مقصود ہو تو اچھی نماز پڑھیں۔ دکھاوے کے لئے جو عمل کیا جائے وہ اور طرح کا ہوتا ہے، اس میں خوبی اور عمدگی اختیار نہیں کی جاتی
ان کی ریاکاری کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:
يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ وہ لوگوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ کو یاد

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (النساء: ۱۴۲) نہیں کرتے مگر تھوڑا سا۔

یعنی محض نماز کی صورت بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جائے اور مسلمان سمجھیں کہ یہ بھی مسلمان ہیں۔

منافقوں کی دوسری حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ کہ وہ اس کے درمیان ادھر لٹکے ہوئے ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ذلك مجموعہ ایمان وکفر کی طرف اشارہ ہے جس پر مؤمنین اور کافرین کے ذکر سے دلالت ہو رہی ہے پھر فرماتے ہیں کہ مؤمنین اور کافرین کی طرف اشارہ مانا جائے تو یہ بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عالم حیرانی میں تردد میں پڑے ہوئے ہیں شیطان نے ان کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

پھر امام راغب سے التذبذب کا معنی نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: صوت الحركة للشئ المعلق ثم استعير لكل اضطراب وحركة او تردد بين الشيئين۔ یعنی ذبذبۃ اس آواز کو کہا جاتا ہے جو کسی لٹکی ہوئی چیز سے نکل رہی ہو، پھر بطور استعارہ ہر اضطراب اور ہر حرکت کے لئے یا دو چیزوں کے درمیان اپنی حالتِ ظاہرہ کے اعتبار سے متردد ہونے کے لئے استعمال کر لیا گیا۔ منافقین کفر وایمان کے درمیان اپنی حالتِ ظاہرہ کے اعتبار سے متردد ہیں۔ ورنہ حقیقت میں تو کافر ہی ہیں۔

مزید فرمایا: لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ یعنی منافقین بظاہر دونوں طرف ہیں مسلمانوں سے بھی ملتے ہیں اور کافروں سے بھی۔ اور ہر ایک کے ساتھ اپنی محبت اور دوستی ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں نہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف۔ جو لوگ منافق ہوتے ہیں اپنے خیال میں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے چالاک ہیں دیکھو دونوں جماعتوں کو اپنا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو کوئی جماعت بھی اپنا نہیں سمجھتی۔ منافق کا کردار خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائے کسی فریق کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مثل المنافق

كالشاة العائرة بين الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة

(رواه مسلم عن ابن عمرؓ)

یعنی منافق کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بکری دو ریوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے وہ بکری مراد ہے جو گابھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ میں اپنے لئے نر تلاش کرتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ میں (ذکرہ القاری فی المرقاۃ)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز میں سستی کرنا الکساتے ہوئے نماز کے لئے اٹھنا بد دلی سے نماز کے افعال ادا کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ اہل ایمان کو چاہیئے کہ کہ خوب خوشی اور بشاشت اور نشاط کے ساتھ نماز پڑھیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زردی آجاتی ہے اور وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے ان میں اللہ کو یاد نہیں کرتا مگر تھوڑا سا۔

(رواہ مسلم)

چار ٹھونگیں مارنے کا مطلب ہے کہ لپ جھپ سجدہ کرتا ہے، سر رکھا بھی نہیں کہ اٹھا لیا جیسا کہ مرغا جلدی جلدی ٹھونگیں مار کر دانہ اٹھاتا ہے۔ اور شیطان کے سینگوں کے درمیان سورج کے ہونے کا مطلب ہے کہ سورج جب چھپتا اور نکلتا ہے تو شیطان ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جو سورج کے اور اس کے دیکھنے والوں کے درمیان ہو وہاں کھڑے ہو کر سر ہلاتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو سورج کی شعاعوں کی جگمگاہٹ معلوم ہوتی ہے، وہ یہ حرکت اس لئے کرتا ہے کہ سورج کی پرستش کرنے والے اس وقت اس کی عبادت کریں۔

چونکہ منافقین مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے تھے نماز کی فرضیت اور فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کا یقین نہیں تھا اس لئے بُرے دل سے

نمازوں میں حاضر ہوجاتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں! پھر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، آپنے فرمایا بلاشبہ یہ دو نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہوجاتا کہ ان میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان نمازوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا۔ (رواہ ابوداوٗد والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص۹۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے (یعنی جماعت میں غیر حاضر ہونیوالوں میں سے) کسی کو پتہ چل جائے کہ اُسے ایک چکنی ہڈّی مل جائے گی یا بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز کے لئے حاضر ہوجاتے۔ (رواہ البخاری)

طالبِ دنیا کو ذراسی دنیا بھی مل جائے تو تکلیف اٹھانے اور نیند قربان کرنے کو حاضر ہوجاتا ہے اور جسے اعمالِ صالحہ پر اجر و ثواب ملنے کا یقین نہیں وہ اپنے نفس کو اجر والے عمل کے لئے آمادہ نہیں کرسکتا۔ اس بات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بکری کے کھر کی مثال دے کر واضح فرمایا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نماز اور جماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ منافقوں کو بھی اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے نماز پڑھنی پڑتی تھی۔ جب دینی فضا بن جاتی ہے تو جو اپنے دل سے دین دار نہ ہو اُسے بھی مجبورًا دینداروں کے گھسٹنا پڑتا ہے اور یہی حال بدعملی اور بے دینی کا ہے۔ جب بدعملی اور بے دینی کی فضا ہوتی ہے تو اچھے جذبات والا آدمی بھی بے عملوں اور بے دینوں کے طور طریق اختیار کرلیتا ہے۔

جس فساد میں یہ لوگ مبتلا تھے اس میں کئی طرح سے حصہ لیتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنے کھڑے کرتے تھے اور دشمنانِ اسلام کو لڑائیوں پر آمادہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے بھید دشمنوں تک پہنچاتے تھے۔ اور جو لوگ

مسلمان ہونے کا ارادہ کرتے اُن کو اسلام سے روکنے کا سبب بنتے تھے۔ اور مسلمانوں کا مذاق بناتے تھے۔ منافقین اپنے اس عمل کو چال بازی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اللہ تعالیٰ، اور مؤمنین کو دھوکہ دیا اور اپنا کام نکالا۔ حالانکہ اس دھوکہ دہی اور چال بازی کا بُرا انجام خود انہی کے سامنے آئے گا۔ اور یہ چال بازی انہیں کے لئے وبالِ جان بنے گی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے اصل نفع اور نقصان تک کو نہیں سمجھتے۔

نفاق کا مرض بہت پُرانا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ زمانۂ نبوّت کے منافقین اس مرض میں مبتلا تھے جیسے جیسے اسلام آگے بڑھتا گیا منافقوں کا نفاق بھی بڑھتا رہا، مرضِ نفاق، حسد اور حُبِّ دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے دنیا میں ایسا شخص ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں منافق کے لئے سخت سزا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ
وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ
يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ
اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ o مُّذَبْذَبِيْنَ
بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ
وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
سَبِيْلًا o يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ

بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور
حال یہ ہے کہ اللہ اُن کی دھوکہ بازی کی
ان کو سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کو
کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ
کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں
اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا ادھر
میں لٹکے ہوئے ہیں اس کے درمیان، نہ ان
لوگوں کی طرف، نہ ان لوگوں کی طرف، اور
جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے تو ہرگز کوئی
راستہ نہ پائے گا۔ اے ایمان والو! مؤمنوں
کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم یہ
چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت

عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ
النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَ
اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ
لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط
وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ
بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ
وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

(النساء : ١٤٢ تا ١٤٧)

قائم کرلو، بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا اور اپنا دین اللہ کے لئے خالص کردیا تو یہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گذار بنو اور ایمان لاؤ اور اللہ قدر دان ہے جاننے والا ہے۔

ان آیات میں منافقین کے کردار پر مزید روشنی ڈالی ہے اور اُن کا طور طریق بتایا ہے۔ پھر اُن کا وہ مقام بتایا ہے جہاں انہیں دوزخ میں جانا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ پر پختہ بھروسہ کرلیں اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کرلیں تو یہ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی راہ ہر وقت کھلی ہوئی ہے۔ شروع میں ارشاد فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں فرمایا يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (کہ وہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں) مسلمانوں سے جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں، اندر سے مؤمن نہیں ہیں اور پھر انہیں نعمتوں اور برکتوں کے آرزومند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ گویا ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان سے منحرف ہونا اللہ کو معلوم ہی نہیں۔

پھر فرمایا وَهُوَ خَادِعُهُمْ (اللہ ان کے دھوکے کی ان کو سزا دینے والا ہے) لفظ وھو خادعھم علی سبیل المشاکلہ فرمایا ہے۔

آج بے دینی اور بے عملی کی فضا ہے، بے نمازی بغیر کسی شرم وحیا کے دینداروں میں گھل مل کر رہتے ہیں اور اپنا کوئی قصور محسوس نہیں کرتے، انہیں ایک نماز چھوٹنے کا ذرا بھی ملال نہیں ہوتا۔ اگر دوبارہ دینی فضا بن جائے تو پھر وہی عمل کی فضا لوٹ آئے جو زمانۂ نبوت میں تھی۔

پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ) کافر منافق ہوں یا دوسرے عام کافر ہوں، ان کو دوست بنانا اور اہل ایمان کو چھوڑ دینا منافقوں کا طریقہ ہے تم اسے اختیار نہ کرو اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریحہ قائم کرلو) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا اس چیز کو اختیار کرکے اپنے کو مجرم اور مستحق عذاب بنانے کے لئے اپنے عمل سے اپنے اوپر کیوں حجت قائم کرتے ہو۔

اس کے بعد منافقین کا عذاب ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافق دوزخ میں سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے صاحب روح المعانی (ص ۱۷۷ ج ۵) لکھتے ہیں کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں پہلے طبقے کا نام جہنم اور دوسرے کا لظیٰ اور تیسرے کا حطمہ اور چوتھے کا سعیر اور پانچویں کا سقر اور چھٹے کا جحیم اور ساتویں کا ھاویہ ہے اور کبھی کبھی ان سب کے مجموعے کو النار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان طبقات کو درکات اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ متدارکہ ہیں یعنی ایک دوسرے کے نیچے ہیں۔ درک اور درج میں یہ فرق ہے کہ اوپر سے آئیں تو ہر طبقے کو درک سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے سے اوپر کو جائیں تو ہر طبقے کو درج سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ منافق کو بنسبت دوسرے کافروں کے سخت عذاب اس لئے ہوگا کہ اس نے کفر کے ساتھ مزید اس بات کو اختیار کرلیا کہ اسلام کا مذاق اڑایا اور اہل اسلام کو دھوکہ دیا۔

مزید فرمایا وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا کہ اے مخاطب منافقوں کے لئے تو کوئی مددگار نہ پائے گا جو انہیں عذاب سے نکال دے یا ان کا عذاب ہلکا کر دے۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے نفاق سے توبہ کی وَاَصْلَحُوْا اور اپنی نیتوں کو درست کرلیا اور نفاق کی حالت میں جو بگاڑ کیا تھا اس کو درست کردیا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا، (یعنی اپنی تدبیروں پر اور کافروں سے تعلق رکھنے پر جو بھروسہ تھا اس کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور توکل اختیار کیا) وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا (یعنی اسلام کو سچے دل سے قبول کیا جس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو لوگوں کو دکھانا مقصود نہ ہو اور یہ غرض سامنے نہ ہو کہ مسلمانوں کے سامنے اظہارِ اسلام کر کے مسلمانوں سے منافع حاصل کرتے رہیں گے اور ان سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے بچتے رہیں گے) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ یہ لوگ مخلص مؤمنین کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں ہوں گے وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (عنقریب اللہ مؤمنین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا)

نصاریٰ کا قبولِ حق سے انکار اور باطل پر اصرار

نصاریٰ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ یہ بات کابرًا عن کابر، سلفًا عن خلفٍ ان میں معروف اور مشہور تھی کہ آخری نبی تشریف لانے والے ہیں اسی لئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آخری پادری نے بتایا کہ اب میرے خیال میں کوئی صحیح دین پر نہیں ہے تم آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرو۔ اسی نصیحت کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ پہنچے اور آپ کی آمد کا انتظار کرتے رہے، جب آپ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو حاضرِ خدمت ہوئے جو نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ آپ کی ذات مبارک میں موجود پائیں اور اسلام

قبول کر لیا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو عمری میں چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں بعض راہبوں نے آپ کو پہچان لیا اور بتایا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کا انتظار ہے۔

ہرقل (قیصرِ روم) نے بھی یہ مان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا ذکر صحیح بخاری ج ۱ ص۳ باب بدء الوحی میں موجود ہے۔ جانتے پہچانتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے کیا۔ دورِ حاضر کے نصاریٰ کی ڈھٹائی دیکھو کہ موجودہ بائیبل میں (جو پہلے سے بھی محرّف ہے) جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئی پائی تو اس کی تحریف پر اتر آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل کو توحید ہی کی تعلیم دی تھی اور یہی بتایا اور سمجھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا معبود ہیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، اسی ہی کی عبادت کرو لیکن ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے ماننے والوں نے بُرے بُرے عقیدے تراش لئے، ان کے بعض فرقوں نے آپ کے بارے میں یہ عقیدہ گڑھ لیا کہ آپ ہی کی ذات اللہ ہے، اور ان میں بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ عیسیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔

قرآن مجید میں اُن کے اِن دعووں کی تردید فرمائی ہے اور جگہ جگہ ان کی گمراہی پر مطلع فرمایا ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ	اور (عیسیٰ نے کہا) تاکہ میں اپنے سے پہلے والی کتاب تورات کی تصدیق کروں اور تاکہ تم پر بعض حرام کی ہوئی کچھ چیزوں کو حلال کر دوں اور تمہارے رب کے پاس سے نشانی لے کر آیا ہوں، تو اللہ سے ڈرو

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (آل عمران - ۵۰ - ۵۱)

اور میری اطاعت کرو، اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی، تو اسی کی اطاعت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

اور سورہ زخرف میں فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (زخرف ۶۳ - ۶۴)

اور جب عیسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آیا اور کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور اس لئے آیا ہوں کہ تم جن باتوں میں جھگڑتے ہو انھیں واضح کردوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، اس لئے اسی کی عبادت کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے جب بنی اسرائیل نے دریافت کیا کہ بلا شوہر کے یہ بچہ کہاں سے آیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں خود ہی جواب دیدیا، جو سورہ مریم میں مذکور ہے۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ

وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس

الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ○
مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ
وَلَدٍ سُبْحٰنَهُ إِذَا قَضٰى
أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ ○ وَإِنَّ اللّٰهَ
رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○
فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ
فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○
(٣٠ تا ٣٧)

دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم، ہم نے سچی بات کہی ہے جس میں وہ لوگ شک کر رہے ہیں یہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور بیشک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اسی لئے اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے پھر جماعتوں نے آپس میں اختلاف کر لیا سو بڑے دن کی حاضری کے موقعہ پر ان لوگوں کی بڑی خرابی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا۔

سورۃ التوبہ میں فرمایا:

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ
ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا
لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا لَا إِلٰهَ
إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ (٣١)

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

سورۃ الصف میں فرمایا:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِي إِسْرَآئِيلَ
إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَ
مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ
بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا

اور جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے لئے خدا کا رسول ہوں اور اپنے سے قبل کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے اور جس کا نام احمد ہے

جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (۶)

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ
الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا
اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ لَقَدْ
كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ
ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ
كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ
نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ
اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ

توجب وہ رسول ان کے پاس بیّنات لیکر
آیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے

انہوں نے کفر ہی کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ
مسیح بن مریم ہے، حالانکہ مسیح نے بنی
اسرائیل سے کہا کہ تم اس اللہ کی عبادت
کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، جو بھی
اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے تو وہ اس پر جنت
کو حرام کردیگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور
ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، ان لوگوں
نے بھی کفر کیا جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا
تیسرا ہے حالانکہ خدائے واحد کے سوا کوئی
خدا نہیں اور اگر وہ اپنے کہنے سے باز نہیں
آتے تو ان کے کفر کرنے والوں کو ضرور
دردناک عذاب پکڑے گا، وہ اللہ سے توبہ
اور معافی کیوں نہیں چاہتے، اللہ تو بڑا غفور
رحیم ہے، مسیح بن مریم تو ایک رسول ہیں
ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں ان کی
ماں بھی صداقت شعار تھیں وہ دونوں
(عام انسانوں ہی طرح) کھانا کھاتے تھے،
آپ دیکھئے ہم ان کے لئے کس طرح آیات
کی وضاحت کرتے ہیں، دیکھئے کہ وہ کس
طرح الٹے پاؤں پھرے جاتے ہیں، آپ

الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

(المائدہ، ۷۶ - ۷۷)

کہئے کہ کیا تم خدا کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں اور اللہ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور گمراہ قوم کا اتباع نہ کرو جنہوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا ہے اور وہ سیدھے راستے سے بہک گئے۔

اوپر متعدد آیاتِ کریمہ مع ترجمہ نقل کی گئی ہیں جو حضرت مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور ان کی نبوت و رسالت اور ان کے لائے ہوئے دین توحید کو اور ان کی والدہ کی سچائی اور پاکبازی کو بیان کر رہی ہیں۔ غور سے پڑھا جائے تو ان سے یہ باتیں واضح طریقے پر سامنے آجاتی ہیں :

(۱) حضرت عیسٰی علیہ السلام مسیح ابن مریم تھے، نام عیسٰی تھا (جسے موجودہ انجیلوں میں یسوع سے تعبیر کیا ہے) اور مسیح ان کا لقب تھا (کیونکہ نابینا اور برص والے پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا)۔

(۲) ان کا کوئی باپ نہیں تھا اسی لئے بار بار ماں کی طرف نسبت کی گئی ہے اور جب ان کی والدہ مریم پیدائش کے بعد ان کو گود میں لے کر آئیں تو لوگوں نے ان پر تہمت دھری اور کہا یہ بچہ کہاں سے آیا ______________

انہوں نے اشارے سے جواب دیا کہ اسی بچہ سے پوچھو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فوراً پہلا لفظ جو زبان سے نکالا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ (میں اللہ کا بندہ ہوں) یوں نہیں کہا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں اور نہ یوں کہا کہ میں بھی معبود ہوں اور اپنی صفات اور اعمال اور اللہ تعالیٰ نے جو کام ان کے ذمے لگایا، ان کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا اور والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا

(غور کیا جائے بَرًّا بِوَالِدَتِی فرمایا بَرًّا بِوَالِدَیْہِ نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے تذکرہ میں بَرًّا بِوَالِدَیْہِ فرمایا۔ قرآن مجید کی تصریح کے خلاف بعض فرقے زبردستی مخلوق ہیں ان کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ ہم دینِ مسیحی پر ہیں، اپنی طرف سے عقیدہ تراش کر کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے (العیاذ باللہ)

(۳) حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

(۴) حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دیگا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(۵) حضرت عیسٰی علیہ السلام نے واضح طور پر توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے کہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے لیکن جو لوگ ان کی طرف نسبت رکھتے ہیں ان میں بعض جماعتوں نے تو یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے اور ان میں سے دوسرے فریق نے کہا کہ تین معبود ہیں: اللہ تعالیٰ، مسیحؑ اور ان کی والدہ مریمؑ دونوں جماعتوں کے بارے میں فرمایا کہ کافر ہیں۔

(۶) مسیح ابن مریم کے بارے میں فرمایا کہ وہ صرف اللہ کے رسول ہیں ان کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ ان کو معبود بنا لیا جائے۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں ان کی والدہ سچی تھی دونوں ماں بیٹے کھانا کھاتے تھے (جسے کھانے کی حاجت ہو وہ کیسے معبود بن سکتا ہے)

(۷) حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بعض چیزیں حرام تھیں بحکم الٰہی اس کو حلال قرار دیا اور شریعتِ موسویہ کے بارے میں جو بنی اسرائیل میں اختلافات تھے ان کو رفع کرنا اور صحیح صورت حال بیان کرنا بھی ان کے منصب میں داخل

تھا۔ انجیل متی میں اب تک موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھروں کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا (متی باب ۱۰ نمبر ۶) اور یہ بھی فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔
(متی باب ۱۵ - ۲۵)

اب نصاریٰ کو دیکھ لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور انجیل کی دل کھول کر کیسی مخالفت کرتے ہیں، بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے پاس تو جاتے نہیں اور دنیا بھر میں مشن قائم کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کھرچنے کی کوشش کرتے ہیں، مال اور عورت کا لالچ دے کر اپنی طرف کھینچتے ہیں، کسی دین کے باطل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ دنیا کا لالچ دے کر اس کی دعوت دی جائے، جن لوگوں کے پاس حق نہ ہوگا تو وہ باطل ہی کو لئے پھریں گے۔

(۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی جب آپ تشریف لے آئے تو نصاریٰ نے بھی آپ کی مخالفت کی اور آپ پر ایمان نہ لائے۔ آپ کے زمانہ میں نصاریٰ میں سے چند ہی افراد نے اسلام قبول کیا۔

نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ

سو جو شخص اُن کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آگیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلالو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلالیں اپنی عورتوں کو اور تم بلالو اپنی

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ (۶۱، ۶۲، ۶۳)

عورتوں کو اور ہم حاضر کر دیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لیکر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیجدیں جھوٹوں پر بلاشبہ یہ سچی بات ہے اور کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے، اللہ جل شانہ نے انسانوں کی عام تخلیق کا سبب والدین کے ملاپ کو بنایا ہے اور یہ سلسلہ سب کے سامنے ہے، عادت مستمرہ ہے اس لئے اس میں کسی کو تعجب نہیں ہوتا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے اور حضرت حوا کو بغیر ماں کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، اگر توالد اور تناسل کا موجودہ سلسلہ نہ ہوتا تو عورت مرد کے ملاپ سے پیدا ہونے ہی کو لوگ تعجب کی بات سمجھتے۔ حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ نجران کے دو راہب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان پر اسلام پیش فرمایا انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ سے پہلے مسلم ہیں آپ نے فرمایا تم دونوں جھوٹے ہو، اسلام سے تم کو تین چیزیں روکتی ہیں: صلیب کی عبادت اور خنزیر کا کھانا اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا۔ کہنے لگے عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ آپ جواب دینے میں جلدی نہیں فرماتے تھے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ مل جائے۔ اللہ جل شانہ نے آیت اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۵۹)

نازل فرمادی جس میں ان کا جواب مذکور ہے۔

اللہ جل شانہ، نے اپنے نبیؐ سے فرمایا فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (الآیہ) اس میں دعوتِ مباہلہ کا ذکر ہے۔ مفسر ابن کثیرؒ نے ص۴۳۸ ج ۱ میں محمد بن اسحٰق بن یسار سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا ان میں سے ایک شخص کو سیّد کہتے تھے جس کا نام ایہم تھا اور ایک شخص ابو حارثہ تھا اور بھی لوگ تھے اُن میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا اسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سیّد اُن کا عالم تھا، ان کی مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابو حارثہ ان کا پوپ تھا جو ان کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا بنی بکر بن وائل کے قبیلے سے تھا اور عرب تھا لیکن نصرانی ہو گیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی اس کے لئے گرجا گھر بنا دیئے اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا علم تھا، کتبِ سابقہ میں آپ کی صفات مذکور ہیں اُن سے واقف تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مُصر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت وجاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے اور مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے ان لوگوں نے بہت بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوب صورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں ان کی اپنی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے مسجدِ نبوی ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابو حارثہ عاقب اور سیّد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور وہی اپنی شرکیہ باتیں پیش کرنے لگے، کسی نے کہا عیسیٰ اللہ ہے کسی نے کہا ولد اللہ ہے، کسی نے کہا ثالث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسیٰ ہے، ایک

اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے) ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کے شروع سے لے کر اسی سے کچھ اوپر آیات نازل فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحی نازل ہوگئی اور اُن سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہوگیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی ۔

مباہلہ کا طریقہ

دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آجاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہوجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں فریق مل کر خوب سچے دل سے دعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہوجائے، جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں مہلت دیجئے ہم غور و فکر کر کے حاضر ہوں گے ۔

نصاریٰ کا مباہلہ سے فرار

جب آپ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبد المسیح سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمد نبیِ مرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (حضرت عیسیٰؑ) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جس کسی قوم نے کسی نبی سے کوئی مباہلہ کیا ہے تو کوئی چھوٹا بڑا اُن میں باقی نہ رہا۔ اگر تمہیں اپنا بیج ناس کھونا ہے تو مباہلہ کرلو، اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کرلو اور اپنے شہروں کو واپس ہوجاؤ۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ بالا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ آخر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک مہلت مانگی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ پہلے سے

حضرت حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسنؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لا چکے تھے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے تشریف لا رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کے پیچھے تھے آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا، یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ضرور ہٹا دے گا لہٰذا تم مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سُن کر کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول کرو، اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ بس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں جنگ کی طاقت نہیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

نصاریٰ نجران سے مال لینے پر صلح

اور وہ یہ کہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑوں کے پیش کیا کریں گے، ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں۔ آپ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہل نجران پر عذاب منڈلا رہا تھا، اگر وہ مباہلہ کر لیتے تو مسخ کر دئے جاتے، بندر اور خنزیر بنا دئے جاتے اور اُن کے سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے، یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۶۹ ج ۱ میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو تیار ہو رہے

تھے اگر مباہلہ کے لئے نکل آتے تو (میدانِ مباہلہ سے) اس حال میں واپس ہوتے کہ نہ مال پاتے، نہ اہل و عیال میں سے کسی کو پاتے۔ (اور خود بھی مر جاتے)

نصاریٰ مباہلہ کے لئے راضی نہ ہوئے اور اپنے باطل دین پر قائم رہے اور یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ ہے۔ حضرات علماء کرام نے بارہا مناظروں میں ان کو شکست دی ہے، ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی ہے، ان کے دین کو مصنوعی خود ساختہ دین بارہا ثابت کر چکے ہیں لیکن وہ اپنی دنیاوی اغراضِ سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌۢ بِالْمُفْسِدِينَ (کہ اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ تعالیٰ مفسدوں کو خوب جاننے والا ہے) یہ وعید اس وقت سے لے کر آج تک کے نصاریٰ کو اور آج کے بعد جو نصاریٰ حق سے اعراض کریں گے قیامت تک اُن سب کو شامل ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

(آل عمران: ۶۴)

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آجاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب نہ بنائے، سو اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیش گوئی

سورۃ الاعراف میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ(۱۵۷) کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، اصل انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر تو ہے ہی بہت سی تحریفات کے باوجود اب نصاریٰ کے پاس جو انجیل ہے اس میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے۔

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ہے کہ:

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وہ مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"

پھر باب ۱۶ میں ہے:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیجدوں گا۔"

پھر چند سطر کے بعد ہے:

"لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔"

پھر چند سطر کے بعد ان کی رفع الی السماء کی پیشین گوئی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

"اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لوگے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔" (یہ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی طرف اشارہ ہے)

پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ، دنیا میں مصیبتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو، میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔"

چونکہ عہد قدیم اور عہد جدید سب انہی لوگوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں اس لئے تحریف کرتے رہتے ہیں اور ترجموں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اصل کتاب پاس نہیں جس سے میلان کیا جائے اس لئے تحریف کرنے میں آزاد ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا باپ کہہ کر پکارا اور اسی عنوان سے ذکر کیا۔ یہ سب باتیں ان کی اپنی تراشیدہ عقیدۂ تثلیث اور تکفیر کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں، تم مجھے دوسرا معبود مانو (العیاذ باللہ) انہوں نے تو یہ فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (مریم: ۳۶)	بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے

ہم نے جو بائبل سے عبارتیں نقل کی ہیں ان پر حجت قائم کرنے کے لئے لکھ دی ہیں، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم نے ان کی تحریف کردہ کتاب کی تصدیق کر دی، ہاں ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کتاب ہے تحریفات سے پُر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے بہت سی باتیں کیں انہیں توحید کا سبق دیا انہیں شرعی احکام سکھلائے لیکن چند ہی لوگوں نے ان کی بات مانی جنہیں حواری کہا جاتا ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران: ۵۲)	پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

جو تھوڑے سے افراد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول کرلی تھی، آپ کے بعد کچھ عرصہ آپ کی طرف نسبت رکھنے والے آپ کے دین پر قائم رہے کچھ لوگ راہب بن گئے، جنگلوں میں رہتے رہے پھر سوائے شرک اور کفر اور دنیا داری کے نصرانیوں میں کچھ نہ رہا۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہیں

انجیل متی میں جو حضرت علیہ السلام کا کلام نقل کیا ہے اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ میں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں ان کی یہ بات انجیل متی میں بھی لکھی ہے جسے نصرانی پڑھتے پڑھاتے اور پھیلاتے ہیں تحریف وتبدیل کے باوجود اب تک اس میں یہ موجود ہے کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں نہ جانا بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کی طرف جانا۔
(انجیل متی باب ۱۰)

نیز یہ بھی فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی باب ۱۵)

یہ نصاریٰ نے جو دنیا بھر میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے دینِ شرک کو پھیلاتے ہیں اس میں اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں، جنہوں نے فرمایا تھا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں اور تم کسی اور شہر کی طرف نہ جانا۔

یہودی اپنی مکاریوں سے سیاستِ باطلہ میں نصاریٰ کو استعمال کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف غیر قوموں میں اور خاص کر مسلمانوں میں شرکیہ مذہب کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور مال کا لالچ دے کر اپنے شرکیہ دین کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دین حق پھیلانے کے لئے لالچ نہیں دیا جاتا، جو لوگ اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے دلیل سے عاجز ہیں وہ لوگ کھانے پینے کی چند چیزیں مفت تقسیم کر کے

غیر قوموں کو قابو کرتے ہیں پھر اپنا دین شرک سکھلاتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ۔

لفظ فارقلیط کے بارے میں ضروری وضاحت

ہم نے بلفظہ نصاریٰ کا اپنا کیا ہوا ترجمہ اور نقل کر دیا ہے

تینوں عبارتوں میں جو "مددگار" آیا ہے یہ لفظ "فارقلیط" کا ترجمہ کیا گیا ہے، جو انجیلوں کے پرانے ایڈیشنوں میں پایا جاتا تھا، اس لفظ کا ترجمہ "احمد" کے معنی کے قریب تر ہے، حضرت عیسٰی علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے آپ کے فرمان کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا، الفاظ بدل گئے لیکن مفہوم باقی رہا۔ جب نصاریٰ نے دیکھا کہ ان الفاظ سے ہم پر حجت قائم ہوتی ہے تو انہوں نے "فارقلیط" کا لفظ چھوڑ کر اس کی جگہ "مددگار" کا ترجمہ کر دیا۔ اصل لفظ پیرکلوطوس تھا جس کا معنی محمدؐ اور احمد کے قریب ہے۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ایک پیشینگوئی دوسرے الفاظ میں دی ہے جو انجیل یوحنا کے سولھویں باب میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے "لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ یہ پیشینگوئی پوری طرح سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے۔ یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں کی تحریف میں مہارت رکھتے ہیں انہوں نے لفظ پیرکلوطوس کا ترجمہ کبھی "مددگار" اور کبھی شافع کر دیا لیکن ان کی تغیّر اور تحریف سے اُن کو کفر پر جمے رہنے کے بارے میں کچھ فائدہ نہ پہنچا کیونکہ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احمد بھی تھے محمد بھی تھے اور اپنے صفات کے اعتبار سے معین اور مددگار بھی تھے اور روزِ محشر میں اہلِ ایمان کے شافع ہوں گے۔ پھر نصاریٰ سے یہ بھی سوال ہے کہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت کے مصداق نہیں ہیں تو کون شخص ہے جس کی انہوں نے بشارت دی تھی اگر کٹ حجتی کے طور پر کسی شخصیت کا نام جھوٹ موٹ پیش کر دیں تو ان سے یہ سوال ہے کہ اگر سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اس بشارت

کا مصداق ہوچکا تھا تو یہود و نصاریٰ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے کیوں منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہوگئی تو نصرانی بادشاہوں اور راہبوں نے اسی بشارت کے مطابق جو ان کے یہاں چلی آرہی تھی آپ کو کیوں اللہ کا رسول تسلیم کیا، شاہِ روم ہرقل اور ملک حبشہ کا قصہ مشہور ہی ہے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک راہب نے کہا تھا اب نبی آخر الزماں کا انتظار کرو، نجران کے نصاریٰ آئے وہ بھی قائل ہوکر چلے گئے اور یہ بھی سب پر واضح ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہود و نصاریٰ کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق کے لئے کسی شخص کی نہ تلاش ہے اور نہ انتظار ہے، مزید تشریح اور توضیح کے لئے "اظہار الحق" عربی از مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور اس کا اردو ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" کا مطالعہ کیا جائے۔

جھوٹے مدعی نبوت کی گمراہی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد جس نبی کے آنے کی خبر دی تھی اس کا نام احمد بتایا اور اس رسول کی بعثت ہوگئی جس کے بارے میں قرآن کریم نے بتا دیا کہ وہ خاتم النبیین ہے اور خود صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا انا خاتم النبیین لانبیّ بعدی لیکن غیر منقسم ہندوستان میں بعض جھوٹے مدعیانِ نبوت نے آیتِ شریفہ کا مصداق اپنے آپ کو بنا دیا اور آیت کے مضمون میں تحریف کر دی دعوائے نبوت سے بھی یہ شخص کافر ہوا۔ اور سورۃ الاحزاب کی آیت میں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا اس کی تحریف سے بھی کافر ہوا۔ اور سورۃ الصف میں جو احمد مجتبیٰ رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی اپنی ذات کو اس کا مصداق قرار دے کر بھی کفر در کفر کا مرتکب بن گیا۔ خود سورۃ الصف کی آیت میں آگے موجود ہے فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ٥ کہ جب وہ رسول آگیا جس کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے، اس میں ایک تو جَآءَ ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جب آیتِ کریمہ نازل ہوئی تھی اس وقت اس رسول کی بعثت ہو چکی تھی اور لوگوں نے کہا تھا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ جس کسی نے بھی احمد مجتبیٰ خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ایسے لوگوں کو جھوٹا بھی کہا گیا اور ان کے بارے میں دوسری باتیں بھی کہی گئیں لیکن جادوگر نہیں کہا گیا۔

جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے آپ کو نبی بتاتا ہے اور اپنے کو سورۃ صف کا مصداق بتاتا ہے اس کا جھوٹا ہونا آیتِ کریمہ کے الفاظ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ سے ظاہر ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ اس شخص کا نام احمد نہیں تھا، ہم نے اس کے نام سے تفسیر کو ملوث کرنا نہیں چاہا اس لئے نام ذکر نہیں کیا، سب جانتے ہیں وہ کون شخص ہیں۔

عقیدہ قتل اور عقیدۂ تکفیر کی تردید

جیسے جیسے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت آگے بڑھتی گئی اور آپ اپنے عہدۂ رسالت کے کام کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ افراد ان کے ساتھی ہوتے گئے بنی اسرائیل کی دشمنی تیز ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کی ٹھان لی اور طے کر لیا کہ انہیں ختم کر کے رہیں گے۔ اب بنی اسرائیل نے اپنی ایسی تدبیریں شروع کر دیں جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہید کر دئے جائیں اور اُن سے بنی اسرائیل کا چھٹکارہ ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تو ان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ جب قتل کرنے کے لئے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی صورت بنا دی اور ان کو اوپر اٹھا لیا (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص۴۹۶ ج ۱)۔ ان لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں ایک ہی شخص کو پایا اور اسے قتل کر دیا کیونکہ یہ شخص صورۃً حضرت عیسیٰؑ

کا ہم شکل تھا، لیکن اس سوچ بچار میں رہے کہ اگر یہ شخص وہی تھا جس کے قتل کرنے کے لئے ہم آئے تھے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ قتل تو اس کو کر دیا لیکن پھر بھی شک و شبہ میں رہے، اس کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ (۱۵۷)

اور انہوں نے نہ اُن کو قتل کیا نہ ان کو صلیب پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔

یہ اشتباہ کس طرح سے ہوا اس بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ایک جگہ قید کر دیا تھا آپ نے ان کے لئے بددعا کی لہٰذا وہ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے، جب یہ بات یہودیوں کے سردار کو پہنچی جس کا نام یہودا تھا اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ قتل کرنے کے لئے چلے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج دیا، جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ یہودیوں ہی کا ایک شخص قتل کرنے کے لئے اندر داخل ہوا، جس کا نام طیطانوس تھا وہاں ان کو موجود نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کے مشابہ بنا دی جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔

اور وہب بن منبہ سے یوں منقول ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستّر حواری تھے جو ایک گھر میں جمع تھے۔ قتل کرنے والے جب آئے اور گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر شخص عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر ہے یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا، تم میں عیسیٰ کون ہے وہ سامنے آجائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے یہ سُن کر حضرت علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں ایسا کون شخص ہے جو آج اپنی جان کو جنت کے بدلے میں بیچ دے اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں حاضر ہوں، لہٰذا وہ شخص باہر نکلا اور اس نے حاضرین سے کہا

میں عیسیٰ ہوں لہٰذا انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اوپر اٹھا لیا۔ قتادہ اور مجاہد وغیرہما کا بھی یہی قول ہے۔ ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں ایک شخص منافق تھا جب یہودیوں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس منافق نے کہا کہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں اور دس درہم کی اجرت بھی لے لی، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو آپ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے، منافق کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیسی صورت بنا دی گئی۔ لہٰذا ان لوگوں نے اندر داخل ہو کر اُسی کو قتل کر دیا۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ (روح المعانی ص۱۰ ج۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھا لیا اور کافروں کے ارادوں اور شرارتوں سے انہیں بچا لیا۔ بہرحال جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا ان کا اپنا آدمی قتل ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور اُن کی مکاری دھری کی دھری رہ گئی۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

مزید فرمایا

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (النساء: ۱۵۷)	اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ان کی جانب سے شک میں ہیں، ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اٹکل پر چلنے کے۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قتل کے دعویدار ہیں انہیں قتل کا یقین نہیں کیونکہ انہیں یہ تردد تھا کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کر دیا ہے تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور ہمارا آدمی مقتول ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔

پھر فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۢبَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ. (النساء: ۱۵۷) — اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ انہیں ابھی تک طبعی موت آئی ہے۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے آسمانِ دوم میں ملاقات کی پھر وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے، دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے۔ قرآن وحدیث کے موافق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جن لوگوں کو قرآن وحدیث ماننا نہیں ہے وہ اس کے خلاف باتیں کرکے اپنا ایمان کھوچکے ہیں۔

قتل کرنے کے درپے تو بنی اسرائیل ہوئے تھے وہ تو قتل نہ کرسکے لیکن جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا دینی رشتہ جوڑتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کرکے اپنے آپ کو مسیحی یا کرسچن کہتے ہیں ان لوگوں نے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کردیا گیا اور ان کا قتل ان کے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ بن گیا، جب سے نصاریٰ نے اس عقیدہ کو اپنایا ہے دنیا میں بڑھ چڑھ کر ہر قسم کے خوب گناہ کرتے ہیں، دوسری قومیں بھی ان کا دیکھا دیکھی خوب گنہگار بنتی ہیں۔ عیسائی لوگ اتوار کے دن چرچ میں جاکر اپنے گناہ معاف کرالیتے ہیں اور ہفتہ بھر خوب گناہ کرتے ہیں اور اب تو چرچ میں جانے کی بھی ضرورت نہیں تفریح گاہوں میں پادری پہنچ جاتے ہیں اور ڈھول باجے بجاکر حاضرین کو جمع کرکے لوگوں کے گناہ معاف کردیتے ہیں، گناہوں پر جسارت اور جرأت کرنے کے لئے یہ عقیدہ نکالا کہ اتوار کے دن چرچ میں سب کچھ معاف ہوجائے گا اور یہ ایسی موٹی بات ہے کہ جو نافرمانی خالقِ تعالیٰ شانہ کی ہوئی کوئی بندہ اسے کیسے معاف کرسکتا ہے؟

اور اس بات کا جواب بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کب

فرمایا اور کس سے فرمایا کہ تم مجھے قتل کردو اور میرے قتل کو میرے گناہوں کا کفارہ بنالو اس کا کون راوی ہے، انہوں نے کس سے فرمایا؟ ایسے خودساختہ عقیدوں کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اسی دین کی دعوت دیتے ہیں اور یہ عقیدہ لئے بیٹھے ہیں کہ جنت میں ہم ہی داخل ہوں گے جیسا کہ یہودیوں کا بھی اپنے بارے میں یہی خیال ہے۔ قرآن مجید میں صاف فرمادیا۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ (کہ ان کی یہ آرزوئیں ہیں) اور فرمایا: قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرۃ: ۱۱۱) کہ اے محمدؐ آپ ان سے صاف فرما دیجئے کہ اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو)

قیامت کے دن سوال و جواب

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (المائدۃ: ۱۱۶، ۱۱۷)

جب اللہ کا سوال ہوگا کہ اے عیسٰی بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو؟ مسیح نے کہا پاک آپ کی ذات میری یہ جرأت نہیں کہ میں وہ کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسا کہا ہے تو آپ اسے جانتے ہوں گے، آپ میرے جی کا حال جانتے ہیں لیکن میں آپکے دل کا حال نہیں جانتا، آپ ہی غیبوں کے جاننے والے ہیں، میں نے ان سے وہی کہا جس کا آپنے مجھے حکم دیا تھا کہ اس خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں جب تک ان میں رہا اس کا گواہ رہا اور جب آپنے مجھے وفات دی تو آپ ہی ان پر نگراں تھے اور آپ ہر شے پر گواہ ہیں۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ

(آلِ عمران : ۱۴۰)

غزوۂ اُحُد

فتح اور شکست کی تفصیلات

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلّی

اور

لغزش ہو جانے پر معافی کا اعلان

غزوۂ اُحد کا تذکرہ

سورہ آل عمران میں فرمایا :

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ	اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں
الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ	کو قتال کرنے کے لئے مقامات بنا رہے تھے، اور اللہ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ	سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے
طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ	تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں، اور اللہ ان کا ولی تھا،
وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ	اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے ۔
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۲۱، ۱۲۲)	

سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا تھا۔ اس کے بعد آئندہ سال غزوۂ اُحد کا واقعہ سامنے آیا، اور وہ اس طرح کہ گذشتہ سال غزوۂ بدر میں جو مشرکین بُری طرح شکست کھا کر واپس ہوئے تھے انہیں انتقام لینے کا جوش آیا اور باہمی مشورہ کیا، ایک دوسرے کو ابھارا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے بدر میں ہم سے جنگ کی اور ہمیں شکست دی لہٰذا اب ہمیں اہل مدینہ پر چڑھائی کرنی چاہیئے اور بدلہ لینا چاہیئے۔ چنانچہ مکہ والے اپنی جماعت بنا کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے، ان کی تعداد تین ہزار تھی جو ابوسفیان کی قیادت میں نکلے تھے ابوسفیان نے اپنی بیوی ھند بنت عتبہ کو ساتھ لیا، عکرمہ بن ابوجہل بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ حارث بن ھشام اور صفوان بن اُمیہ بھی ہمراہ ہو گئے تھے، ان لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویاں ساتھ لی تھیں۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا اس نے غلام سے کہا کہ اگر تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہؓ کو قتل کر دے تو تُو آزاد ہے۔[1]

قریشِ مکہ نے اس موقعہ پر خوب زیادہ چندہ کیا اور قریش آپس میں مجتمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے مکہ معظمہ سے نکلے۔ قریشِ مکہ اپنے اموال اور فوج

---

[1] صحیح بخاری ، البدایۃ والنہایہ

اور سپاہ کو لیکر مدینہ منورہ پہنچے تو اُحد پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ کیا، آپ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے، باہر نہ نکلیں لیکن وہ مسلمان جو گذشتہ سال غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم شہر سے باہر نکلیں گے اور اُحد جا کر ہی اُن سے لڑیں گے، ان حضرات کا اندازہ تھا کہ جس طرح مسلمان سالِ گذشتہ بدر میں دشمن کے مقابلہ میں فتح یاب ہو چکے ہیں اس مرتبہ بھی ان شاء اللہ ضرور غالب ہوں گے۔ یہ حضرات برابر اصرار کرتے رہے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلنے پر آمادہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری فرمالی، زرہ پہن لی اور خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھ لی، آپ مشورہ کی وجہ سے آمادہ تو ہو گئے لیکن ہتھیار پہننے سے پہلے آپ نے فرما دیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ کے اندر ہوں جس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ اس سے مدینہ منورہ مراد ہے اور میں نے ایک خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار کچھ کُند ہو گئی، اس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ تمہارے اندر کچھ شکستگی ہو گی اور میں نے یہ بھی خواب دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جا رہا ہے اور وہ بھاگ رہا ہے۔ مطلب اس خواب کے بیان کرنے کا یہ بھی تھا کہ مدینہ منورہ ہی کے اندر رہنا چاہیئے اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو شکست ہو گی۔ بعد میں بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہماری تاریخ یہ ہے کہ جب کبھی اندر رہتے ہوئے جنگ لڑی ہے تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب کبھی باہر نکل کر جنگ کی ہے تو دشمن فتح یاب ہوا ہے۔ لہٰذا رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اندر ہی رہیں باہر نہ نکلیں جن حضرات نے خوب جماؤ کے ساتھ باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا بعد میں ان کو بھی ندامت ہوئی جب آپ کی خدمت میں دوسرا مشورہ پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ کی جیسی رائے ہو آپ اسی پر عمل فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سامانِ جنگ سے آراستہ ہو جائے اور دشمن کی طرف نکلنے کا حکم دیدے

تو وہ قتال کیے بغیر واپس ہو جائے، میں نے تم کو پہلے اس امر کی دعوت دی تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں لیکن تم لوگوں نے نہیں مانا، پس اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو جماؤ کے ساتھ جنگ کرنا۔ اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔[1]

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لیکر اُحد کی طرف تشریف لے چلے، اس وقت آپ کے ساتھ ایک ہزار کی نفری تھی اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی۔ اُحد جاتے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام کیا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول تین سو آدمیوں کو لیکر واپس چلا گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ عبداللہ بن اُبی جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہو گیا تو انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کی نیت بھی ڈاواں ڈول ہو گئی اور ان کے اندر بھی بزدلی کا اثر ہونے لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت دی اور یہ بھی لشکرِ اسلام کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اسی کو آیتِ بالا میں فرمایا:

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۲۲)

اور جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ ان کا ولی ہے اور اللہ پر بھروسہ کریں مؤمن بندے۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد کے دامن میں پہنچ گئے اور وہاں ایک گھاٹی میں نزول فرمایا آپ نے اور آپ کے لشکر نے اُحد کی طرف پُشت کر لی تاکہ اُحد پیچھے رہے اور دشمن سے اُحد کے سامنے میدان میں قتال کیا جا سکے، وہیں ایک پہاڑی پر پچاس صحابہؓ کو مقرر فرما دیا۔ اور ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جُبَیرؓ کو بنا دیا اور ان حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اسی پہاڑ پر ثابت قدم رہنا، فتح ہو یا شکست تم یہاں سے مت ٹلنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم کو پرندے بھی بوٹی بوٹی کر کے لے اُڑیں تب بھی اس جگہ سے نہ جانا، ان حضرات کا کام یہ تھا کہ دشمن کے لشکر کو مقررہ پہاڑی سے تیر مارتے رہیں تاکہ وہ

---

[1] البدایۃ والنہایہ

ان کی طرف سے گذرتے ہوئے لشکرِ اسلام پر حملہ نہ کردیں۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اور جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کی ترتیب دی اور ان کے ٹھکانے مقرر فرمائے، میمنہ اور میسرہ کی تعیین فرمائی جس کو آیتِ بالا میں اس طرح بیان فرمایا

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۔ (آل عمران: ۱۲۱) اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مقامات بتا رہے تھے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتح یاب فرمایا لیکن پھر یہ ہوا کہ جن پچاس افراد کو تیراندازی کے لئے ایک پہاڑی پر مامور فرمادیا تھا انہوں نے جب فتح وظفر دیکھی تو ان میں آپس میں اختلاف ہوگیا۔ ان میں سے بعض صحابہؓ کہنے لگے کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت کیا ہے، اب تو ہم فتح یاب ہوچکے ہیں لہٰذا اس جگہ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، اور بعض صحابہؓ نے فرمایا کہ جو بھی صورت ہو ہمیں جم کر رہنے کا حکم ہے، جماعت کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے کچھ ساتھی وہیں جمے رہے اور اکثر حضرات نے جگہ چھوڑ دی اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے دشمن کے پاؤں اکھڑ چکے تھے اور وہ شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کرچکا تھا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ تیرانداز پہاڑی سے اُتر چکے ہیں تو پلٹ کر پھر جنگ شروع کردی، اب صورتِ حال بدل گئی اور مسلمانوں کو شکست ہوگئی جس کے نتیجے میں ستّر صحابہؓ شہید ہوگئے۔ جو حضرات صحابہؓ پہاڑی پر مقرر کئے گئے تھے ان میں بارہ افراد اپنے امیرِ جماعت حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پہاڑی پر پختگی کے ساتھ جمے ہوئے تھے مشرکین نے ان کو بھی شہید کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس موقعہ پر تکلیف پہنچی، چہرہ مبارک زخمی ہوگیا، ایک پتھر آکر لگا جس سے سامنے کے بعض دندانِ مبارک شہید ہوگئے، خود مبارک آپ کے سر پر تھا اس کے حلقے ٹوٹ کر سر میں گھس گئے تھے۔ اسی موقع پر ایک مشرک نے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔

آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا حضرت مصعب بن عمیرؓ وہاں موجود تھے جن کے ہاتھ میں جھنڈا تھا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دفاع کیا لیکن خود شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد آپ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد فرمایا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ افراد رہ گئے تھے (بعد میں دیگر افراد بھی حاضر ہو گئے تھے) ان کے علاوہ جو صحابہ تھے ان میں سے کچھ لوگ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور کچھ پہاڑی پر چڑھ گئے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حارث بن صمہ اور دیگر چند صحابہ تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ ان حضرات کے ساتھ گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے جہاں جنگ سے پہلے قیام تھا۔

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخساروں میں مارا تھا یہ عبداللہ بن قمئہ تھا اور جس نے آپ کے ہونٹ اور دانتوں میں مارا تھا وہ عتبہ بن ابی وقاص تھا، جب ابن قمئہ کے حملہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے تو اس نے یہ مشہور کر دیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا، شیطان بھی چیخ پڑا۔ اس نے زور دار آواز میں کہا کہ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم قتل کر دئے گئے جس سے مسلمانوں کو بڑی حیرانی اور پریشانی ہوئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چوٹ لگی تو آپ گر گئے، جب ایک پتھر پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو نہیں چڑھ سکے اوّل تو آپ کا جسم مبارک بھاری تھا، دوسرے آپ نے لوہے کی دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ آپ کو اوپر اٹھانے کے لئے حضرت طلحہ بن عبیداللہ نیچے بیٹھ گئے آپ ان پر قدم مبارک رکھ کر پتھر پر تشریف فرما ہو گئے اور فرمایا اَوْجَبَ طَلْحَۃُ یعنی اپنے اس عمل کی وجہ سے طلحہ نے جنّت واجب کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کسی شہید کو دیکھنا چاہے جو زمین پر چلتا پھرتا ہو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُحد کی جنگ میں جو زخم پہنچا تھا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ

خون چوس کر نگل لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا خون جس کے خون میں مل گیا اُسے دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی ۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور میں جو خود (یعنی لوہے کی ٹوپی) کے دو حلقے گھس گئے تھے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے دانتوں سے نکالا، پہلا حلقہ نکالا تو سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا، پھر دوسرا حلقہ نکالا تو دوسرا دانت ٹوٹ گیا ان کے یہ ٹوٹے ہوئے دانت بڑے خوبصورت معلوم ہوتے تھے[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب دشمنوں نے گھیر لیا تو آپ نے فرمایا کون ہے جو ہماری جان کو بچانے کے لئے اپنی جان کو بیچتا ہے۔ اس پر پانچ انصاری صحابہؓ سامنے آئے جو آپ کے سامنے کھڑے ہو کر جنگ کرتے رہے اور ایک ایک کر کے قتل ہوتے رہے۔ سب سے آخر میں زیاد یا عمارہ بن زید شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے قریب لاؤ، چنانچہ آپ کے قریب کیا گیا، آپ کے قدم مبارک پر اپنا رخسار رکھا اور موت آگئی۔[2]

صحیح مسلم ص۱۰۷ ج ۲ میں ہے کہ اس موقعہ پر سات انصاری صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں اپنی کمان سے تیر پھینکے یہاں تک کمان ٹوٹ گئی۔ اسے تبرکاً قتادہ بن نعمان نے لے کر رکھ لیا اور قتادہ بن نعمان کی آنکھ اپنے حلقہ سے نکل کر رخسار پر گر پڑی۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھا کر اس کی جگہ واپس رکھ دیا جس کی وجہ سے یہ آنکھ دونوں آنکھوں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ تیز ہو گئی[3]

اس موقعہ پر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپ کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہو گئے تھے ان کے ہاتھوں میں آکر تیر لگتے تھے جن سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا[4] حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ص۸۵ ج ۳ [2] سیرت ابن ہشام ص۸۶ ج ۳

[3] ابن ہشام ص۸۷ ج ۳ [4] صحیح بخاری ص۵۸۱

بھی آپ کے سامنے سپر یعنی ڈھال لے کر کھڑے رہے۔ تیراندازی میں بہت ماہر تھے انہوں نے اس دن خوب تیراندازی کی جس سے اُن کی دو یا تین کمانیں ٹوٹ گئیں جو شخص وہاں سے تیر لئے ہوئے گزرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے فرماتے تھے کہ یہ تیر ابوطلحہ کے لئے چھوڑ دو۔ ابوطلحہ جب تیر پھینکتے تھے تو آپ نظر اُٹھا کر دیکھتے تھے کہ یہ تیر کس کو جا کر لگا۔ حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ سر نہ اٹھایئے خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ آپ کو دشمنوں کا کوئی تیر لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینہ کے لئے ڈھال بنا ہوا ہے۔[1]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے تیروں کا تھیلا مجھ سے لے لیا اور مجھے تیر نکال نکال کر دیتے رہے اور فرمایا: ارم فداك أبي وأمي[2] (مار و تیر، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں)

اس موقع پر حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات صحابہؓ سے خطاب کیا انھوں نے جب دیکھا کہ مسلمان شکست کھا کر منتشر ہو رہے ہیں تو انصار کو آواز دی اور ان سے کہا کہ اگر محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مقتول ہو گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی تم اپنے دین کی طرف سے قتال کرو اللہ تمہیں غلبہ دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا ان کے توجہ دلانے پر انصار میں سے چند حضرات اٹھے، اور حضرت ثابت ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ جو انصاری تھے وہ بھی شہید ہو گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ثابت اُحد میں پہنچنے والے زخموں سے تو اچھے ہو گئے تھے بعد میں وفات پائی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے وہی پرانا زخم جو اچھا ہو گیا تھا ہرا ہو گیا تھا اور بہتا رہا جو موت کا سبب بن گیا ذکرہ ابن عبد البر فی الاستیعاب۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو زخم پہنچا تھا اس سے جو خون جاری ہوا اسے آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دھوتی رہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح بخاری ص۵۸۱ [2] صحیح بخاری ص۵۸۰

پانی ڈالتے رہے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ خون بڑھتا ہی جارہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیکر جلایا اور اسے خون کی جگہ پر اچھی طرح لگا دیا اس سے خون جاری ہونا بند ہو گیا۔[1]

غزوۂ اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں کو ظاہری شکست ہوئی، مجروح اور مقتول ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بہت خدمت کی، انہوں نے اپنی کمروں پر مشکیزے اٹھائے بار بار پانی بھر کر لاتی تھیں اور جو صحابہ اٹھ کر جانے کے قابل نہ تھے ان کے منھوں میں پانی ڈالتی تھیں۔ بار بار انہوں نے ایسا کیا، (یہ اس زمانہ کی بات ہے جب پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے[2])

جب آپ گھاٹی میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تو اُبی بن خلف مشرک نے آپ کو دیکھ لیا اور کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دوں گا۔ یہ بات وہ پہلے سے کہا کرتا تھا جب مکہ مکرمہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ یہ شخص پوری طرح لوہے کے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہنسلی نظر آگئی آپ نے اس کو ایک نیزہ مار دیا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے سے گر پڑا آپ کا نیزہ لگنے سے اسے بظاہر معمولی سی خراش آگئی تھی لیکن وہ گائے کی طرح آوازیں نکال رہا تھا۔ اس کے ساتھی اٹھا کر لے گئے اور کہنے لگے تو اتنا کیوں چیختا ہے ذرا سی خراش ہی تو آئی ہے، وہ کہنے لگا کہ میں مر کر رہوں گا کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا تھا کہ میں اُبی کو قتل کروں گا۔ پھر کہنے لگا کہ یہ تکلیف جو مجھے ہو رہی ہے اگر سب اہلِ حجاز کو ہو جائے تو سب مر جائیں واپس ہوتے ہوئے رابغ میں مر گیا اور جہنم رسید ہوا۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ شخص مبتلا ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو یا جس نے والدین میں سے کسی کو قتل کیا ہو اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا اور اس عالم کو بھی سب سے

---

[1] صحیح بخاری ص۵۸۴ [2] صحیح بخاری ص۵۸۱ [3] صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر۔

زیادہ سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا ہو[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص پر اللہ کا سخت غصہ ہے جسے نبی نے فی سبیل اللہ قتل کیا، اللہ کا سخت غصہ ہے اس قوم پر جنہوں نے اللہ کے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا[2] (یہ غزوۂ اُحد میں پیش آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے)

یاد رہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے غزوات میں شرکت فرمائی لیکن آپ کے دست مبارک سے یہی ایک شخص مارا گیا۔ اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین والی شان کا مظاہرہ تھا، کافر اپنی موت مرے یا مقتول ہو ہر حال میں اُسے عذاب میں تو جانا ہی ہے لیکن بہت زیادہ لوگ عذاب میں مبتلا نہ ہوں، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی رعایت فرمائی اور صرف ایک آدمی کو قتل کیا جو آپ کو قتل کرنے کے لئے حملہ آور ہوا تھا۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے مشرکین مکہ کے ستر آدمی قتل کئے تھے، ابوسفیان جو اس وقت مشرکین مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اُس نے اونچی آواز سے پوچھا کیا تم لوگوں میں محمد علیہ السلام ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کو جواب نہ دو! پھر ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا تمہارے اندر ابن ابی قحافہ (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں؟ تین بار یہ سوال کیا، پھر دریافت کیا کیا تمہارے اندر ابن الخطاب (یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں؟ جب کوئی جواب نہ ملا تو اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر ابوسفیان نے کہا کہ یہ تینوں قتل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا، انہوں نے فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے، یہ سب حضرات زندہ ہیں جن کے نام تو نے لئے ہیں اور دیکھ تیرے لئے ابھی وہ افراد باقی ہیں جن سے تجھے ناگواری ہے۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن بدر کے دن کے مقابلہ میں ہے (یعنی تم نے بدر میں ہمارے ستر آدمی مارے تھے اور آج ہم نے تمہارے ستر آدمی مار دئے) لڑائی ایسی ہی چیز

[1] صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۶

ہے کبھی ایک فریق غالب کبھی دوسرا فریق غالب ۔ اس کے بعد ابوسفیان نے بتوں کا نعرہ اور جیکارہ لگایا اور یوں کہا اُعْلُ هُبَل اُعْلُ هُبَل یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ ھبل بت کی جئے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم جواب نہیں دیتے ؟ عرض کیا یا رسول اللہ ہم جواب میں کیا کہیں آپ نے فرمایا یوں کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ (اللہ تعالیٰ سب سے بلند ہے اور سب سے زیادہ عظمت والا ہے) پھر ابوسفیان نے کہا: اِنَّ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (ہمارے لئے عزّٰی ہے تمہارے لئے عزّٰی نہیں ہے) یہ بھی ایک بت کا نام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جواب نہیں دیتے ؟ عرض کیا کیا جواب دیں ؟ آپ نے فرمایا یوں کہو :
اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ (اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں[1])

جب ابوسفیان نے کہا کہ یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے، دن بدلتے رہتے ہیں، کبھی کسی کی فتح ہوتی ہے اور کبھی کسی کی، لڑائی برابر سرابر ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ برابر نہیں ہے، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم یہ عقیدہ رکھتے ہو تو ہم تو بالکل ہی برباد ہیں۔

اس موقعہ پر بعض صحابہ رضؓ نے بڑی ہمت اور جرأت سے کام لیا، حق کا اعلان بھی کیا، مجاہدین کو تسلی بھی دی اور جامِ شہادت بھی نوش کیا۔

ایک مہاجر صحابی کا ایک انصاری پر گزر ہوا جو اپنے خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے مہاجر صحابی نے اُن سے کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اس انصاری نے اسی حالت میں جواب دیا اگر وہ شہید ہو گئے تو انہوں نے رسالت کا کام پورا کر دیا (اب ہمارا کام باقی ہے) لہٰذا اپنے دین کی طرف سے قتال کرو۔

حضرت سعد بن ربیع کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ کو

---

[1] صحیح بخاری ص۴۲۶ ج ۱ و ص۵۷۹ ج ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ ان کو کہیں دیکھ لو تو میرا سلام کہنا۔ حضرت زید بن ثابتؓ اُن کو مقتولین میں تلاش کر رہے تھے تو دیکھا کہ ان میں زندگی کے دو چار سانس رہ گئے ہیں اور ستّر زخم ان کے جسم میں آچکے ہیں۔

حضرت زیدؓ نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور ان سے کہا کہ آپؐ نے دریافت فرمایا ہے کہ تمہارا کیا حال ہے؟ سعد بن ربیع نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول پر سلام اور تم پر سلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دینا کہ جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک دشمن پہنچ گئے، اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھتی رہی (یعنی تم میں سے کوئی بھی زندہ رہ گیا) تو تمہارے لئے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا، یہ کہا اور اُن کی روح پرواز کر گئی۔ [1]

مسلمانوں کو تسلّی اور واقعہ احد کی حکمتیں

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ○ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ

اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں جنہیں ہم باری باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان، اور تاکہ اللہ جان لے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور بنالے تم میں سے شہادت پانے والے، اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو۔ اور تاکہ پاک صاف کرے ایمان والوں کو اور مٹادے کافروں کو، کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنّت میں داخل ہوجاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے اُن لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے اور تاکہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو، اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے، سواب تم نے موت

[1] البدایۃ والنہایہ، سیرت ابن ہشام

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۴۰تا۱۴۳) کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو اس سے پہلے تمہارے دشمنوں کو بھی اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے (کہ بدر میں ان کے بھی ستر آدمی مارے جا چکے ہیں) پھر یہ بیان فرمایا کہ ہم اہل زمانہ کا حال یکساں نہیں رکھتے، یہ ایام باری باری بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے مقابل دشمن کو غلبہ ہو جاتا ہے۔ اسی معمول کے مطابق پچھلے سال تمہارے دشمن مغلوب ہو گئے اور اس سال انہوں نے غلبہ پالیا اور تم کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس کے بعد واقعۂ احد کی بعض حکمتیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ وہ جان لے کہ ایمان والے کون ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مصیبت کے وقت امتحان ہو جاتا ہے اور مخلص اور غیر مخلص کی پہچان ہو جاتی ہے، چنانچہ منافقین معرکہ پیش آنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے اور جو اہل ایمان تھے شکست کھا کر بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے (اللہ تعالیٰ کو علم تو ہر بات اور ہر واقعہ کا پہلے ہی سے ہے لیکن ایک علم وہ ہے جو قبل الوقوع ہے اور ایک علم وہ ہے جو بعد الوقوع ہے۔ اس قسم کے مواقع میں وہ علم مراد ہوتا ہے جو بعد الوقوع ہو کیونکہ یہ علم ہونا کہ اب یہ واقعہ ہو چکا یہ وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کو خوب سمجھ لیں)۔

اور دوسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو تم میں شہید بنانا منظور تھا۔ شہادت بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قیمت اور عظمت وہی جانتا ہے جس کا قرآن و حدیث پر ایمان ہے۔

تیسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ ایمان والوں کو پاک و صاف کر دے، کیونکہ مصیبت پر صبر کرنے اور تکلیفیں جھیلنے سے اخلاق اور اعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔

چوتھی حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ کافروں کو مٹا دے وہ اس مرتبہ

غالب ہوئے تو آئندہ پھر اسی گمان سے چڑھ کر آئیں گے کہ ہمیں غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آکر ہلاک ہوں گے۔

صاحبِ روح المعانی ؒ فرماتے ہیں کہ یہاں کافرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اُحد کے موقع پر جنگ کرنے کے لئے آئے اور کفر پر مُصر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ختم کردیا اور ہلاک فرمادیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافر جب کبھی غالب ہوجاتے ہیں تو شیطان ان کو ورغلاتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈالتا ہے کہ برابر کفر پر مصر رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرمادیتا ہے اور ہمیشہ کے لئے وہ عذابِ نار میں داخل ہوجاتے ہیں۔

کیا جنّت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہوجاؤ گے؟

پھر ارشاد فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الآیہ (کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہوجاؤ گے اور اللہ کو ان لوگوں کا علم نہ ہو جنہوں نے جہاد کیا، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہ جان لے جو صبر کرنے والے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تم جنت کے طلب گار ہو، جنّت حاصل کرنے کے لئے محنت، مشقّت، جہاد اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے، جنت میں جانے کی آرزو رکھنے والوں کو ان سب چیزوں کے لئے تیار رہنا چاہئے اور حسبِ موقع ان چیزوں میں اپنی جانوں کو لگا دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ وہ تم کو ان تکالیف میں مبتلا کرے، پھر وہ تمہاری جہاد والی محنت کو اور صبر کو ان کے وقوع کے بعد جان لے کہ تم نے واقعی جہاد کیا اور صبر سے کام لیا۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ الآیۃ۔

اس آیت میں اُن حضراتِ صحابہؓ سے خطاب ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ بدر میں جنگ کی صورت پیش آجائے گی یہ بات ان کے ذہن میں نہ تھی اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے جب وہاں معرکہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نازل ہوئی جس میں بعض صحابہؓ شہید بھی ہوئے تو یہ پیچھے رہ جانے والے شریک نہ ہونے پر نادم ہوئے، یہ حضرات جنگ کی آرزو کرنے لگے

اور کہنے لگے کہ کاش ہم بھی ان حضرات کے ساتھ مقتول ہوجاتے جو بدر میں مقتول ہوئے اور ہم بھی شہادت کا درجہ پالیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں شرکت کا موقع دیا اور مسلمانوں کی فتح کے بعد صورت حال پلٹ گئی اور مشرکین بھاگنے کے بعد الٹ کر واپس آکر حملہ آور ہوئے جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ان لوگوں نے بھی ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیا جو شہادت کے پیش نظر غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ (روح المعانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پر پریشان ہونے والوں کو تنبیہ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۴، ۱۴۵)

اور محمد صرف رسول ہیں، اُن سے پہلے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا ان کو موت آجائے یا مقتول ہوجائیں تو تم اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اُلٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ دے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔ اور کسی جان کو موت نہیں آسکتی مگر اللہ کے حکم سے اس طرح پر کہ اس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اس کو دیدیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اُسے دیدیں گے، اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرات صحابہؓ کو ابتداءً غزوۂ احد میں فتح حاصل ہوگئی لیکن جب فتح یابی دیکھ کر اُن تیر انداز حضرات نے اپنی جگہ چھوڑ دی جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا تھا تو مشرکین نے واپس ہوکر حملہ کیا اور ستر مسلمان شہید ہوگئے اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر بھی دشمن نے اڑا دی،

اس موقع پر بعض منافقین نے یوں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مقتول ہو گئے لہٰذا اب اپنے پہلے دین کو اختیار کرلو۔ منافقین تو پہلے ہی دینِ اسلام پر نہ تھے ظاہری طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اب جب موقع آگیا تو مخلص مسلمانوں کو بھی دینِ اسلام سے پھر جانے کی دعوت دینے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارنا شروع کیا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ (کہ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ) چنانچہ تیس آدمی آپ کے آس پاس جمع ہو گئے، انہوں نے آپ کی حفاظت کی اور مشرکین کو دفع کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آواز دینے پر صحابہ کرام جمع ہونے شروع ہوئے، سب سے پہلے آپ کو حضرت کعب بن مالک رضؓ نے پہچانا اُن کی نظر آپ کی مبارک آنکھوں پر پڑ گئی دیکھا کہ آپ کی مبارک آنکھیں خود کے نیچے سے پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہیں۔ انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ خوش خبری سُن لو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ نے خاموش رہنے کو فرمایا (شاید اس میں یہ مصلحت ہو کہ دشمن ارادہ بدل کر واپس نہ آجائے) حضرت کعب کی آواز سن کر صحابہ کی ایک جماعت آپ کے پاس پہنچ گئی، آپ نے ان کو ملامت کی کہ تم لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی، وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارے باپ دادے اور بیٹے آپ پر قربان ہوں ہم نے جو خبر سنی تھی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس سے ہمارے دلوں پر رعب چھا گیا اور ہم بھاگ نکلے، اس پر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ نازل ہوئی۔

جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑا دی گئی تو حضرت انس ابن نضر رضؓ نے صحابہ سے کہا آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اب ہم کیا کریں انہوں نے کہا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر ہی کیا کرو گے قوموا فموتوا علی مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاؤ اور اسی دین پر مر جاؤ جس دین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دے دی۔ اس کے بعد انہوں نے دشمن کی طرف رُخ کیا اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

آیتِ بالا میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے عہدہ

اور مرتبہ کے اعتبار سے رسول ہی تو ہیں۔ تم نے یہ کیسے اپنے پاس سے تجویز کر لیا کہ ان کو موت نہیں آئے گی۔ یہ تو خالقِ کائنات جل مجدہٗ کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر مسلمانوں کو سرزنش فرمائی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف بلانے والے تھے۔ معبود نہیں تھے، معبود تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اپنی دعوت کا کام کر کے شرک چھڑا کر اور تم کو توحید پر لگا کر اور اللہ کی عبادت کی تعلیم دے کر اگر اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے تشریف لے گئے یا مقتول ہو گئے تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا دینِ حق کو چھوڑ کر پھر دینِ باطل کو اختیار کر لو گے۔ دین تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ جس کا دین ہے وہ تو ہمیشہ زندہ ہے، ہمیشہ اسی کی عبادت کرتے رہو۔ ان باتوں اور ان وسوسوں کا کیا مقام ہے جو اس وقت تمہارے نفسوں میں ہیں۔

آیتِ شریفہ میں اس سرزنش کے بعد کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو جائیں یا مقتول ہو جائیں تو کیا تم پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے یوں فرمایا: وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا کہ جو شخص پچھلے پاؤں پلٹ جائے اور دینِ حق کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا۔ اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص دینِ حق پر ہے، یعنی دینِ اسلام قبول کئے ہوئے ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھے کہ میرے ایمان و اسلام سے اور میری عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع ہے۔ اگر میں اس دین کو چھوڑ دوں اور اللہ کی عبادت نہ کروں تو اللہ کا کوئی نقصان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر اور بالا ہے کہ اسے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچے۔ البتہ جو شخص موحّد مؤمن مسلم ہے، اللہ کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کو اس کے ایمان کی اور اعمالِ صالحہ کی جزا دیدے گا۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ میں خود مؤمنین کا اپنا نفع ہے۔ صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں کہ الشاکرین سے الثابتین علی دین الاسلام مراد ہیں۔ اسلام پر ثابت قدمی اُسی وقت ہوتی ہے جب اس کی حقانیت کا یقین ہو اور اسلام پر ثابت رہنا شکر ہے اور اس دین کو چھوڑ دینا کفرانِ نعمت ہے (اور بہت بڑا کفران وہ ہے جو کفر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے)

پھر فرمایا: ہر شخص کو اجلِ مقرر پر موت آئے گی

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (آل عمران: ۱۴۵)
یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر مرجائے

یعنی جس کو بھی موت آئے گی اللہ کے حکم سے آئے گی اور اجل مقرر کے مطابق آجائے گی جس کی جو اجل یعنی موت کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے موت نہیں آسکتی۔ اور اس وقت سے ٹل بھی نہیں سکتی جو اس کے لئے مقرر ہے۔

صاحب روح المعانی (ص۵۷ ج۴) فرماتے ہیں کہ اس میں جہاد کی ترغیب ہے اور قتل کے ڈر سے جہاد کو چھوڑ دینے پر ملامت کی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی جو خبر سنی اس میں استبعاد کی کوئی بات نہیں، ان کو بھی اللہ کے حکم سے موت آئے گی۔ جیسا کہ سب جانوں کو موت آنا ہے۔ اگر ان کی موت ہو ہی گئی جو اللہ کے حکم سے ہے تو ان کے دین کو چھوڑنے کا جواز کیا ہے۔

شکست کے اسباب

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حکم کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھا دی جسے تم محبوب رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلب گار تھے۔ پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے۔ اور البتہ تحقیق

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ
وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَىٰكُمْ
فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا
تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ
أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم
مِّنۢ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا
يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ
قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ
يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ
الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا
مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ
إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ
فِيٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ
لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ
الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا ۗ
قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ
اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ
مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ
عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ

اللہ نے تم کو معاف فرمادیا اور اللہ مومنین پر بڑے فضل
والا ہے۔ جب تم دور چلے جارہے تھے اور کسی کو
مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تم کو پکار
رہے تھے تمہارے پیچھے سے پس اللہ نے تمہیں غم
کی پاداش میں غم دیدیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز
پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم
کو پہنچ جائے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر
ہے۔ پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرمادیا
جو اونگھ کی صورت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت
پر چھائی ہوئی تھی، اور ایک جماعت ایسی تھی جن کو
اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ لوگ اللہ کے
بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے
یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے۔ آپ فرمادیجئے
کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، یہ لوگ
اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے ہیں جسے آپ کے
سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے، یہ لوگ کہہ رہے تھے
کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے
جاتے، آپ فرمادیجئے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے
تب بھی بلاشبہ وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا
مقدر ہو چکا تھا اپنی اُن جگہوں کے لئے نکل کھڑے
ہوتے جہاں جہاں وہ قتل ہو کر گرے اور تاکہ اللہ
آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو
صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

(آل عمران : ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵)

کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ بیشک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئی تھیں بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے، اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔

ان آیات میں مسلمانوں کی اس عارضی شکست کے اسباب بیان فرمائے جو انہیں غزوۂ احد میں پیش آ گئی تھی۔ اور ابتداءً جو مسلمانوں کو غلبہ ہوا تھا اس کا بھی تذکرہ فرمایا، نیز مسلمانوں کو غم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ایک آرام اور چین کی صورت پیش آ گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اونگھ کا غلبہ فرما دیا تھا تاکہ غم غلط ہو جائے۔ اس کا بھی تذکرہ فرمایا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کے ایک دستہ کو ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم یہاں سے مت ٹلنا اور یہ کہ ہم برابر غالب ہی رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے۔ اس وعدہ کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا تھا مسلمانوں کو ابتداء میں فتح حاصل ہوئی اور وہ دشمنوں کو باذن اللہ قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ مشرکین کی عورتیں جن میں ہندہ بنت عتبہ بھی تھیں بھاگنے لگیں اپنے سامان میں سے قلیل یا کثیر اٹھا کر چلنے کا بھی ان کو ہوش نہ رہا۔ لیکن فتح دیکھنے کے بعد (جو مسلمانوں کو محبوب تھی) تیر انداز حضرات (جو پہاڑی پر مقرر تھے) نے اول تو آپس میں اختلاف کیا کہ ہم کیا کریں اختلاف کرنا ہی صحیح نہ تھا۔ کیونکہ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا (اس کو تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ سے تعبیر فرمایا) اور پھر اکثر افراد پہاڑی کو چھوڑ کر چلے ہی گئے اور مالِ غنیمت لینے لگے، اس کو وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ میں بیان فرمایا۔ اور مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہونے کے

بارے میں مِنكُم مَن يُرِيدُ الدُّنيَا فرمایا۔ جب دشمنوں نے پہاڑی خالی دیکھی تو پلٹ کر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی اور دشمنوں کا دفاع نہ کر سکے اس کو ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس میں تمہاری آزمائش مقصود تھی (لِيَبْتَلِيَكُمْ) ساتھ ہی معافی کا اعلان بھی فرمادیا وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

کافروں کے پلٹ کر حملہ کرنے سے جو مسلمانوں میں انتشار ہوا اور میدان چھوڑ کر چل دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ پر بھی متوجہ نہیں ہوئے (مگر چند افراد) تو اللہ تعالیٰ نے غم کے بدلہ غم پہنچایا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تم نے تکلیف پہنچائی تھی اس تکلیف کے بدلہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی، اس کو إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ میں بیان فرمایا ہے۔ تُصْعِدُونَ باب افعال سے ہے اس کا معنی ذهاب اور ابعاد فی الارض ہے۔ بعض حضرات نے اس کے مشہور معنی بھی لئے ہیں اور گھوڑوں کا چڑھنا مراد لیا ہے۔ غَمًّا بِغَمٍّ کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو ابھی اوپر بیان ہوئی اور اس کے علاوہ اس کی تفسیر میں مفسرین کے اور بھی چند اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک غم تو مقتول اور مجروح ہونے اور مشرکین کے غالب ہونے کی وجہ سے تھا اور دوسرا غم وہ تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑ جانے سے ہوا (اس صورت میں ب مصاحبت کے لئے ہوگی) مزید اقوال جاننے کے لئے روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

غم پہنچنے میں بھی حکمت

پھر فرمایا لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ (تاکہ تم غمگین ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے) مطلب یہ ہے کہ جو غم تم کو پہنچا اس میں یہ حکمت ہے کہ تم میں پختگی پیدا ہو جائے اور آئندہ جب کبھی کوئی مشکل در پیش ہو مثلاً کوئی چیز جاتی رہے یا کوئی مصیبت آپڑے تو تم صبر کرو صبر کی عادت ہو جانے سے ہر مشکل آسانی سے گزر جائے گی، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، صبر سے اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔

غم غلط کرنے کے لئے نیند کا غلبہ مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچ گئی اور شکست کا جو سامنا ہوا (جو بہت بڑا غم تھا) اس غم کو غلط کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ بھیج دی اور اتنی زیادہ اونگھ سوار ہوئی کہ رنج اور غم کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔ علاج کرنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب مریض کی تکلیف بڑھ جاتی ہے اور کسی طرح سے افاقہ نہیں ہوتا تو تکلیف سے بے خبر کرنے کے لئے کوئی ایسی دوا دے دیتے ہیں یا انجکشن لگا دیتے ہیں جس سے نیند آجائے، اللہ جل شانہٗ نے ان حضرات پر نیند غالب فرما دی جس سے غم کا محسوس ہونا ختم ہوگیا۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ میں اسی کو بیان فرمایا اور اونگھ کو اَمَنَةً یعنی چین اور راحت بتایا، یہ تو مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ جو منافقین تھے ان کا دوسرا ہی رنگ تھا، ان کو اپنی ہی جانوں کی پڑی تھی۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دین اسلام سے کچھ بھی ہمدردی نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے خیالات پکار رہے تھے، کہتے تھے کہ ہماری تو کچھ چلتی ہی نہیں، ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ شہر سے باہر جا کر نہ لڑیں، ہماری بات چلتی اور ہماری رائے پر عمل ہوتا تو یہاں آکر ہم کیوں مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو جواب دے دو کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے۔ سب کام اللہ کی قضا و قدر کے مطابق ہوتے ہیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی وہ لوگ گھروں سے نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں میں پہنچ جاتے جن کے بارے میں مقتول ہونا مقدر ہو چکا تھا۔

پھر فرمایا: وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے) مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس لئے پیش آیا کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش فرمائے کیونکہ مصیبت کے وقت سچوں اور جھوٹوں کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ منافقوں کا نفاق کھل گیا اور مؤمنین کا ایمان اور زیادہ مضبوط اور ثابت

ہوگیا اور یوں تو اللہ تعالیٰ سب باتوں کو جانتا ہی ہے لیکن علم ظہور کے طور پر یہ باتیں ظاہر ہوگئیں ۔

صحابہؓ کی معافی کا اعلان آخر میں فرمایا : اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ (الآیہ) (بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پُشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئیں بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے اور البتہ تحقیق اللہ نے اُن کو معاف فرمایا، بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے)

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو تسلّی بھی دی ہے (کیونکہ ان کی معافی کا اعلان فرمایا ہے) اور یہ بھی بتایا ہے کہ جو لوگ پُشت پھیر کر چل دیتے تھے اُن کو شیطان نے لغزش دے دی تھی اور اس لغزش کا سبب اُن کے بعض گناہ بن گئے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے اور گناہوں کے ذریعہ شیطان دوسرے گناہوں پر آمادہ کر دیتا ہے ۔

مسلمانوں کو تسلّی اور منافقوں کی بدحالی

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا ؕ قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ مَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِادْفَعُوْا ؕ

اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دوگنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے، آپ فرما دیجئے یہ تمہاری ہی طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو تکلیف تمہیں پہنچی جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں، سو یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے مؤمنین کو اور جان لے ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا ہے ۔ اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ جنگ

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۶۵تا۱۶۸)

کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو، وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، وہ لوگ بہ نسبت ایمان کے آج کفر سے زیادہ قریب ہیں۔ وہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے، اور اللہ خوب جاننے والا ہے اُس بات کو جسے وہ چھپاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے، آپ فرما دیجئے تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو اگر تم سچے ہو۔

مسلمانوں کو جو غزوہ اُحد میں وقتی طور پر شکست ہوئی اور اس سلسلہ میں تکلیف پہنچی اس پر کچھ لوگوں کے منہ سے یہ نکلا اَنّٰى هٰذَا (یہ مصیبت ہم کو کہاں سے پہنچی؟) اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو جواب میں فرما دیں کہ یہ اسباب ظاہرہ میں تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور پہاڑی پر جن تیر اندازوں کو بٹھا دیا گیا تھا انہوں نے باوجود تاکیدی حکم کے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت لوٹنے میں لگ گئے، اس بات کو بیان فرماتے ہوئے قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا بھی فرمایا کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے گذشتہ سال غزوۂ بدر میں اس سے دوگنی مصیبت تم دشمنوں کو پہنچا چکے ہو ستر آدمی اُن کے قتل ہوئے تھے اور ستر آدمیوں کو تم قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لے آئے تھے۔ اس میں تسلی دینے کا پہلو اختیار فرمایا کہ تم اپنے دشمنوں کو اپنی مصیبت سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو۔ اب اگر تمہیں مصیبت پہنچ ہی گئی اور وہ بھی تمہاری نافرمانی کی وجہ سے تو اس پر غمگین کیوں ہو رہے ہو، پھر فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ

میں آئی تھیں اس روز تمہیں جو تکلیف پہنچی سو یہ تکلیف پہنچنا اللہ کے حکم سے تھا)
یعنی سببِ ظاہر وہی تھا جس کا ذکر ہوا کہ تم نے نافرمانی کی اور حقیقت میں بات یہ ہے
کہ جنگ کے موقع پر جو کچھ مصیبت پیش آئی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی سے تھی وہ ہر چیز
پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ بعض حکمتیں
——— پہلے بیان ہو چکی ہیں اور بعض حکمتیں آگے بیان ہوتی ہیں اور وہ یہ ہیں:
وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ تاکہ اللہ مومنین کو جان لے پکے مخلص مومن کون ہیں وَلِيَعْلَمَ
الَّذِينَ نَافَقُوا، اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جان لے جنہوں نے منافقت
کی، جو اندر سے مسلمان نہ تھے، زبانوں سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں
میں گھل مل کر رہتے تھے۔ اب جب جنگ کا موقع آیا تو ظاہری دوستی بھی چھوڑ بیٹھے
اور اُن کا نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا جس کی صورت آگے بیان فرمائی وَقِيلَ لَهُمْ
تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا۔ یعنی ان سے کہا گیا کہ آجاؤ اللہ کی
راہ میں جنگ کرو، اگر جنگ نہیں کر سکتے ہو تو ہمارے ساتھ ہی رہو اگر ہمارے
ساتھ رہو گے تو دشمن کو ہماری جماعت زیادہ نظر آئے گی اس سے بھی دشمن کے دفاع
کی ایک صورت بنے گی۔ (ذکرہ فی الروح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)
آگے ان کا جواب نقل فرمایا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ وہ کہنے لگے
اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے۔ اس کا ایک مطلب تو وہی
ہے جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ واقعی
لڑائی مفید ہو سکتی ہے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شرکت کر لیتے۔ ہمارے
خیال میں تو لڑائی کا ڈھنگ نہیں ہے یہ کیا لڑائی ہے کہ تم تھوڑے سے آدمی ہو اور
دشمن زیادہ ہے، سامانِ حرب بھی تمہارے پاس کم ہے۔ کم سے کم برابر کی ٹکر ہو تو
لڑائی لڑی جائے۔ غالب ہونے کی امید نہ ہو تو کم از کم مدافعت کرنے کی قوت تو
ہو۔ اب تو ظاہری حالات میں اپنے کو جنگ میں جھونک دینا سراسر ہلاکت میں
ڈال دینا ہے (ذکرہ فی الروح)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے بارے میں فرمایا ھُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِیْمَانِ یعنی اس بات کے کہنے سے وہ اب ظاہر میں بھی کفر سے زیادہ قریب ہو گئے جبکہ اس سے پہلے ایمان کے جھوٹے دعوے کرکے مسلمانوں میں گھلے ملے رہنے کی وجہ سے ظاہر میں ایمان کے قریب تھے۔ اندر سے کافر تو پہلے ہی سے تھے لیکن ظاہر میں جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اس دعوے پر خود ان کے اپنے قول و فعل نے پانی پھیر دیا۔ ہر عقلمند ان کی باتوں کے پیشِ نظر یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ مومن نہیں ہیں، کیونکہ باتیں کافروں جیسی کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِھِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ کہ وہ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم جنگ ـــــ کو جانتے ہوتے یا یہ کہ جنگ کا ڈھنگ دیکھتے تو تمہارے ساتھ ہو جاتے دونوں باتیں ایسی ہیں جو ان کے قلبی عزائم کے خلاف ہیں۔ حقیقی بات یہ ہے کہ وہ کوئی بھی حیلہ بہانہ کریں ان کو تمہارے ساتھ ہونا ہی منظور نہ تھا۔

پھر فرمایا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح اس کا علم ہے جس کو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں (مومنین تو اجمالی طور پر علامات سے ان کے ظاہر کو دیکھ کر باطن کا اندازہ کرتے ہیں اور اللہ جل شانہٗ پوری طرح ان کے باطن سے باخبر ہے، ان کے قلبی عزائم کو پوری طرح جانتا ہے)۔

جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا

منافقین کا مزید حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو لڑائی سے جان بچا کر بیٹھ رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا (جو اُن کے نسب میں رشتہ دار تھے) کہ ہم نے تو پہلے ہی رائے دے دی تھی کہ جنگ نہ کی جائے ہماری بات مان لیتے تو مقتول نہ ہوتے، اُن کے جواب میں بطور سرزنش او توبیخ کے ارشاد فرمایا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ کہ آپ فرما دیجئے موت سے کہاں بچاؤ ہے لڑائی چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہے اور یہ سمجھ لیا کہ موت سے بچ گئے یہ بیوقوفی ہے، موت تو پھر بھی آنی ہی ہے۔ جب تم کو موت آنے لگے جو اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو موت کو دفع کر دینا اور اُسے ٹال دینا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

منافق کے نزدیک جان کی قیمت زیادہ ہے اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتا ہے، مؤمن کو اللہ کی رضامندی مقصود ہے، وہ اللہ کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے، اللہ کے لئے لڑنے اور جان دینے سے اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

(آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱)

اور ہرگز گمان نہ کرو اُن لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں، وہ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور خوش ہو رہے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جو ان کے پاس نہیں پہنچے، ان کے پیچھے رہ گئے کہ کوئی خوف نہیں اُن پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ وہ خوش ہو رہے ہیں بوجہ نعمت اور فضلِ خداوندی کے۔ اور اس بات سے خوش ہیں کہ بلاشبہ اللہ ضائع نہیں فرماتا مؤمنین کے اجر کو۔

منافقین نے اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے والوں کے بارے میں یوں کہا تھا

کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو مقتول نہ ہوتے، گویا کہ ان کا مقتول ہو جانا ان کے نزدیک اچھا نہ ہوا اور ان کی خیر خواہی اس میں ظاہر کر رہے تھے کہ وہ مقتول نہ ہوتے اور دنیا میں اور زیادہ زندہ رہ جاتے۔ آیتِ بالا میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا توڑ بھی ہے اور مؤمنین کو تسلی بھی ہے اور بشارت بھی کہ جو حضرات اللہ کی راہ میں مقتول ہوئے اُن کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور دنیا کی چیزیں ان کے پاس نہیں ہیں تو یہ کوئی نقصان کی بات نہیں کیونکہ ان کو وہاں ان کے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے جو دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر اعلیٰ اور افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اُس پر وہ خوش ہیں ہشاش بشاش ہیں۔ وہ نعمتوں میں ہیں اور رحمتوں میں ہیں اور منافقین خواہ مخواہ کی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں کہ ہماری بات مانتے تو مقتول نہ ہوتے۔ یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی راہ میں مرجانا موت نہیں ہے بلکہ وہ زندگی ہے اور عمدہ زندگی ہے اور بڑی زندگی ہے۔

جو حضرات شہید ہو گئے وہ نہ صرف اپنی نعمتوں میں خوش ہیں بلکہ وہ ان مسلمانوں کے بارے میں بھی خوش ہو رہے ہیں جو اُن تک ابھی نہیں پہنچے اس دنیا میں ان سے پیچھے رہ گئے۔ کہ اگر یہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو ان پر بھی ہماری طرح انعام ہوگا، نہ خوف زدہ ہوں گے نہ مغموم ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ نہ اُس نے ہمارا اجر ضائع فرمایا نہ ہمارے بعد میں آنے والے اہل ایمان کا اجر ضائع فرمائے گا۔

حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کا مطلب معلوم کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب معلوم کر چکے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں

ان کے لئے قندیل ہیں جو عرش سے لٹکے ہوئے ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے خاص توجہ فرمائی اور ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے انہوں نے عرض کیا ہمیں کس چیز کی خواہش ہوگی؟ اور حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ اسی طرح سوال فرمایا۔ جب انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ جواب دینا پڑے گا، جب تک خواہش کا اظہار نہ کریں سوال ہوتا ہی رہے گا تو اللہ تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کردی جائیں تاکہ ہم ایک بار پھر آپ کی راہ میں قتل کردیئے جائیں۔ جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ انہیں اور کوئی حاجت نہیں ہے تو سوال کرنا چھوڑ دیا گیا (اول تو کسی چیز کی خواہش ظاہر نہ کی اور ظاہر کی بھی تو یہ کہا کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ واپس بھیج دیا جائے تاکہ ایک بار پھر شہید ہوجائیں۔ وہاں سے واپس آنے کا قانون نہیں اور اس کے سوا کچھ مانگتے نہیں لہٰذا آگے سوال نہیں فرمایا)۔

(رواہ مسلم ص ۱۳۵۔ ج ۲)

صحابہؓ کی تعریف جنہوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو مان لیا اس کے بعد کہ اُن کو زخم پہنچ چکا تھا ان میں سے جنہوں نے نیکی کے کام کئے اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔ یہ ایسے ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے

اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

(آل عمران: ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵)

لہٰذا تم ان سے ڈرو تو ان کی اس بات نے اُن کا اور زیادہ ایمان بڑھا دیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے ان کو کچھ بھی تکلیف نہ پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے تابع رہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ جو بات پیش آئی صرف اس وجہ سے کہ شیطان اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

درمنثور ص۱۰۱ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی (غزوۂ احد کے بعد) واپس ہوئے اور مشرکین کا آپس مشورہ ہوا کہ ہم شکست دے کر واپس آگئے (یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) سب مسلمانوں کو ختم ہی کر دیتے، لہٰذا واپس چل کر حملہ کریں، اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی تو آپ اپنے صحابہ کو لے کر ان کے پیچھے چلے اور مقام حمراء الاسد تک اُن کا پیچھا کیا۔ جب ابوسفیان کو یہ پتہ چلا کہ آپ ہمارے پیچھے آرہے ہیں تو ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا۔ راستے میں بنی عبدالقیس کے چند سواروں سے ملاقات ہوئی ان سے ابوسفیان نے کہہ دیا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہہ دو کہ ہم واپس لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو بالکل ہی ختم کر دیں۔ ان لوگوں کی حمراء الاسد میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی انہوں نے ابوسفیان کی بات نقل کر دی، اس پر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہا کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارا کارساز ہے۔

اللہ جل شانہ نے آیتِ بالا نازل فرمائی (جس میں مسلمانوں کی تعریف ہے کہ غزوۂ اُحد میں زخم خوردہ ہونے کے بعد بھی) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی بات مان لی اور دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، حمراء الاسد تک پیچھا کیا اور جب دشمن کی طرف سے یہ بھبکی ملی کہ ہم نے بہت سا سامان تیار کر لیا ہے تو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل مضبوط اعتقاد اور یقین کے ساتھ پڑھ لیا۔ اور دشمن واپس نہ ہوئے اور سیدھے مکہ معظمہ چلے گئے۔

اور ابن شہاب زہری سے بحوالہ بیہقی فی الدلائل نقل کیا ہے کہ ابوسفیان نے چلتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ اب بدر میں جنگ ہوگی جہاں تم نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا تھا اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بدر کیلئے روانہ ہوئے، ساتھ ہی تجارت کے لئے سامان بھی لے لیا تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو جنگ کرلیں گے ورنہ تجارت تو ہو ہی جائے گی۔ جب یہ حضرات بدر کے لئے جا رہے تھے تو راستہ میں شیطان نے اپنے دوستوں کو ان کے ڈرانے کے لئے کھڑا کر دیا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے مقابلہ کے لئے بہت سا سامان تیار کر لیا گیا ہے لہٰذا تم اپنے ارادہ سے باز آجاؤ اور احتیاط سے کام لو، دشمن تم سے جنگ کرے گا اور تمہارا سامان چھین لے گا۔ ان شیطانی حرکتوں کا ان حضرات پر کچھ اثر نہ ہوا اور برابر چلتے رہے حتی کہ بدر میں پہنچ گئے، وہاں دشمن کا نام و نشان بھی نہ تھا انہوں نے اپنے اموال کو فروخت کیا اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے۔

مذکورہ بالا آیات میں حضرات صحابہؓ کی تعریف ہے جو غزوۂ احد میں چوٹ کھانے کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور دشمن کی جھوٹی بھبکیوں اور شیطان کی حرکتوں کا بھی ذکر ہے اور مسلمانوں کو جو مالِ تجارت میں نفع حاصل ہوا اس کا بھی تذکرہ ہے۔ شیطان کے دوستوں نے جو ڈرایا کہ تمہارا دشمن ایسے ایسے سامانِ حرب سے لیس ہو کر حملہ آور ہونے والا ہے اس کا اثر لینے کی بجائے وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوئے اور مضبوط یقین کے ساتھ انہوں نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل کہا جس سے اُن کا قلب بھی قوی ہوا اور ایمان بڑھ گیا۔ مؤمن بندوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے، شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتی ہی

ہیں لیکن مسلمان کو اللہ کافی ہے اور وہی ان کا کارساز ہے۔ اگر اللہ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا۔ شیطان اور اُس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، حالانکہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔

(سورۃ الصف : ۸)

سعد بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی تھے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تلاش کرتا ہوں، جب انہیں تلاش کیا تو اس حال میں پایا کہ زندگی کی کچھ رمق باقی تھی ان سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تمہیں تلاش کروں اور دیکھوں کہ تم زندہ ہو یا دنیا سے جا چکے ہو، سعد بن الربیع نے جواب دیا کہ میں زندہ ہوں میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچا دو اور یہ پیغام پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے جو اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے جزا دی ہو۔ اور میری طرف سے اپنی قوم کو بھی سلام پہنچا دو اور ان سے کہو کہ سعد بن الربیع نے پیغام بھیجا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دشمن پہنچ گئے تو تم میں سے کسی کے لئے بھی اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا اور یہ جائز نہ ہوگا کہ تم میں سے کسی کی آنکھ بھی دیکھنے والی باقی رہ جائے (مطلب یہ ہے کہ تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے مر مٹو اور جان دیدو) یہ کہا اور تھوڑی ہی دیر میں ان کی روح نکل گئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ان کی بات پہنچا دی۔ (سیرت ابن ہشام ص۱۰۲)

شہداء اُحد کی تکفین وتدفین

جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر ستر صحابہ شہید ہوگئے تھے۔ مدینہ منورہ واپس جانے سے پہلے ان حضرات کی تکفین وتدفین کا معاملہ درپیش تھا بعض صحابہ نے اپنے اپنے شہداء کو اٹھا کر شہر مدینہ منورہ میں لے گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو وہیں لے آؤ جہاں ان کو شہید کیا گیا تھا چنانچہ شہر سے ان کے جنازے واپس لائے گئے، طبیعت میں ضعف بھی تھا شکستگی بھی تھی ہر شخص کے لئے علیحدہ قبر کھودنا بھی مشکل تھا لہٰذا ایک ایک قبر میں دو دو آدمی دفن کئے گئے ______ ، جن دو جنازوں کو ایک قبر میں رکھنا چاہتے تھے ان کے بارے میں آپ دریافت فرماتے تھے کہ ان میں سے زیادہ قرآن کس نے حاصل کیا پھر جب کسی ایک کے بارے میں بتا دیا جاتا تھا کہ اس نے قرآن زیادہ پڑھا ہے تو اسے لحد میں اندر رکھتے تھے اور اس کے برابر اس کے ساتھی کو رکھ دیتے تھے اور بطور کفن دونوں کو ایک چادر اوڑھا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ان کا گواہ ہوں، آپ نے حکم دیا کہ ان کو اسی طرح غسل دئے بغیر زخموں میں سے جو خون نکلا ہے اسی کے ساتھ دفن کر دیا جائے[1] حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک قبر میں دفن فرما دیا (کما ذکرہ فی الاصابۃ)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہدائے اُحد میں سے تھے۔ انہوں نے ایک ہی کپڑا چھوڑا تھا، جب انھیں قبر میں رکھا گیا تو بطور کفن اس چادر کو ان پر ڈھانکنے لگے تو سر ڈھانکتے تھے پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور ان کے پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دو[1]

---

[1] صحیح بخاری ص ۱۷۹